دعوت وتبلیغ
احکام ومسائل

مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی
خادم کہف الایمان ٹرسٹ حیدرآباد

مفتی احمداللہ نثار صاحب قاسمی
خادم دارالعلوم رشیدیہ حیدرآباد

’’اسلام میں شعبۂ دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام ، غیر مسلموں اور مسلمانوں میں دعوتی کام میں پائے جانے والے غلط افکار واعمال کی اصلاح، پیش آنے والے فقہی مسائل بہت سے حساس علمی اشکالات کے تشفی بخش جوابات موجود ہیں ، یہ سب کچھ قرآن وسنت وسلف صالحین کی تحریرات اور حوالہ جات کی روشنی میں، ایک کامیاب داعی بننے کے لیے مفید اور جامع مواد‘‘

پہلا ایڈیشن: ۱۴۴۳ھ -۲۰۲۱ء

نام کتاب : دعوت وتبلیغ احکام ومسائل

مؤلفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی 9885052592

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی 9989497969

صفحات : 300

کمپیوٹر کتابت : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، 8801198133

ناشر

کہف الایمان ٹرسٹ

صفدر نگر، بورابنڈہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ملنے کے پتے

- مکتبہ فیصل دیوبند
- مدرسہ کہف الایمان ٹرسٹ، صفدر نگر، بورابنڈہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد۔ 040-66710230
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد۔
- مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی۔

فہرست مضامین

❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلمات تبریک

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ **مُحَمَّدْ جَمَالُ الرَّحۡمٰن** صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

’’دعوت وتبلیغ - احکام ومسائل‘‘ کے نام سے تقریباپونے تین سوصفحات پر مشتمل ایک کتاب مفتی ابوبکر جار صاحب قاسمی اور مفتی احمد نثار صاحب نے مرتب فرمائے ہیں، بندہ نے بیشتر حصہ اس کا سنا، اپنے موضوع پر یہ ایک جامع اور مفصل کتاب ہے اور اس میں دعوت وتبلیغ سے جڑے تقریبا تمام گوشوں پر روشنی ڈالی گیئی ہے، خدمات دین پر جتنی تنظیمیں کام کررہی ہیں ان پر نہایت مثبت تذکرہ بھی ہے اور قابل اصلاح امور پر خیر خواہانہ مشورہ بھی، نئے پیش آنے والے مسائل پر فقہی گفتگو بھی ہے اور اشکالات کے مناسب جوابات بھی، اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے، بیشتر مشتملات قرآن وسنت اور اکابر واسلاف کی تحریروں میں سے لی جائیں، ساتھ ساتھ حوالہ جات میں مندرج ہیں۔

بحیثیت مجموعی نہایت اہم اور اس وقت کی شدید ضرورت پر ایک جامع اور نافع گراں قدر مراد کی حامل یہ کتاب ہے، بندہ کو نفع حاصل ہوا اور معلومات میں اضافہ بھی۔ اللہ تعالیٰ لغزشین کو جزائے خیر عطا فرمائے، اشاعت کو آسان کرے اور زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

والسلام

(حضرت مولانا شاہ) **مُحَمَّدْ جَمَالُ الرَّحۡمٰن** مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم

ناظم: جامعہ امام ولی اللہ اسلامیہ، پھلت، مظفر نگر

اسلام ایک مکمل دین ہے جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں تعلیمات بہم پہنچائی ہیں اور اس کے متبعین کے لئے ہر ہر قدم پر رہنمائی موجود ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو عظیم الشان سرچشموں سے سرفراز فرمایا ہے ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنت رسول اللہ یہی دونوں وہ عظیم سرچشمے ہیں جن کے ذریعہ انسان زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی حاصل کرتا ہے اور ان کے مطابق عمل کر کے وہ اپنے آپ کو رضائے الٰہی کا مستحق بنالیتا ہے، کریم اللہ نے پوری انسانیت کے لیے یہ دونوں سرمدی سرچشمے عطاء کئے ہیں تو کامیاب و بامراد وہی لوگ ہونے والے ہیں جو ان سے خاطر خواہ اپنی احتیاج کے مطابق فائدہ اٹھائیں، دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز ان پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں اور تمام نبیوں اور رسولوں کے اقوال و افعال میں جو مقام قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں اور ان دونوں کے علاوہ اب کوئی دوسرا ضابطہ معیار حق بھی نہیں اس اعتبار سے مسلمانوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے پاس کے ایسا ابدی و سرمدی منشور موجود ہے کہ وہ زندگی میں کسی بھی موڑ پر کہیں بھی اگر راہ حق سے بہک جاتے ہیں، منحرف ہوتے ہیں، یا انہیں کہیں حق کی تلاش ہوتی ہے تو ان کے پاس یہ نظام موجود ہے کہ واپس اپنی اصلاح کر سکتے ہیں، اپنی زندگی کی چولیں بٹھانے اور کلیں سیدھی کرنے کے لیے ان کے پاس

قرآن وحدیث موجود ہیں جو کسی بھی طرح کے شک وشبہ اور قیل وقال سے بالکل منزہ و پاک صاف ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کے ردوبدل کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

دین اسلام کے مختلف شعبے ہیں اور ہر ایک کی حیثیت کسی سے کم نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ملت کے لیے مختلف ادوار میں ترجیحی کاموں میں کون سا شعبہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت واحتیاج بدلتی رہی ہے ادھر کچھ عرصہ سے اپنے حضرت والا سیدی وسندی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی کے حکم پر اس حقیر نے جب سے برادران وطن میں دعوت اسلام کی صدا لگائی اور شور مچایا تو اللہ نے یہ بات منشرح فرمادی ہے کہ اس وقت کے ترجیحی کاموں میں دعوت اسلام ہی اہم ہے ہمارے تمام تر مسائل کا حل دعوت میں ہے، اس لئے کہ کار دعوت سے غفلت کے نتیجہ میں ہم جتنا رسوا اور ذلیل ہوئے ہیں تب تک ہوتے رہیں گے جب تک ہم اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہونچانے کے لئے متحرک نہ ہوجائیں اور ان کا حق ان تک پہنچانے کی فکر ہمیں دامن گیر نہ رہنے لگے اس لئے کہ غیر مسلموں میں دین کی دعوت کو اپنا فرض منصبی، امت پر عائد ہونے والا سب سے پہلا اور اہم فریضہ کائنات کے سارے مسائل خصوصاً ملت اسلامیہ کے سارے مسائل کا حل یہی دعوت ہے، اصل بات بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے فیصلہ کے بعد داعی امت بنا کر ایمان اور اسلام ان تک پہونچانے کی ذمہ داری دے کر بھیجا ہے۔

عصر حاضر میں ملت کو درپیش مسائل میں بڑا حادثہ یہ بھی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے افراد میں ایک ساتھ مل کر باہمی تعاون کے جذبے کے ساتھ کام کرنا مفقود ہوتا چلا جارہا ہے ہر آدمی اس گمان میں محصور ہے کہ جو کام میں کررہا ہوں یا جو کام میرے ذریعہ ہورہا ہے وہ تو کام ہے اور وہی حق ہے باقی سب کچھ نہیں کررہے ہیں، حال یہ ہے کہ اپنے کام کی اہمیت ہے دوسرے کے کاموں کی ناقدری اوران کی محنتوں کا استخفاف ہے دین کے کسی دوسرے شعبہ سے وابستہ افراد کی حوصلہ

افزائی تو دوران کی قدر دانی واعتراف مفقود ہے جس کی وجہ سے رب کائنات کی عطا کردہ صلاحیتیں یا تو ضائع ہو رہی ہیں یا پھر جس طرح سے ان کا استعمال مفید ہوسکتا تھا اور ان کے ذریعہ زیادہ نفع دین وامت کا ہوسکتا تھا وہ نہیں ہو پا رہا ہے اس مرض کو دور کرنے کے لئے اخلاص وتعلق مع اللہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی کمی کی بنا پر آج اس طرح کا فساد سامنے آرہا ہے ہر شخص اس فکر میں مگن ہے اور اس کی ساری تگ ودو اس لئے ہے کہ میری تنظیم سے جڑ جائے، میرے شیخ سے، میرے ادارے سے، میرے مشن سے، میری جماعت سے، میری تحریک سے اور میرے نظریہ سے جڑ جائے جب کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد کی یکسر قدردانی ہوتی اور ان کا معاون بنا جاتا یا کم از کم رفیق بن کر ان کو تقویت پہنچاتے۔ ملت میں موجود اس مفسدہ سے بہت بڑا نقصان اس کو جھیلنا پڑ رہا ہے۔

ہر زمانہ میں اللہ کے باتوفیق وخوش نصیب بندے اپنی محنتوں اور کاوشوں سے امت تک اسلام کی صحیح تصویر پہنچانے بالخصوص تنظیمی وتحریکی شعبوں کی اصلاح کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں جس کے لیے مختلف ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا جاتا رہا ہے انہی میں سے ایک ذریعہ تصنیف وتالیف بھی ہے ہمارے دو محترم جواں سال، جواں عزم، بالغ نظر عالم دین مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی احمد اللہ نثار قاسمی حفظہما اللہ ورعاہما نے **''دعوت وتبلیغ - احکام ومسائل''** کے عنوان سے ایک گرانقدر کتاب تالیف کی جس کے لئے یہ احباب بصد خلوص شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت وجانفشانی سے اس موضوع پر قیمتی اور اہم مواد جمع کیا ہے اور کوشش کی ہے دین کے تمام شعبوں میں کی جارہی کوششوں کو سراہا جائے اور ان کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ دین کا کام کرنے والے افراد خواہ وہ کسی بھی شعبہ سے منسلک ہوں ان کی قدر ومنزلت بڑھ جاتی ہے۔ زیر نظر کتاب کا اسّی فیصدی مواد ہمارے سامنے ہے جس کے نتیجہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کا مطالعہ اس طور اہم ہے کہ اس میں:

☆ دعوت وتبلیغ کی تحریکات اور بالخصوص ہندوستان میں کی جانے والی کوششوں کے تئیں قرآن وحدیث سے اور فقہاء کی آراء معتبر ومستند کتب سے مراجعت کر کے صحیح موقف تک پہونچنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

☆ اسلام میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت اور اسکی شرعی حیثیت کو اصولی انداز میں اجاگر کیا گیا ہے جس کے لیے معتبر علماء کرام کی آراء ان کے فتاویٰ کو بھی شامل کرلیا ہے تا کہ بات مستند ہو سکے اور قدیم ترین علماء کی آراء سے بھی استفادہ کیا جا سکے۔

☆ غیر مسلم برادران وطن اور مسلمانوں میں اصلاح وتربیت کے تعلق سے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ لیا ہے اور فقہ الدعوہ پر سیر حاصل گفتگو کر کے متوازن افکار ونظریات کو جمع کیا ہے جو کہ وقت کا تقاضہ بھی ہے۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم ترین فریضہ سے روشناس کرانے کے لئے علمی انداز میں کافی مواد پیش کیا گیا ہے۔

☆ غیر مسلموں میں دعوت اسلام اور مسلمانوں میں اصلاح کی لائن سے جاری عملی سلسلہ کی معتدل ترجمانی کی گئی ہے۔ اور ہر ایک میں پائی جانے والی افراط وتفریط کو دور کرنے کے لیے لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

☆ تنظیموں اور تحریکوں کا تعارف نیز ان کے ذریعہ اب تک کئے جارہے عملی اقدامات کو بھی صاحب کتاب نے خاطر خواہ جگہ فراہم کی ہے، کافی مواد پیش کر دیا گیا ہے۔

☆ بالخصوص علماء اسلام کی نظر میں غیر مسلموں تک تبلیغ اسلام کی اہمیت وضرورت پر چوٹی کے اکابرین اہل علم میں سے ۱۳؍علماء کرام کی تحریریں جمع کی گئی ہیں جن کے ذریعہ اس اہم فریضہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا۔

☆ دعوت دین کچھ غلط فہمیاں کے عنوان سے دعوت دین کی راہ میں داعیوں کے

لئے آنے والی مشکلات اور کار دعوت سے دوری کی بناء پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے با قاعدہ عنوان کے تحت موٹی موٹی غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور علمی اشکالات کے جوابات دئے گئے ہیں جن سے قارئین کو کار دعوت سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ دعوت وتبلیغ اور تبلیغی جماعت میں نکلنا اور اس کی شرعی ودینی حیثیت، وعظ وتذکیر کا حق کس کو ہے کس کو نہیں؟ سفر تبلیغ کے فقہی احکام، مساجد و مدارس کا دینی دعوتی کردار، غیر معتبر روایات اور بے سند باتیں، کچھ قابل مطالعہ اہم کتابیں جیسے موضوعات اس کتاب کا حصہ ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب نے پوری محنت ولگن سے موضوع کا احاطہ کیا ہے نیز کوئی بھی موقف پیش کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اپنی رائے کے مقابلہ باحوالہ مستند ومعتبر مواد پیش کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تحقیق کے لیے دروازے کھلے ہیں جو چاہے وہ اس میدان کا شہسوار بنے۔ صحیح فکر و سمجھ اور دینی، دعوتی مزاج نیز امت کے لئے خیر کا جذبہ رکھنے والے افراد کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ومؤثر مرقع ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور آسان ہے، عملی میدان میں کام کرنے والے احباب کے لئے یہ کتاب قیمتی تحفہ ہے۔ امید ہے مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب کی تصنیف "تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق غلط فہمیاں" نے جس طرح مقبولیت حاصل کی اور اس سے بڑی تعداد مستفید ہو رہی ہے اسی طرح یہ کتاب قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور نافع ثابت ہوگی۔

واللہ ولی التوفیق

خاکپائے خدام دین	۷/۲/۱۴۴۳ھ
محمد کلیم صدیقی عفی عنہ	۱۵/۹/۲۰۲۱ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
بانی و ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا سے آخرت تک کی کامیابی کے لئے چار نکاتی پروگرام دیا ہے: اول: ایمان، دوسرے: عمل صالح، تیسرے: دعوت (تواصی بالحق)، چوتھے: ان تمام احکام کو روبہ عمل لانے میں جن تکلیفوں، آزمائشوں اور ناگوار باتوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر، (عصر: ۳) ان میں سے ایمانیات کو تو قرآن مجید نے پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جن کا خلاصہ ہم ایمان مجمل میں پڑھتے ہیں، اعمال صالحہ کا اجر و ثواب اور اس کی خلاف ورزی پر عذاب و عتاب کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور ان کی تفصیلات احادیث میں وارد ہوئی ہیں، حق کی راہ میں صبر و برداشت کا ذکر قرآن و حدیث میں تو ہے ہی، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری سیرت اس کی عملی تصویر ہے۔

دعوت دین کا ذکر تو مختلف تعبیرات کے ذریعہ کیا گیا ہے: دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، شہادت حق، اقامت دین، تذکیر وغیرہ؛ لیکن عموماً یہ حکم اجمالی انداز میں آیا ہے، دعوت کا طریقہ کیا ہو؟ دعوت کے مضامین کیا ہوں؟ دعوت کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ دعوت دینے کی شکل کیا ہو؟ ان نکات کے بارے میں اجمال سے کام لیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دعوت دین کا طریقہ کار متعین نہیں ہے، موقع و محل، مخاطب کی ذہانت، قبول کرنے کا جذبہ، خود داعی کی اپنی صلاحیت اور ماحول وغیرہ کی

روشنی میں مختلف ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ ہر زمانہ میں بزرگوں نے حالات اور ماحول کے لحاظ سے دعوت کا طریقہ کار منتخب کیا ہے، خود ہندوستان میں بڑے پیمانے پر دعوت کا کام ہوا، یہاں جزیرۃ العرب یا ایران کی طرف سے جو مسلمان آئے، ان کی تعداد بہت کم تھی، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم سلاطین نے سیاسی مصلحتوں اور ملک گیری کی کوششوں کی وجہ سے دعوت اسلام کی طرف بہت کم توجہ دی، زیادہ تر صوفیاء کے ذریعہ برادران وطن میں اسلام کی اشاعت کا اور مسلمانوں میں اصلاح کا کام ہوا، غرض کہ دعوت کے مختلف اسلوب اور حالات کے لحاظ سے الگ الگ طریقے ہو سکتے ہیں، جمعہ میں بیان وخطاب بھی دعوت کی ایک شکل ہے، جلسوں میں تقریر بھی دعوت ہے، انفرادی ملاقات کے ذریعہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف لانا بھی دعوت ہے، اجتماعات کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح بھی دعوت ہے، تصنیف وتالیف بھی دعوت ہے، غرض کہ دعوت کے مختلف اسالیب ہیں، جن کے ذریعہ ہم لوگوں کو دین کی طرف لا سکتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مختلف طریقوں پر دعوت کے کام کو انجام دیا ہے، دعوت کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، داعی کی نیت اور اس کے جذبہ خدمت کے لحاظ سے ان شاء اللہ وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

دشواری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شریعت کی گنجائش کو کسی ایک طریقہ میں محدود کر دیا جائے، اُسی طریقہ کو ضروری سمجھا جائے، جب ایک ہی طریقہ کا ضروری ہونا ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث کی اصطلاحات کو بھی نیا معنیٰ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اصلاح وتربیت اور تزکیہ کے لئے اپنے منتخب طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقوں کو دعوت ماننے سے انکار کر دیا جاتا ہے، یہ غلو ہے، اس سے اختلاف بھی پیدا ہوتا ہے، بعض دفعہ یہ غلو بدعت کے دائرہ میں آجاتا ہے، ذہن میں دوسرے دینی کاموں کی تحقیر آجاتی ہے اور کسی مسلمان کو بالخصوص

دین کے کسی عمل کے انجام دینے والے مسلمان کو حقیر سمجھنا یقیناً گناہ ہے؛ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ جس شخص کو دعوتِ دین کے جس طریقہ سے مناسبت ہو، اس طریقہ کا استعمال کرے؛ لیکن دوسرے طریقہ کو حقیر نہ سمجھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ کو مختلف میدانوں کے لئے تیار کیا، ایک میدان میں کام کرنے والے دوسرے میدان میں اس درجہ فعال نہیں ہوتے تھے؛ لیکن کوئی بھی شخص اپنے ساتھی کو یا اس کے عمل کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا؛ بلکہ اُن کو اپنے سے بہتر خیال کرتا تھا، یہ رویہ ہو تو امت کے اندر جوڑ پیدا ہوگا، سبھوں کے کام کی قدر ہوگی، اور اجتماعی کوششوں کے ذریعہ اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچے گا۔

محب عزیز فاضل گرامی مولانا مفتی ابوبکر جابر قاسمی زیدہ مجدہ ماشاء اللہ مختلف جہتوں سے دین اور علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں، وہ ایک مقبول مدرس بھی ہیں اور کامیاب مصنف بھی، دعوت واصلاح کے میدان میں بھی نمایاں خدمت انجام دیتے رہے ہیں، اور طویل عرصہ سے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کی قائم کی ہوئی دعوت وتبلیغ کی تحریک سے جڑے ہوئے ہیں، اور اس کام کا حصہ رہے ہیں، انہوں نے بجاطور پر ضرورت محسوس کی کہ دعوت دین کے موضوع پر قلم اٹھائیں،، جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور اہل علم جن بے اعتدالیوں کو محسوس کررہے ہیں، عدال و اعتدال کے ساتھ ان کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے، اسی پس منظر میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے، جو فکری اعتبار سے ایک اہم ضرورت کی تکمیل کرتی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہیں۔

راقم الحروف پوری کتاب کے مطالعہ کی سعادت تو حاصل نہ کرسکا؛ لیکن اس نے کتاب کے بیشتر مشمولات کو پڑھا ہے، ماشاء اللہ انہوں نے بڑے اہم گوشوں کو چھیڑا ہے، جو کچھ لکھا ہے اعتدال کے ساتھ نصح کی زبان میں لکھا ہے اور قرآن وحدیث سے روشنی حاصل کرتے ہوئے اور بزرگوں کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

نیز اس دعوت وتبلیغ کے کام میں جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس سے دامن بچاتے ہوئے قلم اٹھایا ہے، یہ ضروری نہیں کہ مصنف کی ہر بات سے ہر شخص کو اتفاق ہو جائے؛ لیکن اس کتاب میں جن بنیادی نکات کو اٹھایا گیا ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہ حقیر مولانا موصوف کو اس اہم، مفید اور ضروری کام انجام دینے پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعاء کرتا ہے کہ اس کوشش کو امت کے لئے نافع بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲ر محرم الحرام ۱۴۴۳ھ
۲۲ر اگست ۲۰۲۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

ترجمانِ اہل سنت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم اشرف العلوم، حیدرآباد

وبہٖ نستعین. اسلام کی زندگی وتازگی کا راز دعوتِ اسلام کا زندہ رہنا ہے، امام غزالیؒ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اسلام کی چکی کا کھونٹا قطب الرحی اسی لئے فرمایا ہے، ان کا تو کہنا ہے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر ہی کے لئے تمام انبیاء کی بعثت ہوئی ہے، دعوت؛ ہدایت؛ انذار؛ ارشاد؛ تذکیر وتبشیر؛ ابلاغ وتبلیغ؛ تعلیم وتزکیہ وغیرہ سب اسی مبارک کام کے مختلف عنوان ہیں، انبیاء علیہم السلام ظاہر ہے کہ یہی کام امتوں میں کرتے رہے ہیں اور اسی کے ذریعہ کفر وشرک کا قلع قمع کرکے ایمان واسلام کی شمعیں روشن کرتے رہے ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اتباع کا مشن بھی یہی تھا، ختم نبوت کی برکت سے اس امت کے شانوں پر اس عظیم کام کی ذمہ داری رکھی گئی اور امت نے اس ذمہ داری کو بہ احسنِ وجوہ سرانجام دیا اور دے رہی ہے۔

عام طور سے مذاہب وافکار زیادہ لمبی عمر نہیں پاتے، خود آسمانی مذاہب بھی زیادہ عرصہ اپنی اصل حالت پر قائم نہیں رہ سکے، بہت جلد علماء مذہب کے خرد بُرد اور تحریف وتبدیل کے شکار ہوگئے، برخلاف اسلام کے کہ وہ ساڑھے چودہ سو سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی نہ صرف اپنی اصل شکل میں موجود ہے بل کہ اپنے حریفوں اور بدخواہوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرکے انہیں دفع کرتا جارہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام میں تذکیر یعنی یاددہانی کا ایک سلسلہ بلا انقطاع قائم ہے جسے خود قرآن

کریم مومنین کے حق میں نافع ہونے کو یقینی بتاتا اور بیسیوں مقامات پر بیسیوں عنوانات سے اس کام کو جاری رکھنے اور نہ رکھنے کی صورت میں سخت نقصان اٹھانے حتی کہ عذاب کے نازل ہونے تک کی وعیدیں سناتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی مختلف نوعیتیں اور مختلف طریق ہیں، جیسے علاج معالجہ اصل مقصود ہوتا ہے اور اس کے وسائل مقصود نہیں ہوتے، اسلام میں تبلیغ وتعلیم وتزکیہ مقصود اصلی ہے اُن کے ذرائع علاقوں اور زبانوں کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے بل کہ بدلتے رہنا ہی حکمت وعقل کا تقاضا ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ ذرائع خلاف شرع نہ ہوں۔

کسی بھی کام کی خوبی اعتدال ومیانہ روی ہے، افراط وتفریط سے ہر کام خراب اور مقاصد سے دور ہوجاتا ہے، کتاب وسنت میں اسی وجہ سے افراط وتفریط اور غلو ومبالغہ کی مذمت کی گئی اور اس کے مقابلے میں اعتدال وتوسط کی راہ کو پسندیدگی کی نگہ سے دیکھا گیا بل کہ اس کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس قاعدے کے مطابق دعوت وتبلیغ کا کام بھی خواہ وہ دعوت الی الایمان کا معاملہ ہو یا دعوت الی اعمال الایمان کا، پھر خواہ وہ تبلیغ کے طریق سے ہو یا تعلیم وتزکیہ کے راستے سے اعتدال واقتصاد لازمی اور ضروری ہے جس سے کسی عالم کو تو کیا عقل عام کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔

اس معقول ومشروع اور مسلّمہ حقیقت کے باوجود اس زمانے میں کارہائے نبوت کے انجام دینے اور دعوتی میدانوں میں کام کرنے والے افراط وتفریط سے محفوظ نہیں رہ سکے، اپنے منتخب ومختار کام ہی کو دعوت کے عنوان میں محدود کرنے اور اپنے اپنے نظریات وافکار اور اپنی اپنی تحریکوں جماعتوں ہی کو کتاب وسنت کے فضائل کا واحد مصداق یا حقیقی مصداق قرار دے کر اس میں نہ شامل ہونے والوں کی تغلیط یا کم از کم تنقیص کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آدمی کسی ایک کام کو اپنے لئے اپنی مناسبت ومیلان کی بنیاد پر اختیار کر کے پوری یکسوئی اور تن دہی سے اس میں مشغول

رہے لیکن حق کواسی میں دائر سمجھنا دوسروں کے کاموں اور دوسری خدمتوں کو غلط یا مرجوح قرار دینا خواہ مخواہ کی حماقت اور اپنے عمل کو قبولیت کے شرف سے محروم کرنے کا سبب ہے ، کبر وغرور اور عجب پھر اس کے نتیجے میں بغض وعناد اور غیظ وغضب جیسے مہلک امراض کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہے۔

دین کے کاموں میں اس خطرناک روش سے بچنے اور اس سے پیدا ہونے والے مہلکات سے محفوظ رہتے ہوئے کام کرنے کے لئے لازم ہے کہ آدمی کے پاس علم صحیح ہو ، بنا صحیح علم کے صحیح عمل کی توقع کرنا بے کار ہے، اور علم صحیح سے مسلمانوں کو آگاہ رکھنا تاکہ اس کے ذریعے وہ غلط افکار وعقائد اور بے محل اعمال کے دنیوی واخروی مضرات سے محفوظ رہ سکیں بھی دعوت دین میں داخل وشامل ہے، تاہم دعوت کا یہ شعبہ چوں کہ پختہ علم اور کتاب وسنت کی تعلیمات ومقاصد پر گہری نظر کا متقاضی ہے اس لئے یہ دعوت علماء راسخین کی ذمہ داری ہے، الحمد للہ علماء کرام اس ذمہ داری کو بھی ہر زمانے میں بساط بھر نباہتے رہے ہیں اور اس کی برکات بھی سامنے آتی رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب ہمارے مخلص دوست اور راسخ العلم داعی حضرت مولانا ابوبکر جابر صاحب قاسمی مدظلہٗ نے کافی وسیع اور طویل مطالعے کے بعد ''دعوت وتبلیغ'' کے عنوان سے مرتب فرمائی ہے، اس میں کارِ دعوت کے حوالے سے مختلف عناوین کے تحت اکابر علماء کرام کی کتب سے نہایت معتبر مواد جمع کر دیا گیا ہے، اس کتاب کا مطالعہ دین کے مختلف میدانوں میں کام کرنے والے تمام دُعاۃِ اسلام کی آنکھوں کو سرمہ بصیرت عطا کرے گا، معتدل وصحیح راستے کو اختیار کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مولانا کی اس محنت کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور امت کو بالخصوص دعاۃِ اسلام کو اس سے بھی بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام علی النبی کریم

۱۸ محرام الحرام ۱۴۳۳ھ　　　　محمد عبدالقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلی بات

الحمدللہ دعوت دین کے میدان میں بہت سی تنظیمیں، جماعتیں کام کررہی ہیں، ان میں سے کسی اہل حق جماعت کی تنقیص یا بے جا تنقید ہمارا ہرگز مقصود نہیں ہے، وہ سب کام ہونے چاہئے، امّت مسلمہ کو اپنی جان و مال سے اُس میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔

اس کتاب کی ترتیب دیے جانے میں چند باتوں کا لحاظ کیا گیا:

☆ دعوت اسلام (غیر مسلموں کے درمیان) دعوت اصلاح (مسلمانوں کے درمیان) سے متعلق تمام ضروری پیش آنے والے جزئیات ہمارے سامنے آجائیں، نومسلم کے مسائل، فرض عین وفرض کفایہ ہونا، دعوتی مواد، عام طور پر پیش کیے جانے والے اعتراضات، سماجی مشکلات، دوسری دینی محنتوں کے ساتھ تعلق کی نوعیت، اصلاح مسلمین میں کن پہلوؤں کی رعایت ہونی چاہیے وغیرہ۔

☆ عمل کا اعتدال، فکر ونظر کے اعتدال کے بغیر نہیں پیدا ہوسکتا، غلط فکر کی تشکیل، عمل میں غلو، دوسروں کی تحقیر، تعلّی و برتری کا احساس پیدا کرتی ہے، بطور خاص جب کوئی کام عوامی سطح کا ہو تو فکر وعمل کی رفتار پر بار بار نظر ثانی، پیدا ہونے والے اثرات پر عمیق نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے، نیز کارکنان دعوت اور محنت کرنے والے عملہ کی تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی روشنی میں ذہنی تربیت لازم ہے استقبال اور عوام کے رجوع کی وجہ سے پیدا ہونے والے مہلک امراض کا علاج ہو، ابتداءً بانیانِ تحریک کرتے رہے ہیں، ورنہ وہ تحریکیں بے

اثر، اپنے مقصد سے منحرف، علماء راسخین سے مستغنی اور ملت اسلامیہ کے لیے مصیبت عظمیٰ بن جاتی ہیں۔

کوئی بھی دینی محنت یا تحریک من حیث المجموع فرشتہ نہیں ہے، سب ہی محتاج اصلاح ہیں، خیر محض کا فلسفہ کسی کے نزدیک وجود نہیں رکھتا ہے، خیر غالب ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلوب الخیر ہونے کا انتظار کیا جائے، موجودہ خیر کی پوری قدر افزائی اور اُس میں حسب استطاعت عملی شرکت کے ساتھ مطلوبہ خیر کی ترغیب ہمیشہ دی جاتی رہے گی، جیسے یہ طریقہ غلط ہے کہ بعض افراد کی غلط نمائندگی یا بعض خرابیوں کی وجہ سے پورے کام کو مجروح کیا جائے ویسے ہی یہ روش بھی غلط ہے کہ اپنے عالمگیر اثرات، جزوی اصلاحات اور ابتدائی دینی شعور پیدا کر کے اتنا زعم میں مبتلا ہوں کہ کسی بھی واجبی اصلاح کرنے والی عالمی، مقامی شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے، یا اداروں کی طرف سے پیش کی جانے والی قابل ترمیم امور کو نفسانیت یا تنگ نظری پر محمول کر لیا جائے۔

☆ سطحی اور سرسری علم رکھنے والا شخص یا کوئی عامی جب کسی دینی تحریک سے وابستہ ہوتا ہے تو عموماً یہ خیال (مختلف اسباب و وجوہات کی بناء پر) جڑ پکڑتا ہے کہ میرے حضرت نے جو کام کیا وہ ابھی تک چودہ سو سال میں کسی نے نہیں کیا، اب بھی کوئی ایسا کام نہیں کر رہا ہے، ہمارا کام ہی قیامت تک رہے گا، مزید کسی تجدیدی کام کا تصور اور ضرورت نہیں ہے، یہ کام ہی کافی ہے دوسری دینی محنتیں جو دیگر اہم شعبہ جات کو زندہ کرنے اور رکھنے کا کام کر رہی ہیں ان کی ضرورت نہیں یا کم ضرورت ہے، ہو سکے تو انہیں بھی ہمارے اندر ضم ہو جانا چاہیے، ہمارے بڑے نے جو طریقۂ محنت اپنی فکر و دعا سے طے کیا ہے وہ مجتہد فیہ نہیں بلکہ منصوص ہے، سیرت کے مخصوص مطالعہ کے نتیجہ میں طے کیے جانے والے چند محدود اعمال کو نتیجہ علم والہام یا کامیاب تجربہ سے زیادہ درجہ کا مقام دیا جائے؛ یہ وہ تعبیر کی غلطی ہے بلکہ اسلامی فکر کی تحریف ہے جو ہرگز قابل برداشت

نہیں، عوام الناس میں پہونچ کر جو مفاسد پیدا کرتی ہیں اس کا خمیازہ صدیوں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

☆ قیامت تک ہر فکر کو ناپنے تولنے کا دائمی ابدی محفوظ ترین پیمانہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف صالحین کے افکار ونظریات ہیں، جمہور علماء ربانی کی تصویب وتوثیق ہے افکار ونظریات کو اسی پیمانے میں پرکھا جاتا رہے گا، حسب منشاء ربانی، تقاضہ وقت کے مطابق تحریکات پیدا ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کو جب تک کام لینا ہوتا ہے کام کرتے ہیں پھر ختم ہوجاتی ہیں، کسی تحریک کے ذمہ داروں کے دباؤ میں یا اس تحریک کے غلبہ کے زیر اثر مسلماتِ شریعت کو نہیں بدلا جانا چاہیے۔

☆ اس کتاب کی ترتیب کے دوران یہ بات بھی پیش نظر رہی ہے کہ فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں عوام الناس جو غلط، موضوع احادیث، غیر معتدل اقوال وتعبیرات رائج کرتی جارہی ہے اس کی بھی تنقیح وتصحیح اچھی طرح ہوجائے، ہر آدمی اس قدر کتابیں رجوع کرے دشوار ہے اس لیے ان سب کو یکجا کردیا گیا۔

☆ الحمدللہ! جو کچھ بھی لکھا گیا اکابر علماء کرام کی تحریرات کی بنیاد پر لکھا گیا، کوشش کی گئی کوئی بات ذاتی فکر، شخصی نظریہ، خودساختہ سوچ اور مغرورانہ اجتہاد نہ رہے، رب کریم قبول فرما اور ہمارے لیے ذخیرہ آخرت بنا۔ (آمین بجاہ سید المرسلین)

داعی کو چاہیے کہ وہ اپنوں کے درمیان مختلف فیہ نہ بنے اور نہ ہی اختلافی مسائل کو اپنا موضوع بنائے، ہمیشہ مسلمہ متوازن بات پیش کرنا داعیوں کا امتیاز رہا، اپنے موضوع پر عوام وخواص کو اُبھارتے ہوئے دھیان رہے کہ کوئی مرجوح روایتِ تفسیر نہ ہو، نا قابل تصریح حدیث نہ آجائے، فقہی ابحاث پر بھی اچھی نظر ہو، تعبیر ایسی مبہم، غیر واضح نہ ہو کہ دوسری دین کی محنتوں پر چوٹ آجائے، مخاطب بالعموم عوام الناس ہوتے ہیں کہیں ان کے لیے غلط فہمی یا بدفہمی کا دروازہ کھول دے، سادہ اسلوب، ومثبت طرز ہی اسلوب دعوت ہے، کسی مضمون کے کہنے سے (چاہے وہ درست ہی ہو) عوامی انتشار، میدان

محنت کے سکٹر نے کا ذریعہ بن رہا ہوتو داعی کو (جب کہ وہ مضمون فرض، واجب وغیرہ کے قبیل سے نہ ہو) اُسی مضمون کے کہنے پر اصرار نہیں ہونا چاہیے ہمیشہ اپنے آپ کو علماء راسخین کے ماتحت اور اہل دل کا محتاج بنائے رکھے تو کامیابی کا سفر جاری رہے گا۔

کتاب کی ترتیب کے وقت امتِ مسلمہ کی عمومی صورتحال پیش نظر رہی، کسی خاص تحریک یا تنظیم کے بجائے تمام ہی جامعیت واعتدال کے حامل اکابر کی کتابوں سے عطر کشید کرنے کی کوشش رہی، راقم اور اس کے رفیق درس مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی نے ۱۳/ سال پہلے **"تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق، غلط فہمیاں"** کتاب ترتیب دی تھی اس مواد کو اس کا تکملہ سمجھا جانا چاہیے۔ البتہ اس مرتبہ راقم کے دوسرے رفیق مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب نے کافی محنت کی۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

ابوبکر جابر قاسمی

تعلیم،تبلیغ اور تزکیہ

شریعت کے تمام احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر سے نکلے ہوئے تمام اعمال اپنے اپنے فقہی مراتب کے اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں، اور ہر شعبہ میں اس کے ماہرین اور کاملین کی رہبری ضروری ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مجددین، مصلحین میں بھی تقسیم کے اصول پر عمل کیا جاتا رہا ہے، کسی نے تدوین حدیث، کسی نے تدوین فقہ، بعض نے تزکیہ باطن بعضوں نے قتال و جہاد کے کارنامے انجام دیے، جیسے ہر آدمی بڑھئی، معمار (مستری) پینٹر، انجینئر اور ڈاکٹر نہیں بن سکتا لیکن انسانی ضروریات ان تمام ہنرمندوں سے پوری ہوتی ہے اسی طرح مفسرین، محدثین، مصلحین اور مبلغین کے تمام طبقات سے شریعت کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے اور ہر فن میں اس کے ماہر پر اعتماد اور اس سے استفادہ کیا جائے گا، **فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** پر ہر زمانے میں بڑے بڑے ماہرین علوم وفنون اہل دل کی صحبت اختیار کرتے تھے، صرف تعلیم یا تبلیغ پر انہوں نے اکتفاء نہیں کیا، علماء دیوبند کا امتیاز ہی یہ ہے کہ انہوں نے نقوش علم کے ساتھ نفوس عمل کو ضروری سمجھا دینی نقل وحرکت کو صحبت وذکر کے بغیر آوارگی اور جہالت قرار دیا، کوئی شعبہ دوسرے شعبہ کا بدل نہیں ہے، جیسے آنکھ، ناک اور کان، ایک دوسرے کا بدل نہیں ہیں ویسے ہی قحط الرجال کا دور ہے، جامع کمالات، ہمہ جہتی خصوصیات کی حامل شخصیات نادر ہیں جس شخصیت میں جو کمال ہو اُس سے استفادہ کیا جائے اور اصلاح باطن سے ہم کسی لمحہ مستغنی اس لیے بھی نہیں ہیں کہ نفس وشیطان کی مکاریاں،

زمانے کا اتار چڑھاؤ، ہم شعبہ ساتھیوں کی طرف سے آنے والے حالات میں معلم اور داعی جب تک کسی اہل دل سے مشورہ نہ کرے قدم جمتے نہیں، محنت کا رخ بھی درست نہیں رہتا، عجب، کبر، دولت اور عورت کی گھاٹیاں آدمی پار نہیں کرسکتا ہے، خارجی محنت اور داخلی محنت کا توازن کیسے برقرار رکھا جائے، گھر اور مسجد میں وقت کی تقسیم کیسے ہو؟ ان سب امور میں ہمہ وقت یا بروقت دستیاب مشیر ضرور چاہیے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سالہ صحبت کے بعد اپنے استاد شیخ الہند کے مشورہ سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے، ان سب کے انتقال کے بعد مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے بغیر دعوت کا کوئی قدم نہیں اُٹھایا کرتے تھے تفصیل کے لیے ذیل کی کتابوں کا مطالعہ کریں:

شریعت وطریقت کا تلازم	شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ
تزکیہ واحسان	مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ
تزکیہ واحسان اور اکابر تبلیغ	مولانا قطب الدین مُلّا

خوب یاد رکھیے! اکرام دلی تعظیم کا نام ہے ظاہری اداکاری کا نام اکرام نہیں ہے، تالی دو ہاتھ سے جب بجتی ہے جبکہ دونوں میں قوت ہو اسی طرح مجالس میں دستر خوانوں پر جوڑنے کے ساتھ طرفین میں خلوص کی قوت ضروری ہے۔

دوسرے شعبہ میں کام کرنے والے

انسان اپنے شعبہ میں کام کرتے ہوئے دوسرے شعبہ والے کو اپنا معاون اور محسن سمجھے، خلوت وجلوت میں ان کا اعتراف اور ان پر اعتماد کا اظہار کریں، غلطیاں ہر شعبہ میں کام کرنے والوں میں ہوتی ہیں صرف اپنے کارناموں اور کارگزاریوں سے واقف ہو کہ دوسروں کے کام کو بے اثر بے یا فائدہ نہ قرار دیں، قیامت کے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ خواص وعوام میں باعتبار صفات کے تنزل تو ہو ہی رہا ہے، ہر شعبہ کے موجودین کی

قدر کریں،مرحومین سے موازنہ کر کے موجودین سے اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔

☆ متقدمین کی مثال: محدثین کرام،فقہاء کرام سے فرماتے تھے: **"انتم الاطباء ونحن الصیادلة"** تم ڈاکٹر ہو، ہم دواساز ہیں، یعنی آپ جانتے ہو کہ کونسی حدیث کا پس منظر اور اس سے ثابت ہونے والے احکام کیا ہیں، ہم سند حدیث، الفاظ حدیث کی حفاظت کا کام کرتے ہیں۔

☆ سرکاری اور حکومتی مختلف شعبہ جات میں جیسے غیر معمولی تعلق رہتا ہے اسی طرح دینی محنتوں میں بھی ہونا چاہیے، تاجر مختلف چیزوں کے کاروباریوں سے گہرا تعلق رکھتا ہے اسی طرح دینی خدام کا تعلق بھی تمام دینی خدمات سے ہونا چاہیے اگر لڑکے لڑکیوں کو مدرسہ میں داخلہ دلوانا ہے تو اہل مدارس کا، کہیں فرقۂ ضالہ سے مقابلہ، مناظرہ کی ضرورت ہو تو مجلس تحفظ ختم نبوت، غیر سودی نظام کا تعارف کروانے کے لیے ماہرین اسلامی معیشت، تنازعات کے حل کے لیے دارالقضاء کارخ کیجیے، ماہرین نظام مکاتب کا سہارا لینا پڑے گا اگر شہروں، دیہات میں مکتب قائم کرنا ہے اور بہت کچھ۔

☆ پورے جسم میں اگر ایک عضو بھی بیمار ہو تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح کسی بھی حکم شرعی یا کسی بھی جُزِ دین کی کمزوری اور اضمحلال پر پوری امت مسلمہ کو کوشش کرنا چاہیے"سوچنے کی بات یہ ہے کہ پورا جسم سلامت ہو مگر صرف ناخن میں تکلیف ہو تو انسان اس کے علاج کے لیے فکر مند ہو جاتا ہے اسی طرح ہماری نظر بطور خاص ان اعمال اور ان شعبوں پر ہونی چاہیے جو مردہ ہو رہے ہیں، یا جس کا تذکرہ نہیں ہے، یا امت مسلمہ کی ان کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں ہو پا رہی ہے"۔(۱)

☆ ایک جنازہ نظر آئے جسے دو آدمی اٹھا رہے ہیں دو یا چار اور آجائیں اور اٹھانے والوں کی مدد کریں تو وہ دو شخص خوش ہو جاتے ہیں، اسی طرح اگر دوسرے شعبہ

---

(۱) ملفوظات حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب حیدرآباد

والے آجائیں، یا اسی شعبہ میں کام کرنے والے دوسرے افراد حصہ لینا چاہیں، ایک خانقاہ کے علاوہ دوسرے خانقاہ، ایک مدرسہ کے بعد دوسرا مدرسہ آجائے تو خوش ہونا چاہیے کہ دین کا جنازہ اٹھانے میں اس کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ میں مدد کرنے والے اور آگئے ہیں۔(۱)

☆ حضرت شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنت کا موازنہ اور تقابل ہونے لگا تو حضرت نے فرمایا: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر غلبہ "غیرت" تھا، اس لیے وہ فرماتے تھے جو آدمی آئے اصول وآداب کے ساتھ آئے، نتیجتاً ان کا فائدہ "تام" ہوا مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر "غلبہ شفقت" تھا وہ فرماتے تھے الیاس چاہے ذلیل ہوجائے مگر اللہ کا دین عزیز ہوجائے نتیجتاً ان کا فائدہ عام ہوا۔

☆ اخلاص اور اعتدال کا تھرمامیٹر یہ ہے کہ دوسرے کو کسی بھی طرح کا دین کا کام کرتا ہوا دیکھ کر اگر خوشی کی کیفیت ہو تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرر ہے ہیں اور اگر تکلیف یا تنگی محسوس ہو رہی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لیے کرر ہے ہیں، مثلاً ہم جس کام کو کرر ہے ہیں وہ کافی ہے، ان کی کیا ضرورت ہے، ان کا کام ہماری مسجد میں نہیں ہونا چاہیے، ایڈ جسٹ یا ترتیب بنانے کے بجائے اس کام کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ خدا کے دین کا تحفظ مقصد نہیں ہے بلکہ ذات، تنظیم یا انفرادیت کا تحفظ مقصد بن چکا ہے۔

دعوت واصلاح کا کام ہمیشہ چلتا رہا

اسلام کی چودہ سوسال کی تاریخ میں اصلاح وانقلابِ حال کی کوششوں کا تسلسل

---

(۱) ملفوظات حضرت ابرارالحق ہردوئی، راوی مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم، حیدرآباد، ناظم ادارہ اشرف العلوم۔

رہا،ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدیداور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت میں حصہ لیا جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے اور مسلمان ایک ممتاز امت کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

اچھے اچھے سنجیدہ حلقوں میں یہ خیال قائم ہو چکا کہ "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اصلاح وتجدیداور انقلاب حال کی کوشش مسلسل نہیں رہی، درمیان میں طویل خلا ہے کئی کئی صدیوں کے بعد کچھ شخصیات میں اُبھرتی رہی ہے جنھوں نے حالات سے کشمکش کی ،وہ لوگ فکری اور عملی حیثیت سے کوئی ممتاز مقام رکھتے تھے، ورنہ عام طور پر پوری تاریخ میں متوسط درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں جو عہد انحطاط کی عام سطح سے بلند نہیں تھے ان کے علمی وعملی کارناموں میں کوئی جودت اور ندرت نہیں پائی جاتی ، پس پورے چودہ سو سال میں ۷ / ۸ لوگ ہی مستثنیٰ ہیں جنہوں نے کچھ کام کیا۔

یہ باطل نظریہ گمراہ خیال معمولی نہیں ہے یہ اسلام کی اندرونی صلاحیت وطاقت سے ایک طرح کی بدگمانی اور مایوسی ہے گویا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے انہوں نے پورے زمانے میں ضرورت کے آدمی اور اہل دعوت وعزیمت کونہیں پیدا کیا حقیقت میں ایک ذہنی شکست خوردگی اور احساس کمتری ہے جس کی کوئی علمی بنیادنہیں'' (۱) حالانکہ پوری تاریخِ اسلام میں تقاضہ وقت کے مطابق مجددین کا پیدا ہونا اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی ہے۔

متقدمین اکابرین کے بارے میں یہ تبصرہ وتنقید کا کام بہت اچھا لگتا ہے کہ ''انہوں نے یہ کام کیا انہیں تو یہ کرنا چاہیے تھا'' میدان جنگ کا فوجی زیادہ جانتا ہے کہ کونسا پینترا بدلنا چاہیے،کونسے محاذ پر جانا چاہیے،موجودہ زمانے کے رجحانات اور خیالات کے پیمانہ

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت،مقدمہ جلد اول

میں گزشتہ کی عظیم شخصیت کے کام کوناپ کراُس کے کام کونا کام قرار دینایا کامیاب قرار دینانا انصافی اور کوتاہ نظری ہے،اپنی یاان کی حیثیت کونہ جاننے کی علامت ہے۔(۱)

ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہماری تحریک (دعوت وتبلیغ) کی ہم عصر دینی تحریکات یا دینی ادارے منصوص چیزوں کومقصد بناتے ہوئے اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کررہے ہیں تو ہماراان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں ان کا اعتراف کرنا چاہیے ان کی کامیابی کی دعائیں دینا چاہیے ان سے تعلقات بڑھانا چاہیے اس لیے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کوسنبھالے ہوئے ہیں اوراس طرح انھوں نے ہم کوموقع دیا کہ دوسرے کاموں سے مطمئن ویکسوہوکر اپنا کام کریں، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدارس کے لئے دعائیں کرتے تھے، اوراپنے خاص محبین کوان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

ایک بات یہ بھی یادرکھنی چاہیے! کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے،اذہان کا اتنا تفاوت ہےاور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کومتاثر کرسکتی ہے اوران کی تسکین کا سامان فراہم کرسکتی ہے اوران کی استعداد کے مطابق غذا فراہم کرسکتی ہےکوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے،کسی پرلٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اورکوئی کسی ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے اس طرح ایک واحد طریقہ کار سے ہرجگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کوسمجھنے اوراس کے مطابق چلنے میں لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سےلوگ قابل قدراور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہرشخص ان ہی کےمخصوص طرز پرکام نہ کرنے لگے حالانکہ عمومی اور انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا ہرشخص سے وہی کام لیا جاتا ہےجس کا وہ زیادہ اہل ہےاوراس میں وہ دوسروں سے ممتاز

(۱) دیکھیے: دین کی خدمت اوردعوت وتبلیغ کےمختلف طریقے، خطاب مولانامحمد سلیم دھورات بانی وشیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی لیسٹر، یوکے،جس پرہندوپاک کےتمام اکابر کی تقریظات موجود ہیں۔

ہے اور جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بہتر انداز میں انجام دے سکتا ہے۔

ہم کو تو دوسری دینی کوششوں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے بہت سوں کو سنبھال لیا جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستے سے دین تک آجائیں اور کچھ لوگ اُس راستے سے آجائیں۔(۱)

ہمارے یہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو جب تک اس کام کو فرض عین نہیں کہتا اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا ہے اور جب تک وہ یہ نہ کہہ دے کہ جو آدمی یہ کام نہیں کرر ہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا، دوسرے کے کاموں پر تنقید کرنا، اپنے کام کی اہمیت جتلانے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے، اہل علم دین کے چوکیدار ہیں چوکیدار کا فریضہ ہے کہ اگر شہزادہ بھی دربار شاہی میں خلاف ضابطہ داخل ہونا چاہے تو اس کو بھی روک دے گا، حالانکہ چوکیدار جانتا ہے کہ میں چوکیدار ہوں اور یہ شہزادہ، تعظیم وتکریم میں اپنی جگہ ہو لیکن فرض منصبی پورا کرنا ضروری ہے۔(۲)

انفرادی اعمال اور خدام دین

معلم، داعی اور خادم دین کی محنت کا ایک رخ تو مخلوق کی طرف ہے، اور ایک رُخ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر محنت کرے، تنہائیوں میں ذکر کا اہتمام ہو، نوافل بالخصوص تہجد سے ہر گز بے فکری نہ رہے، غافل لوگوں کو ذاکر کیسے بنائے گا، سونے والا سوتوں کو کیسے جگا سکتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○ اِنَّا سَنُلْقِيْ

(۱، ۲) اللہ کا راستہ کیا ہے، ص: ۵۸ (بحوالہ دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو؟ ص: ۱۲) از مفتی محمد شمشاد احمد صاحب، استاذ جامعہ اشرف العلوم، گھنگوہ۔

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ○ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ○ (۱)

☆ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جب تک اللہ کے ساتھ تخلی نہیں ہوتی اس وقت تک تلقی (اللہ سے کچھ لینا) نہیں ہوتا۔

☆ مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر پانی چشمہ سے مسلسل نکالتے رہیں تو گدلا پانی آنا شروع ہوجاتا ہے پانی نکال کر پھر ٹھہرنا پڑتا ہے پھر نکالا جاتا ہے اسی طرح آدمی صرف مخلوق میں دین سناتا (ذکر اللہ کے بغیر) پھرے تو بجائے للّٰہیت کے بول کے نفسانیت کا بول نکلنا شروع ہوجاتا ہے دعوت، تعلیم وغیرہ کی مصروفیت کے درمیان رُک کر اللہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہیے۔

☆ حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے شہد کے چھتے سے شہد نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے جسم پر چادر یا دوا ڈال کر مل لی جاتی ہے پھر شہد کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں ورنہ شہد کی مکھیاں نکالنے والے کو لپٹ جاتی ہیں، ہم پہلے قناعت، ذکر، زہد وغیرہ کی چادر اپنے دل پر ڈال کر بے دینی کے ماحول میں دعوت دینے کے لیے جائیں ورنہ بے دینی، حرص، غفلت کی مکھیاں ہمیں لپٹ جائیں گی ،مزید فرماتے ہیں کہ تمہاری تنہائیاں جتنی نورانی ہوں گی اتنی ہی تمہاری جلوتیں نورانی ہوں گی، خلوتیں جتنی بے نور ہوں گی، مجالس بھی اتنی ہی بے لطف و بے اثر ہوں گی۔

دعوت صرف غیر مسلموں کے لیے نہیں

ابھی تک ایک طبقہ اس غلط فہمی میں ہے کہ دعوت کا کام صرف غیر مسلموں میں کیا جانا چاہیے، مسلمانوں کو کیا ضرورت ہے، یاد رکھنا چاہیے۔

☆ قرآن کریم میں ہے! ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا'' اے ایمان والو! ایمان لاؤ ایمان کے ساتھ حقیقی ایمان بنانے کی دعوت دی جارہی ہے، وہ طاقت ایمانی جو

(۱) سورۃ مزمل: ۱۔۷

عبادات کے بعد معاملات ومعاشرت اور اخلاقیات کی تکمیل تک لے جائے۔

☆ مسلمانوں کی صورت حال ایسی بنتی جارہی ہے کہ غیر مسلم کے لیے اسلام میں داخل ہونے سے رُکاوٹ بن چکے ہیں، غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے کا ایک نہایت موثر طریقہ یہ ہوگا کہ رواجی، روایتی اور پشتینی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جائے۔

☆ غیر مسلم اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کے معاشی معاشرتی مسائل تب ہی حل ہوسکتے ہیں جب کہ مسلمانوں میں انصار صحابہ کا جذبۂ خدمت ہو، مہمان تو آنے تیار ہو مگر میزبان یعنی قدیم مسلمان اس کی مہمان نوازی کے لیے تیار نہ ہو تو کیا کیا جاسکتا ہے؟

☆ بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک تعداد غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے کے لیے آئی، لیکن انہیں میں کی ایک تعداد جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء خود اُس زمانے کے کلمہ گو اور اولادِ انبیاء کی اصلاح کے لیے بھی مبعوث ہوئے ہیں۔

☆ حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم جلد اول کی ابتداء میں ذکر کئے گئے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جیسے غیر مسلم افراد واقوام کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا جاتا، اسی طرح اُن لوگوں کی طرف بھی بھیجا جاتا جو مسلمان ہو چکے ہیں اور وقتاً فوقتاً نازل ہونے والے احکام سے ناواقف ہیں۔

☆ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان دعوت کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری کرنا ہے ہے فضائل تبلیغ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ) میں وہ سارے فضائل اور وعیدیں موجود ہیں جو اس کام کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔

فی سبیل اللہ اور نصوصِ قتال

خلاصہ بحث وتحقیق کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کا استعمال قرآن وحدیث میں تین مصداق اور تین معنیٰ میں ہوا ہے:

① "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" زکوۃ کا خاص مصرف جو سورۂ توبہ میں موجود ہے جس کے خاص شرائط اور اوصافِ استحقاق ہیں۔

② بعض جگہوں پر "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" تمام اعمال خیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کی تفصیلات مولانا رفیق امجد صاحب بنگلہ دیشی نے حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند) کی نگرانی میں "**اَوَلَيْسَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ قُتِلَ**" کا رسالہ مرتب کیا کہ قرآن میں کہاں کہاں فی سبیل اللہ تمام امور خیر میں اور کہاں عمل قتال کے بارے میں مخصوص ہے، ہم نے اس رسالہ کا خلاصہ اپنی کتاب "**تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق، غلط فہمیاں**" میں نقل کر دیا ہے ابھی ماضی قریب میں ہندوستان کے جلیل القدر عالم دین مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب دامت برکاتہم (استاذ افتاء وحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی) کی زیر نگرانی ۶۲ / احادیث نقل کی گئی ہیں جس میں واضح طور پر ۳۷ اعمال کو اللہ کا راستہ بتلایا گیا۔

③ جن احادیث میں "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" صرف قتال اور جہاد بالسیف کے معنی میں ہیں اس سے متعلق چند روایات کو حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب

استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی (مکتبہ ایمان ویقین ، بنوری ٹاؤن کراچی) نے اپنی کتاب سبیل اللہ کی تحقیق قرآن وحدیث کی روشنی میں نقل کیا۔

☆ اس سے پتہ چلا کہ "اللہ کا راستہ" کسی خاص محنت کے ساتھ خاص کر دینا دوسرے باقی اعمال خیر کو اللہ کا راستہ نہ ماننا کم علمی ہے دوسری طرف لفظ "فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کو بہر حال قتال کے ساتھ خاص کیا جانا بھی ایسا نقطہ نظر ہے جس پر نظر ثانی ہونا چاہیے۔

یہ بھی جمہور امت سے انحراف ہے کہ وہ ایات واحادیث جو عمل قتال کے ساتھ خاص ہیں اس کو اپنی رائج کردہ جدوجہد پر چسپاں کرنا زبردست قسم کی خیانت محسوس ہوتی ہے، سوچنا چاہیے۔

☆ اگر وہ آیات واحادیث جو قتال کے ساتھ مخصوص ہیں اگر ہر کارِ خیر پر استعمال کیے جائیں تو عمل قتال کی امتیازی شان کیا رہے گی؟

☆ دوسرے کار خیر انجام دینے والی تحریکات اُن روایات کو کیوں استعمال نہیں کر سکتی ہیں؟

☆ شراح حدیث، فقہا کرام کے ذکر کردہ بیانات سے ہٹ کر کوئی نئی تشریح بتانا کیا مناسب ہے؟

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ''داعی کو مشترکہ ومسلمہ باتوں سے دعوت دینا چاہیے نہ کہ کسی اختلافی لفظ سے''۔

☆ دعوت اصل ہے قتال عارض ہے کفار کو جہنم میں پہونچانا مقصود نہیں، رحمت للعالمین کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو جنت میں داخلہ دلوایا جائے، قتال میں ''شفاء غیظ'' ہے جبکہ دعوت میں ''کظم غیظ'' ہے، اس لیے آیات واحادیثِ قتال کا استعمال دیگر کارِ خیر کے لیے بھی درست ہے، اس قول شاذ اور تفرد کو پوری امتِ مسلمہ پر کوئی

داعی نہیں تھوپتا ہے، یاد رکھئے دعوت ہمیشہ مذہب کی ہوئی مسلک یا ذاتی اجتہاد کی نہیں۔

امت مسلمہ کو کسی بھی کارخیر یا دینی محنت پر کھڑا کرنے کے لیے بے غبار اور متفق علیہ اتنا مواد موجود ہے کہ مذکورہ بالا پیچیدگیوں سے اپنے دامن کو بچا کر بھی زیادہ سے زیادہ طبقاتِ امت کو قریب کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض خواص اور اکثر عوام میں بار بار یہ جتلایا جا رہا ہے کہ تمام فی سبیل اللہ کا اولین مصداق بلکہ صرف تبلیغی نقل وحرکت ہی مصداق ہے یہ ایسی گمراہی ہے جو ڈھکی چھپی نہیں رہی، راقم الحروف خود سینکڑوں مجالس میں سُن چکا ہے، کام کی ساری خوبیوں کے باوجود یہ فکر قابل اصلاح ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس موضوع کو خالص تحقیقی انداز میں کسی شخصیت یا تحریک کی دعوت ودفاع کے جذبہ سے خالی ہو کر متقدمین کی تحریرات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

تبلیغی جماعت بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مصداق

جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور جو جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہو وہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس کے اندر مدارس کی تدریس وتعلیم اور علماء کی تصنیفات اور تبلیغی جماعت کی دعوت وغیرہ سب عمومیت کے ساتھ کسی نہ کسی طریقہ سے جہاد فی سبیل اللہ کے عموم میں شامل ہیں، کیوں کہ ان میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا معنی موجود ہے۔(۱)

جہاد فی سبیل اللہ پر مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پالنپوری کی تحقیق

جہاد قرآن وحدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: دین کی حفاظت اور سربلندی کے لئے دشمنان اسلام سے لڑنا۔ **جاھد العدو مجاھدۃ وجھادا** کے معنی ہیں: دشمن سے لڑنا۔ اور **جاھد فی الامر** کے معنی ہیں: کسی کام میں پوری

(۱) مستفاد: انوار ہدایت، ص: ۳۸۸-۳۹۱، فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۲۳

طاقت لگانا، پوری کوشش کرنا، اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے، کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملایا ہے اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے، پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ آیا ہے فینا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں، مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ "دین" محذوف مانتے ہیں، جیسے (**وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ**) یعنی اللہ کے دین کے لئے پوری طاقت خرچ کرو، اور (**وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**) یعنی جولوگ ہمارے دین کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں: ہم ان کو اپنی راہیں سُجھاتے ہیں، یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لئے عام ہیں، کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں، لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے مصارف زکوۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں، سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں: شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے "لڑنا" ترجمہ کیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں جو **ابواب الجہاد** اور **ابواب فضائل الجہاد** آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں فی سبیل اللہ کی ساری روایات یہاں لائی گئی ہیں معلوم ہوا کہ یہ خاص اصطلاح ہے اور جہاد کے معنی میں ہے۔

لیکن تبلیغ والوں نے ان آیات کو عام کر دیا ہے، اور عام نہیں کیا بلکہ اپنے کام کے ساتھ خاص کر دیا ہے، وہ تبلیغ ہی کو جہاد کہتے ہیں، دوسرے دینی کاموں کو مثلاً درس وتدریس اور تصنیف وتالیف وغیرہ کو جہاد نہیں کہتے، بلکہ ان کے عوام تو ان کو دینی کام بھی تصور نہیں کرتے اور جب انہوں نے دعوتِ تبلیغ کو جہاد قرار دے دیا تو جہاد کے فضائل

میں جو آیات پاک اور احادیث شریفہ آئی ہیں ان کو دھڑلّے سے اپنے کام پر منطبق کرتے ہیں، یہ سلسلہ جو تبلیغ والوں نے شروع کیا ہے: صحیح نہیں، پہلے ابواب البیوع کے شروع میں میں بتا چکا ہوں کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے، اور جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے، البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، ان کے لئے یہ الحاق ہی فضیلت ہے، جیسے حدیث میں ہے: **من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع** اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، یہ الحاق ہی طالب علم کی فضیلت ہے، اسی طرح دعوت وتبلیغ کے کام کا فی سبیل اللہ کے ساتھ الحاق کیا جاسکتا ہے، اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہوگی۔ قرآن وحدیث میں فضائل جہاد کی جو آیتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب فضیلتیں نہ طالب علم پر منطبق کی جاسکتی ہیں، نہ تبلیغ والوں پر۔ یہ خاص بات یاد رکھنی چاہیے۔(۱)

☆ **فائدہ:** یہاں (ترمذی شریف کے متن میں) بین السطور میں لکھا ہے: **ھوالجھاد الاکبر** یعنی نفس سے ٹکر لینا ہی بڑا جہاد ہے، یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی میں جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا، اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کا لشکر جرار لیکر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے، اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن کا قیام کیا، مگر کوئی مقابلہ کے لئے نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظفرمند واپس لوٹے، آگے بڑھنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا

(۱) تحفۃ الالمعی: ۴/ ۵۵۴

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر (ای ذاهبا الی الجهاد الاکبر) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے، اس حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تیر وتفنگ کی لڑائی تو لڑ چکے اور یہ چھوٹا جہاد تھا، اب دل سے لڑنا ہے یعنی خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ہے اور یہ بڑا جہاد ہے، دعوت وتبلیغ والے بھی یہی کہتے ہیں تبلیغ کے لئے نکلنا بڑا جہاد ہے، یہ مطلب صحیح نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو، رومی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے، ہم زبردست ہیں، ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا، یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں، لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

یہ معرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے، مسلمانوں کی رومیوں سے ہولناک جنگیں ہوئیں، اس حدیث میں اس کی پیشین گوئی ہے، پس اس حدیث کو خانقاہی نظام سے جوڑنا یا دعوت وتبلیغ کے کام کو اس کا مصداق بتانا شاید خلافِ واقعہ ہے۔(۱)

☆ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبایہ تابعی ہیں اور تابعین کے بھی دوسرے طبقہ میں ہیں اور ان کی کوئی علمی شہرت بھی نہیں ہے، انہوں نے فی سبیل اللہ کو عام کیا ہے، تمام دینی کاموں کو اور امور خیر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، چنانچہ یزید جو جمعہ پڑھنے جا رہے تھے ان کے عمل کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بھی ابواب فضائل الجہاد کے باب ۳ میں جو حدیث آئی ہے کہ راہ خدا میں روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اس کو عام رکھا ہے، کوئی بھی دینی کام میں مشغول آدمی روزہ رکھے تو اس کے لئے وہ فضیلت ثابت

(۱) تحفۃ الالمعی: ۴/۵۵۶

کی ہے، اور الکوکب الدری میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب یہ فضیلت عام ہے تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ابواب الجھاد میں کیوں لائے ؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جہاد بھی امور خیر میں سے ہے اس لئے سفر جہاد میں روزہ کی فضیلت بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۱ جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تمثیل آئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت، جس سے سات بالیں اگیں، ہر بال میں سو دانے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں اجر بڑھاتے ہیں یعنی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں، اس آیت کو حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے عام رکھا ہے، تمام وجوہِ خیر میں خرچ کرنے کو آیت کا مصداق قرار دیا ہے، جہاد میں خرچ کرنے کے ساتھ آیت کو خاص نہیں رکھا۔

اور شیخ الہند قدس سرہ نے اپنے تفسیری فوائد میں گول مول بات کی ہے، حضرت کے نزدیک آیت میں فی سبیل اللہ خاص ہے یا عام: اس کا کچھ پتا نہیں چلتا، اسی طرح سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں جو مصارف زکوۃ بیان کئے گئے ہیں اس میں بھی فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں اس کو جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں ”وغیرہ“ بڑھا کر عام کیا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی کتاب الزکوۃ میں یہ اصطلاح زیر بحث آئی ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع میں بڑا زور باندھا ہے کہ یہ مصرف عام ہے، مگر بحث وتمحیص کے بعد فتوی کے لئے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول طے پایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الغزاۃ ہیں یعنی وہ لوگ جو اسباب نہ ہونے کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاسکتے ان کو اموال زکوۃ سے سامان فراہم کیا جاسکتا ہے، اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فی سبیل اللہ کا ترجمہ جہاد

سے کیا ہے۔

غرض یہ اصطلاح قرآن وحدیث میں عام ہے یا خاص؟ اس میں اختلاف ہے اور بحث وتمحیص کے بعد آخری رائے جو مصارف زکوۃ میں طے پائی ہے: وہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ خاص اصطلاح جہاد ہے، تمام محدثین کا طرز عمل بھی یہی ہے، وہ ایسی سب حدیثیں جس میں یہ اصطلاح آئی ہے: کتاب الجہاد میں لاتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور ان میں آنے والے فضائل ایک خاص کام کے لئے ہیں۔

مگر تبلیغی جماعت کے حضرات ان روایات کو عام رکھتے ہیں، بلکہ اپنے ہی کام کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور ان حضرات نے مشکوۃ سے جو ابواب منتخب کئے ہیں ان میں پوری کتاب الجہاد شامل کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا کام بھی جہاد ہے، میری اس موضوع پر حضرت اقدس مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ سے گفتگو بھی ہوئی ہے اور مکاتبت بھی ہوئی ہے، حضرت قدس سرہ کا موقف یہ تھا کہ ہمارا کام بھی جہاد ہے، حضرت نے ایک خط میں اپنی دلیل کے طور پر ترمذی شریف کی یہی روایت مجھے لکھی تھی کہ عبایہ نے مسجد میں جانے کو فی سبیل اللہ کا مصداق ٹھہرایا ہے، پھر دعوت وتبلیغ کا کام اس کا مصداق کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں نے جواب لکھا کہ اول تو عبایہ صحابی نہیں ہیں، صحابہ کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں اور تابعین کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: **ھم رجال ونحن رجال** یعنی ان کے اقوال ہم پر حجت نہیں، اگر کسی صحابی نے اس اصطلاح کو عام کیا ہوتا تو بات بھی تھی۔ ثانیاً: دعوت وتبلیغ ہی اس کا مصداق کیوں؟ آپ اگرچہ "ہی" نہیں استعمال کرتے "بھی" کہتے ہیں مگر جماعت تبلیغ کے عوام نے تو اس "بھی" کو "ہی" سے بدل دیا ہے، یعنی وہ اپنے ہی کام کو جہاد کہتے ہیں، بلکہ وہ حقیقی جہاد کو بھی شاید جہاد نہیں مانتے۔ جہاد کے فضائل ان کے نزدیک دعوت وتبلیغ میں منحصر ہیں۔ ثالثاً: دیگر دینی کام کرنے والے مثلاً تدریس میں

مشغول اور تصنیف وتالیف میں منہمک لوگ اپنے کام کے لئے فی سبیل اللہ اور جہاد والے فضائل ثابت نہیں کرتے، پھر جماعت ہی یہ روایات کیوں استعمال کرتی ہے؟ اس کے بعد حضرت کا اس موضوع پر کوئی خط نہیں آیا۔

البتہ ایک دوسرے خط میں حضرت قدس سرہ نے عقلی دلیل لکھی تھی کہ جہاد حسن لغیرہ ہے، فی نفسہ تو جہاد فساد فی الارض ہے اور دعوت وتبلیغ کا کام فی نفسہ حسن لذاتہ ہے، یہ دعوت الی اللہ اور دعوت الی الاعمال الصالحہ ہے، پس جو فضیلت اور ثواب حسن لغیرہ کا ہے وہ حسن لذاتہ کا کیوں نہیں؟ (۱) میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ ثواب میں قیاس ہے اس لئے معتبر نہیں، کیونکہ قیاس احکام شرعیہ میں چلتا ہے دیگر امور توقیفی ہیں یعنی ان کے لئے نص چاہیے، نیز اجر بقدر مشقت ہوتا ہے اور یہ بات اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کتنی مشقت ہے اور کس کام کا کتنا ثواب ہونا چاہیے؟ بندے یہ بات نہیں جان سکتے، اور یہاں تو بات بدیہی ہے، جہاد اصطلاحی کی مشقت کے پاسنگ کو بھی مروجہ تبلیغ کا کام نہیں پہنچ سکتا، پھر وہ اجر وثواب اور وہ فضائل اس کام کے لئے بلکہ کسی بھی دینی

(۱) اسی طرح کی بات مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی نے فتاوی محمودیہ میں فرمائی: ہاں ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ فضائل جہاد کی حدیثوں کو تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے، تو یہ بات صحیح ہے اور اس کی وجہ سے جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرنا اسی کو جہاد کہا جاتا ہے اس کی فضیلت مستقل ہے اور وہ بہت اعلی ہے، دوسری چیز ہے خدا کے دین کے لیے کوشش کرنا، اگرچہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن کریم اور حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے؛ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امور دین کا علم حاصل کرنا، تعلیم دین، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب جہاد ہے، پھر فرماتے ہیں کہ دوسرے اور کیا جائے کہ قتال سے مقصود اصلی خونریزی نہیں ہے؛ بلکہ دین کا فروغ ہے، اور قتال بالسیف کی وہاں نوبت پیش آتی ہے جہاں دین کے فروغ میں ایسی رکاوٹ پیش آجائے کہ بغیر قتال بالسیف کے دور نہ ہو سکے اس لیے ابتداء دین کی دعوت دی جائے، اگر وہ قبول ہوجائے تو سیف کی ضرورت نہیں ورنہ مجبوراً اتنی مقدار میں ضرورت ہے کہ رکاوٹ دور ہو اور اصل مقصود فروغ دین ہے، جو حاصل ہوجائے جو اجر ثواب وسیلہ پر ہے اس سے زیادہ اجر ثواب مقصود پر ہونا ظاہر ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۴/ ۳۱۲ محقق)

کام کے لئے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور آج تک کسی نے بھی یہ روایت دیگر کاموں کے لئے بیان نہیں کیں۔

پھر حضرت کا خط آیا کہ میں اس موضوع پر تیری گفتگو حضرت سعید احمد خاں صاحب مہاجر مدنی سے کراؤں گا، میں نے لکھا کہ میں حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں ان کو اپنا بڑا مانتا ہوں وہ بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور اب وہ بڑھاپے کی ایسی منزل میں ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری گفتگو کہیں ان کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، ہاں حضرت عبید اللہ صاحب بلیاوی قدس سرہ سے میری گفتگو کرائیں، وہ علمی آدمی ہیں اور علمی آدمی بحث میں ناراض نہیں ہوتا اور بزرگوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے، پھر وہ دونوں میں سے کسی سے گفتگو کی نوبت نہیں آئی اور تینوں حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں اور جنت میں اعلی درجات عنایت فرمائیں اور ان کے اعمال کے بہترین صلہ سے ان کو نوازیں (آمین)

فائدہ: اوپر "بھی" اور "ہی" کی بات آئی ہے اس کو مثال سے سمجھ لیں، کوہِ نور جو ہندوستان کا ہیرا ہے اور نہایت بیش قیمت ہے، اگر وہ ہاتھ سے گر جائے اور اس کے چھوٹے بڑے پانچ ٹکڑے ہو جائیں تو یہ ٹکڑے اپنی قیمت کھو نہیں دیں گے، اب بھی کسی درجہ میں ان کی قیمت رہے گی، مگر کسی ٹکڑے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے: میں ہی کوہ نور ہوں، ہاں ہر ٹکڑا کہہ سکتا ہے کہ میں بھی کوہ نور ہوں، یعنی اس کا ایک جز ہوں۔

اس مثال سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام وَن پیس (یک دانہ) کوہ نور کی مثال تھا، وہ ایک ہی وقت میں داعی، مبلغ، مفسر، محدث، فقیہ، مجاہد، معلم، مزکی اور حکومت چلانے والے تھے، پھر زمانہ مابعد میں یہ سب کام علحدہ علحدہ ہو گئے، پس کسی بھی دینی کام کا کارکن یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں بھی صحابہ والا کام کر رہا ہوں، مگر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ کہے: میں ہی صحابہ والا کام کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اس مضمون کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو غلطی ہو رہی ہے اس کی اصلاح فرمائیں۔ (آمین)

توکل کا شرعی مفہوم

اس دنیا میں ایک امتحان یہ بھی ہیکہ سب کچھ کرنے والا رب نظر نہیں آتا اور نظر آنے والا سب حقیقۃ کرنے والا نہیں ہے، جب انسان سبب پر اپنا یقین بنالیتا ہے اور مادہ پرستی غالب آجاتی ہے تو رب حقیقی کے احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، وہ سمجھتا ھیکہ نل، ٹنکی، ڈیم سے پانی آتا ہے یا زیادہ سے زیادہ آسمان سے آتا ہے لیکن "**اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ**" کی آواز نہیں سنائی دیتی، ان اسباب کو جو پوسٹ مین (Post man) کی طرح ہیں یہ سمجھتا ہے کہ منی آڈر وہی دیتا ہے حالانکہ بھیجنے والے اللہ ہیں صوفیاء کرام کے نزدیک توکل ترک اسباب کا نام نہیں ہے ترک رؤیت اسباب کا نام ہے، خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر اسباب کو اپنایا، ہجرت کے وقت غیر معروف اختیار کرنا، کافر عبداللہ بن اُریقط کو رہبر بنانا، یہ سب پتہ دیتا ہے کہ آپ نے ماوراء الاسباب زندگی نہیں سکھلائی ایک موقعہ پر فرمایا: **اِعْقِلْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ** دوسرے موقعہ پر فرمایا: **صَلِّ رَكَعَتَيْنِ وَاتَّجِرْ**، مقصد صرف اتنا ہے کہ قدرت الٰہی کو سنایا جائے تا کہ اسباب کے موثر حقیقی ہونے کی خام خیالی ختم ہوجائے، یقین کی جگہ دل ہے، کان، زبان، آنکھ اور عقل کے راستہ سے جس چیز کا یقین دم میں پہونچتا دل اُسی کا یقین اپنے اندر لے لیتا ہے، تین شخصوں نے کہہ دیا یہ بکری نہیں کتا ہے مالک نے بکری چھوڑ دی یہ سمجھ کر یہ واقعی کتا ہے طاقت ور اسباب اعمال ہیں، نماز سے روزی ملتی ہے: **لَانَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ** باوضو رہنے سے روزی کے دروازے کشادہ ہوتے ہیں: "**أدم على الطهارة يوسع عليك رزقك**"، ایسے ہی معاصی سے نظام عالم درہم برہم ہوجاتا ہے، اسباب کے تذکرے، اسباب کا یقین پیدا کرتے ہیں۔

حتی الوسع اسباب کو پورے سلیقہ سے استعمال کر کے ہمیں نماز و دعا کا راستہ بتلایا گیا، بقول مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے صلوۃ الخوف نے ہمیں اسباب اور اعمال میں توازن سکھلائی ہے لشکر کا ایک حصہ تلوار اور ڈھال لے کر ایک رکعت امام صاحب کے

پیچھے پڑھے پھر چلا جائے پھر آدھا حصہ آکر دوسری رکعت میں شریک ہوجائے ،موقع ہوتو باجماعت نماز نہ چھوڑے نہ ہتھیار”نماز“اور”محاذ“ کا جوڑ ہے امراض واحوال میں نہ بےتوکلی کی اجازت ہے نہ بے احتیاطی کی ۔صدقے کے اہتمام کے ساتھ اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرانا چاہیے۔

داعی کے کلام میں ایسی تعبیر یا ایسا زور نہیں ہونا چاہیے کہ عوام نا کارہ پن اور ذمہ داروں سے فرار اختیار کرنے کے راستہ پر پڑ جائے ،تجارت وملازمت سے جی چراتے ہوئے اہل خانہ کو صرف نماز دعا کا حکم کرے ،مسجد کی آبادی کی محنت کا غم تو سوار ہومگر بازار میں مثالی تاجر نہ بن سکے انفاق اور قربانی کو اتنا سنا گیا کہ ذاتی مکان بنانے کو خلاف سنت سمجھنے لگا ہے حالانکہ سیرت سے ضروری واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تعمیر کروائے ،حارث بن کلدہ سے علاج کروایا۔

میدان بدر وخندق میں مکمل جنگی تدابیر کو اپنایا گیا ،ہجرت کے سفر میں ماہر شخص کو رکھا گیا تا کہ وہ غیر معروف راستہ سے لے جائے۔

اس موضوع پر احیاء العلوم ،شریعت وطریقت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور بیانات مولانا محمد عمر پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ، معارف الحدیث ،صلوۃ الخوف کی تشریح وغیرہ دیکھنا چاہیے تا کہ کسی طرح کی فکر بے اعتدالی اور عملی انحراف کا ہم اور امت شکار نہ ہوجائیں۔

حدیث شریف کو حنفی شافعی مت بنائے

تکملة فتح الملهم کے مقدمہ میں دکتور یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ صاحب کتاب کے والد مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہترین بات فرمایا کرتے تھے کہ احادیث سے اپنے حنفی شافعی مسلک پر ضروری استدلال کیجئے ،مگر اس حدیث کو حنفی یا شافعی مت بنائیے ،اعتقادات میں اشعری ماتریدی فقہ میں مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی ،حنبلی) تصوف وفقہ باطن میں مشہور سلاسل (چشتی ،نقشبندی ،سہروردی ،قادری) وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے بعد کے ادوار میں اپنے اپنے غیر معمولی قوت

استدلالی، اشراقِ روحی سے ان مسلکوں کو تیار کیا، امت محمد یہ اس پر اجماع کر چکی ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حدیث کو ہی مسلکی بنا دیا جائے، اسی طرح نظام تربیت وتعلیم پر قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خیر القرون کی درسگاہیں، حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ نے منازل السلوک التشرف، التکشف وغیرہ میں اعمال تزکیہ کی اصل کو حدیث سے ثابت کیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے "تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات" میں چلہ، چار ماہ کی اصل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کیا اس حد تک بات درست تھی لیکن حدیث کو تعلیمی، تزکیائی، یا تبلیغی بنانا درست نہیں، وسائل اشاعت دین کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ خلاف شریعت نہ ہوں، اس کا منصوص ہونا ضروری نہیں، ایک شخص چند کتابیں یا چند اعمال وہ بھی اکثر عوام کے ذریعہ کروا کر یہ دعویٰ کرنا کہ ہم پوری شریعت کو زندہ کر رہے ہیں ہمارا کام وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا، فلاں آیت فلاں حدیث کہہ رہی ہے کہ یہ کام کرو جو ہماری عمارت سے کیا جاتا ہے ہمارے نظام سے کیا جا رہا ہے، انتہائی غلو ہے، اس ہیئت وشکل کے ساتھ نہ امام بخاری نے کیا نہ محدثین نے کیا، تنظیمی مروج نصابی کتابیں خود بانی تحریک سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا، یہ دجل وتلبیس ہے، تعبیر وتفہیم کی اس غلطی کی جلد از جلد اصلاح ہونی چاہیے۔

عمل اور دعوت دونوں ضروری

بلاشبہ دعوت دینے کے لئے عالم اور کامل ہونا شرط نہیں ہے، **بلغو اعنی ولو آیۃ** سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنا چھوٹا نصاب دیا گیا دعوت دینے کے لئے، جیسے نماز پڑھنا الگ فرض ہے، روزہ رکھنا الگ فرض ہے ایسے ہی دعوت دینا بھی (انفراداً) فرض ہے، ایسا نہیں کہہ سکتے، کوئی کہتا بھی نہیں ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا اس لیے روزہ بھی نہیں رکھوں گا، دعوت دینا الگ فرض ہے عمل کرنا الگ فرض ہے، عمل نہ کرتا ہو تب بھی دعوت دینا فرض ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ باعمل کی دعوت مؤثر ہوتی ہے، دعوت دے رہا ہو تو عمل بھی

کر لینا چاہیے'' اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ '' شیطان یہ ہی چاہتا ہے کہ عمل تو نہیں کر رہا ہے، اگر دعوت دینے لگ جائے گا تو عمل پر کسی دن پہونچ جائے گا، اس لیے بے عملی کا طعنہ دے کر دعوت سے بھی محروم کرنا چاہتا ہے، بے عمل دعوت دینے میں تو ایک فرض چھوٹا ایک فرض ادا ہوا، بے عمل دعوت نہیں دیتا ہے تو دونوں فرض چھوٹ گیے، عمل کی طرف لانے کا ایک دروازہ بھی بند ہو گیا، دعوت دینے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ داعی کامل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے بلکہ وہ حکم خداوندی کی تعمیل کرنا چاہتا ہے اور آپ کی تکمیل کا خواہشمند ہے، اگر کوئی کامل ہو بھی جائے تب بھی وہ آئندہ کے مقامات، قبولیت وخاتمہ کے غم اور جذبۂ تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل نہیں کہہ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی نیکی نہ کرے تب بھی اس نیکی کی طرف دعوت دینا جائز ہے اور کسی گناہ سے نہ رک رہا ہو تب بھی اس سے رکنے کی دعوت دیتے رہنا چاہیے، یہ ہماری ذمہ داری ہے خود کا دین دعوت دیے بغیر مکمل ومقبول نہیں ہوسکتا، ذاتی عبادت دنیوی عذاب سے نجات نہیں دلاسکتی، اخروی ثواب ضرور مل جائے گا۔

ایک مغالطہ

''پہلے میں مکمل ہوجاں اس کے بعد دوسروں کو سکھادوں گا''۔ ''پہلے مسلمان سدھر جائیں تو غیر مسلموں کو دعوت دوں گا''۔ ''پہلے میرے علاقے، میرے ملک کے لوگ ہدایت پر آجائیں تو دوسروں پر توجہ دوں گا'' یہ زبردست مغالطہ ہے۔

☆ کونسا وہ مقام اور درجہ ہے جس کے بعد آپ دوسروں کو دعوت دیں گے؟

☆ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قبول اسلام کے بعد فورا دعوت دینے لگ جاتے تھے۔

☆ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے مکّہ کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد ہی مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی۔

☆ اس کے بعد اہل مدینہ کے مکمل طور پر بگوش اسلام ہونے کے بعد ہی دیگر مما لک

اور اقوام کو دعوت دینا شروع کیا۔

☆ کیا خاندان نبوت کے ہر فرد نے اسلام قبول کرلیا؟

☆ کتنے سال، کتنے ماہ اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنی قوم، اور اپنے ملک کو دیں گے اس دوران بے دینی میں مرنے والوں کا کیا ہوگا؟

☆ اس دنیا میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، ایسے انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں جن پر پوری قوم، پورے ملک نے ایمان لایا، ظاہر ہے ایسی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

☆ آج بھی دنیا میں اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جنہوں نے کسی حقیقی مثالی مسلمان کو نہیں دیکھا، بلکہ فطرت کی آواز اور تحقیق کی منزل کے طور پر اسلام کو اپنایا۔

دعوت بارش کی طرح ہے تدریج وتربیت کے ساتھ برستی ہے جس زمین میں جیسی استعداد ہوگی وہ استعداد نکھر کر آجاتی ہے، کوئی پھول پھل اُگاتی ہے کوئی گھانس پوس کوئی بلال وسلمان بن جاتا ہے کوئی ابوجہل وابولہب۔

البتہ اپنی ذات، اپنے مسلمان بھائی کی اصلاح اور اپنے خاندان وملک کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، سارے پہلوؤں پر نظر ہونی چاہیے، ضرورت وتقاضے کو دیکھ کر (انفرادی واجتماعی طور پر) ترجیح دینی چاہیے۔

❁❁❁❁

نہی عن المنکر، ازالۂ منکر

احکام وآداب

امر بالمعروف کی جیسے شرعی حیثیت ہے ویسے ہی نہی عن المنکر کا بھی مقام ہے، قرآن وحدیث میں ساتھ ساتھ ذکر کیے گیے، منکر پر نکیر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ واقعی وہ منکر ہو، بطور خاص اپنے اہل وعیال کی اصلاح میں کمی نہ کرے جو خود کے ماتحت ہیں یا جنھوں نے (شاگرد ومرید، مامور) اطاعت کا عہد و پیمان کیا ہے۔

☆ لاعلمی کی وجہ سے غلطی یا کوتاہی کرتا ہے تو اس کو بتادینا واجب ہے۔

☆ سستی یا کج فہمی، جہالت یا بدعت وجہ ہے تو صاحب اثر ورسوخ پر واجب ہے کہ نکیر کریں، گمان غالب بھی ہو کہ مان لے گا، ماننے کا گمان غالب نہیں ہے تو نکیر کرنا مستحب ہے۔

☆ اگر قرائن سے گمانِ غالب ہو کہ ماننا تو کیا الٹے فتنہ فساد لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہوجائے گا، جس کا تم مقابلہ یا تحمل نہیں کرسکتے یا تمہاری کم علمی یا مغلوب الغضب ہونے کی وجہ سے حدود سے نکلنے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اصلاح کرنا ممنوع ہے اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے ایک جاہل نے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے؟ یہ سنت ہے“ میں نے کہا: ”تم لنگی کیوں نہیں باندھتے؟ یہ بھی سنت ہے“ سوچ کر کہنے لگے: ”میں

بوڑھا ہوں لنگی میرے جسم پر نہیں ٹھہرتی'' میں نے کہا: ''میں جوان ہوں عمامہ سے گرمی لگتی ہے'' اس پر بہت جھلائے، کہنے لگے: ''خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے''۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ''سنتِ زائدہ'' پر اس قدر سختی کرنا غلط ہے۔

شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ازالۂ منکرات کے کام سے انتشار ہوتا تو اللہ نے اپنے نبی کو کیوں حکم دیا؟ ماموراتکے کام سے بھی تھوڑا بہت انتشار ہوتا ہے- آپریشن کے لیے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے حدود وآداب کی رعایت کے ساتھ کام کیا جائے- آج کل برائیوں پر روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے برائیاں تیزی سے پھیلتی جارہی ہیں، یہ کام بھی جماعتی حیثیت سے ہونا چاہیے۔

منکرات کے معنی اجنبی کے ہیں، جب دنیا کی اجنبی چیزوں سے سکون چھن جاتا ہے تو دین کے منکرات سے کیسے سکون باقی رہ سکتا ہے۔ انگلی میں کانٹا گھس گیا، چین گیا؛ آنکھ میں گردوغبار آگیا، کھٹک اور درد شروع ہوگیا؛ لیکن سرمہ لگایا تو اور چین میں اضافہ ہوا کیونکہ سرمہ آنکھ کے لیے اجنبی نہیں۔

منکرات کا کام معروفات سے بھی زیادہ ضروری ہے جیسے کہ صحت کے لیے موسم کے لحاظ سے غذا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پرہیز اور احتیاط کی جائے، ورنہ غذا اور مقویات کا فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ایمانی اعتبار سے انفرادی اجتماعی زندگیوں میں طاعات کے فوائد یا تو ظاہر نہیں ہوں گے، اگر ہوئے بھی تو مکمل فوائد ظاہر نہیں ہوں گے۔

امر بالمعروف پر کام کی اجتماعی اور انفرادی ترتیب بنی ہوئی ہے، نھی عن المنکر پر کوئی باقاعدہ تنظیم یا جماعت کام نہیں کررہی ہے، اگر یہی حال رہا تو لوگوں کے پاس نیکیوں کی تو لمبی لمبی فہرستیں ہوں گی اور ان پر عمل بھی ہوگا، مگر اسی کے ساتھ گناہوں کا

(۱) تجدید تعلیم وتبلیغ: ۱/ ۲۱۶

اعمال نامہ بھی بھرا ہوگا۔

فرقِ باطلہ تو سب سے بڑا منکر ہیں کیونکہ یہ تھانے پر حملہ ہے۔ظاہر ہے کہ اس سے ساری بستی متاثر ہوتی ہے؛ یعنی ان تحریکوں اور دعوتوں سے براہ راست عقائد خراب ہوتے ہیں ۔اگر ایمان پر حملہ ہوگا تو دین کہاں بچے گا؟ اس طرح کے فتنوں کو چھیڑنے سے چھڑتا تو ہے مگر بڑھتا نہیں ، جبکہ چھوڑ دینے سے بڑھتا جاتا ہے۔ نہ بڑھنا کچھ کم کامیابی ہے؟ اگر ان کا تعاقب کیا جائے تو جتنے کے اتنے رہیں گے۔ اگر نہ کیا جائے تو ایک کے دس ہوں گے۔

اب آپ ہی سوچئے ! کہ چھوڑ کر بڑھتے رہنے دینا بہتر ہے یا چھیڑ کر بڑھنے سے روکنا صحیح ہے؟ ہمارے اکابر نے کیا ہے کہ ہر فتنہ سے لوگوں کو باخبر کیا، باطل کو باطل کہا ہے جس سے بعض لوگ ناراض ہو گئے مگر حق کا احقاق تو ہوا۔

امورِ اجتھادیہ پر نکیر نہیں کی جاتی ہے مثلاً کسی شافعی کو رفع یدین سے مت روکیے۔ کسی مسئلہ میں علماء کرام کی دو رائے ہو، دوسرا شخص کسی مستند عالم کی رائے پر یہ عمل کرتا ہے تو پہلے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ نکیر کرے۔(۱)

ٹوکنے میں کہیں موجودہ منکر سے بڑا منکر پیدا نہ ہوجائے۔ ایمان والے کی برسرِ عام تذلیل وتحقیر نہ ہو۔نکیر کرنے والا طعنہ زنی ونکتہ چینی سے اپنے کو بچائے۔ ہوسکے تو دو رکعت نماز، تنہائی میں ملاقات کرکے اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اس خامی کی اصلاح کی طرف متوجہ کرے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خادم کو ڈاڑھی کاٹنے پر (ساتھیوں کے اصرار پر) ٹوکا، دوسرے دن سے غائب ، مولانا اس کے گھر پر گئے ، اس سے معافی چاہی۔وہ بھی کافی شرمندہ ہوا،فرمایا: ”غلطی ہماری تھی کہ توّا گرم کیے بغیر روٹی ڈال دی“۔

---

(۱) حوالہ جات کے لیے دیکھئے! امر بالمعروف نھی عن المنکر، کتاب وسنت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں، مولانا عبدالقوی صاحب، حیدرآباد، انڈیا۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ٹرین میں ایک شخص کو ٹخنہ کے نیچے کپڑا رکھنے پر ٹوکا، اس نے شریعت کو گالی دی، حضرت نے افسوس کیا کہ پہلے تو حرام میں تھا، اب ہماری غلطی سے کافر ہو گیا۔

ایک علاقے کے لوگ شدھی تحریکوں سے متاثر تھے، تعزیہ کی بدعت میں ملوث تھے، ان کو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ''نہ مسلم نہ ہندو ہم نومسلم ہیں''، کیا علامت ہے؟ ہم تعزیہ نہ چھوڑ رہے ہیں، فرمایا: ہاں تعزیہ نہ چھوڑنا، اپنے ساتھیوں کے سامنے واضح کیا کہ ان کے لیے بدعت، کفر سے وقایہ (رکاوٹ) بنی ہوئی ہے، اگر بدعت سے ہٹاؤں گا تو کفر تک پہونچ جائیں گے۔(۱)

دعوتِ اسلام کے مواقع اور امکانات:

☆ اڑوس پڑوس اور اپنے دوستوں، گاہکوں میں اچھے اخلاق سے پیش آتے ہوئے اسلام کی خوبیاں اسلام کی بنیادی معلومات پیش کرنا۔

☆ مسجد میں اپنے مانوس غیر مسلم بھائیوں کو بلا کر اذان نماز اور مسجد میں ہونے والے اعمال کا تعارف کروانا، بہت اچھا ہوگا کہ ضیافت کا انتظام کرتے ہوئے کوئی پمفلٹ یا دینی کتابیں تقسیم کی جائیں۔

☆ ایک خاص تعداد کو اپنی شادی، بیاہ، عقیقہ وغیرہ خوشیوں میں شریک کرنا، اس طرح اسلامی معاشرتی نظام سے انہیں واقف کروایا جائے۔

☆ غریب، مسلم، پسماندہ بستیوں میں میڈیکل کیمپ یا غلہ وغیرہ ضروریاتِ زندگی تقسیم کرنا، جس میں، S C، S T، B C وغیرہ کے قائدین کو ضرور شریک کیا جائے۔

---

(۱) فقہ واداب کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور نظام احتساب پر طویل گفتگو کی گئی مثلاً: **الکنز الاکبر من الامر بالمعروف والنھی عن المنکر** امام عبدالرحمن بن ابوبکر بن داود حنبلی دمشقی، **الامر بالعروف والنھی عن المنکر اصولہ وضوابطہ وادابہ، خالد بن عثمان السبت الدعوۃ قواعد واصول** جمعہ امین عبدالعزیز اور احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل احکام بیان فرمائیں ضرور مطالعہ فرمائیں۔

☆ مسنون دعائیں پڑھنا اصل ہے، جائز تعویذ گنڈے (جس میں لکھنے والا پابندِ شرع ہو، لکھی جانے والی چیز بھی قابل فہم ہو، کسی موہوم شرک چیزوں پر مشتمل نہ ہو) ابتداء میں قریب کرنے کے لئے دیے جاسکتے ہیں، یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ قرآن کا اصل موضوع تو ساری انسانیت کی ہدایت ہے لیکن وہ جسمانی شفاء کا بھی ذریعہ ہے، قرآن آپ کے لئے بھی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں آپ بھی پڑھ سکتے ہیں، اس طرح مسجد کے دروازے پر آنے والے عقیدت مندوں کو اسلام سے قریب کیا جاسکتا ہے۔

☆ درگاہوں اور عاملوں کی چوکھٹ پر غیر مسلم بھائیوں بہنوں کی کافی آمد رہتی ہے، بجائے یہ کہ ان کی توہماتی مزاج سے کھلواڑ کیا جائے، مزید ان کو غیر اللہ کی پرستش کے مسلمانوں کے غلط طریقے پر ڈالا جائے، انہیں توحید سمجھائی جائے، انہیں بہت سے ان گناہوں سے روکا جائے (جیسے سود، بیاج، قطع رحمی، بدگمانی، مقدمہ بازی، بے لگام، غصہ، شراب، جوا، اولاد کے لیے وقت نہ دینا، سخت زبان) جن گناہوں نے انھیں دنیا میں مصیبت میں ڈال رکھا ہے، شیاطین سے حفاظت کی مسنون دعائیں بتلائی جائیں۔

☆ ہر ملک کی تاریخی جگہوں (مثلاً ہندوستان میں لال قلعہ، جامع مسجد دہلی، تاج محل) وغیرہ پر آنے جانے والے غیر ملکی سیاحوں کو تعارف اسلام کی کتابیں، مختصر ترجمہ قرآن وغیرہ پیش کیے جائیں۔

☆ صبح سویرے چہل قدمی کرنے کی جگہوں پر اور تفریح گاہوں میں ہلکی پھلکی کالی چائے پلانے کے ساتھ ایسی کتابیں رکھی جائیں جو پیام انسانیت اور تعارف اسلام پر مشتمل ہو۔

☆ عصری اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے درمیان ایسے تحریری وتقریری مسابقے مقامی اور انگریزی زبان میں رکھے جائیں جس میں ملکی سیکولر قائدین کے ساتھ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام امن، رواداری کی تعلیمات، قرآن میں انسانیت کا مقام جیسے عناوین ہوں۔

☆ اپنے گھر، اپنی دکان، اپنی کمپنی میں کام کرنے والے غیر مسلم ملازمین غیر مسلم خادماؤں کے سامنے اسلامی احکامات، مساوات کا پیغام بتلا کر، نیز عملی طور پر حسن سلوک کر کے قبولِ دعوت کے لیے راستہ ہموار کرنا چاہیے۔

جو مسلمان جس پیشہ سے وابستہ ہے ٹیچر ہو یا پروفیسر، سبزی فروش ہو یا آٹو رکشا ڈرائیور پر آنے والے سے پوچھے یا سمجھائے، ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ ہمارا پیدا کرنے والا ہم سے کیا چاہتا ہے، کم از کم اُس مخاطب سے درخواست کی جائے کہ اوپر والے مالک سے ''**يَا وَدُوْدُ**'' یا ''**يَاهَادِيُ**'' پڑھ کر اپنے لئے سچائی کو مانگے سیدھی راہ کی دعا کرے، اپنی مذہبی کتاب کے ساتھ قرآن بھی پڑھا کریں۔

نومسلم بھائی بہن کی مشکلات

☆ والدین، رشتہ داروں سے ربط، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کفریہ وشرکیہ اثرات ورسومات سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلق رکھا جائے، ان کی خدمت کریں خرچ کے لیے پیسہ دیا کرے، بیماری میں عیادت کرے، جنازوں میں مذہبی رسوم کے علاوہ تسلی و پُرسہ دینا برا نہیں ہے، تعلقات برقرار رکھتے ہوئے انہیں بھی اسلام سے قریب کرنے کی فکر ہو، البتہ اگر ان کی طرف سے قانونی رُکاوٹیں کھڑی کرنے یا جانی و مالی نقصان پہونچانے کا اندیشہ ہو تو اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے کچھ عرصہ دور رہنا چاہیے، حالات معتدل ہونے پر اپنے تعلقات کو بحال کر لیا جائے۔

☆ دوسرے مذہب کی لڑکی یا لڑکے سے کسی طرح عشقیہ تعلق ہو جاتا ہے، ان میں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے کہ اسلامی طریقے پر نکاح کریں گے، عشقیہ شادی

حقیقت سے دور فلمی خواب ہوتا ہے جس کا فیلڈ (میدان) میں پورا ہونا ضروری نہیں، وہ ایک جذباتی اور جنسی ابال ہوتا ہے سنجیدہ انتخاب نہیں ہوتا، ننانوے فیصد یہ نکاح ناکام ہوتے ہیں، دونوں کے خاندانوں کا تعاون نہیں ملتا، ایسے میں دونوں کو سمجھانا چاہیے، اگر اُمید ہو تو ضروران میں سے غیر مسلم کو اسلام میں داخل کر کے تو نکاح کرادیں، اور دونوں کی تعلیم وتربیت کا (تبلیغی جماعت میں بھیج کر یا مدرسہ میں داخل کروا کر) انتظام کیا جائے، ازدواجی زندگی میں قدم قدم پر رہبری کی جائے، اپنی شادی بیاہ میں ان کو مدعو کیا جائے، پوری کوشش ہو کہ وہ گھر کسی طرح دینی بنیادوں پر قائم وآباد ہو جائے۔

☆ دنیوی اغراض کے لیے اسلام قبول کرنے والے کی بھی حوصلہ شکنی نہ کی جائے اخلاص واخوت کے ساتھ ان کی ذہن سازی کی جاتی رہنی چاہیے۔

☆ نومسلم کا نومسلم سے ہی نکاح ہو جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے، ویسے نومسلم بھی مسلم کے برابر ہے، مناسب تربیت وپختگی کے بعد خاندانی مسلمانوں میں ان کا نکاح کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے، نومسلم کو مسلمانوں کا اچھوت سمجھنا غیر اسلامی تصور ہے، سیدوں نے اور خاندان نبوی نے اپنی لڑکیوں کا نکاح غلاموں سے کیا، علم وتقویٰ کی بنیاد پر اسلام نے غلاموں کو مسند اصلاح وارشاد پر بٹھایا۔ (ہماری کتاب ''مسنون نکاح'' دیکھئے)۔

☆ اسلام قبول کرنے والے کی عمر، معاشی ضروریات، خاندانی پس منظر اور قانونی مسائل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا اپنے اسلام کا اظہار کرنا مناسب ہے، وہ کس قسم کی قربانی دینے کی استعداد رکھتا ہے، آنے والے حالات کیسے ہو سکتے، اگر اُس کو اُس کے سماج سے علحدہ کرنا ہو تو محفوظ ترین طریقہ سوچ کر اُس کا ٹھکانہ آباد کرنا چاہیے، اس سے پہلے اُسے خفیہ طریقے پر نماز، روزہ وغیرہ جتنا ہو سکے ادا کرنے کا مشورہ دینا چاہیے۔

دعوتِ ایمان افضل ہے یا دعوتِ اصلاح؟

اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان دو رائے پائی جاتی ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام مقدم ہے، مسلمانوں میں دعوتِ اصلاح کے مقابلہ میں۔

☆ پہلی وجہ یہ ہیکہ سب سے بڑا معروف اسلام ہے اور سب سے بڑا منکر کفر وشرک ہے، اس لیے اس میدان میں کوشش ترجیحاً ہونی چاہئے۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ بین المسلمین کام کرنے والی تنظیمیں جماعتیں کفائی فرض کو ادا کر رہی ہیں، لیکن غیر مسلموں میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے بارے میں ابھی تک ذہنی خلجان اور علمی موانع ختم نہیں ہوئے۔

☆ تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کی قدیم اور جدید تاریخ بتلاتی ہے کہ، جب جب بھی اسلام کی رگوں کو نومسلموں کا خون ملا مسلمانوں میں بھی اصلاح کا کام تیز تر اور مؤثر ہو گیا، اسلام کے طاقتور اور مثالی نمونہ تیار ہوئے جو خاندانی مسلمانوں کے لیے قابل رشک ہو گئے، اس فطری ضابطہ کے تحت بھی غیر مسلموں کے درمیان کام کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

☆ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بحالتِ موجودہ مسلمانوں پر محنت ان کے داخلۂ جنت اور درجاتِ جنت کو یقینی بنانے کے لیے، کبائر سے بچا کر سوءِ خاتمہ سے تحفظ کے لیے ہے، جبکہ کفار ومشرکین جہنم کی تیاری کر رہے ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کا کام مقدم ہے، چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''امت کی دو قسمیں ہیں:

۱) **امت دعوت:** یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جن تک اسلام نہیں پہنچا ہے، ان کو ایمان اور اسلام کی دعوت دینا دعوتِ ایمان کہا جاتا ہے۔

۲) **امت اجابت:** یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے ایمان واسلام

قبول کرلیا ہے، مگر اسلامی ماحول معاشرہ اور اعمال کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان کو دعوت دینا دعوتِ اصلاح کہا جاتا ہے۔

اب اصل بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کے شروع زمانہ میں امت دعوت کو ایمان کی دعوت دینا فرض یا واجب رہا ہے، یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا، یہاں تک کہ پوری دنیا کے انسانوں کے درمیان اسلام کی شہرت ہوگئی اور اسلام کی شہرت اور ظہورِ اسلام کے بعد دعوتِ ایمان کی فرضیت ختم ہوگئی ہے؛ لیکن دعوتِ اصلاح کی فرضیت فرض کفایہ کے طور پر قیامت تک باقی رہے گی، اس کو آسانی کے ساتھ اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے مسلمانوں کا معاشرہ، رہن سہن، اخلاق روا داری اس طرح واضح ہوجائے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے اخلاق معاشرہ اور تہذیب کو دیکھ کر خود بخود ان کے دلوں میں اسلام کی رغبت پیدا ہوجائے، جیسا کہ خیر القرون میں مسلمانوں کی تہذیب اور اخلاق دیکھ کر یومیہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوجایا کرتے تھے؛ لیکن اگر خود مسلمانوں کا معاشرہ ان کی تہذیب، ان کے اخلاق، رہن سہن میں بگاڑ پیدا ہوچکا ہو اور پڑوس کے غیر مسلم مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے اور تہذیب روز دیکھتے رہیں تو ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں رغبت پیدا ہونا مشکل ہے؛ اس لئے پہلے مسلمانوں کو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی دعوت دینا ضروری ہے، اس کے بعد موقع محل کو دیکھ کر غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا صرف مستحب ہے اور اس کے بھی بہت سارے شرائط ہیں کہ ایمان کی دعوت پیش کرنے میں فتنہ یا مقابلہ آرائی کا اندیشہ نہ ہو۔

ویستحب أن یدعو من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار، ولا یجب ذلك، وإنما یستحب مرة أخرى للتأکید بشرطین: أحدهما: أن لایکون في تقدیم الدعوة ضرر علی المسلمین، والشرط الثاني:أن یطمع فیهم ما

يدعون إليه الخ۔ (١)

''البحر الرائق'' اور ''ہندیہ'' وغیرہ کے جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ظہورِ اسلام کے بعد غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا فرض نہیں رہا؛ بلکہ موقع ومحل کو دیکھ کر دعوت دینا صرف مستحب ہے؛ لیکن دعوتِ اصلاح قیامت تک فرض کفایہ ہے۔

قال أبو بكر: قد حوت هذه الآية معنيين أحدهما وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، والآخر أنه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل أحد في نفسه إذا قام به غيره لقوله تعالى: "ولتكن منكم أمة" وحقيقته تقتضي البعض، دون البعض، فدل على أنه فرض على الكفاية إذا قام به بعضهم سقط عن الباقين۔ (٢)

اس کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر دعوتِ ایمان فرض ہوتی تو فرض کفایہ ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے علماء پر ایمان کی دعوت دینا فرض ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھ پر کتنے لوگ ایمان لائے؟ اور آج کے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین اور مفتیان کرام نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھوں پر کتنے غیر مسلم ایمان لائے؟ اس کا ثبوت مشکل سے ملے گا؛ اس لئے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے دربار میں ان حضرات سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت

(١) هندية، كتاب السير، الباب الثاني في كيفية القتال، زكريا قديم ٢/ ١٩٣، جديد ٢/ ٢١٠

(٢) أحكام القرآن للجصاص، سورة آل عمران، آیت: ١٠٤، مکتبہ سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان، ٢/ ٢٩، زکریا ٢/ ٧/ ٣۔

کیوں نہیں پیش کی؟ ہاں البتہ اگر اس بات میں کوتاہی کی گئی ہے کہ پڑوس کے مسلمان بے نمازی ہیں، خرافات اور بدکاری میں مبتلا ہیں، پھر ان کو اصلاح کی دعوت نہیں دی گئی، تو ممکن ہے کہ اللہ کے یہاں سوال وجواب ہو، اب رہی یہ بات کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی دعوت کا جو سلسلہ جاری فرمایا ہے، اس طرح منظم انداز سے دعوت اصلاح کا سلسلہ پہلے نہیں تھا؛ لیکن خیر القرون کے زمانہ سے آج تک کسی نہ کسی نوعیت سے دعوتِ اصلاح کا سلسلہ جاری رہا ہے؛ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ صرف ساٹھ ستر سال کے عرصہ سے شروع ہوا ہے، ہاں البتہ ایک نظام کے تحت منظم طریقہ سے جماعت اور امیر کے ایک ضابطہ کے تحت دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری نہیں رہا ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک منظم شکل دے دی ہے، جو نہایت عمدہ شکل ہے، جو دنیا کے اندر نہایت مفید اور مقبول ثابت ہوئی اور یہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی درجہ کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منظم سلسلہ انہیں سے شروع فرمایا ہے؛ لیکن اسی منظم طریقہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ صدیوں پہلے سے لے کر آج تک اسلاف میں جاری رہا ہو یہ ہمارے علم میں نہیں ہے، ہاں البتہ خیر القرون کے زمانہ میں ظہورِ اسلام تک جاری تھا، اس کے بعد کے بارے میں ہمارے علم میں نہیں ہے۔ (۱)

یہ خیال بھی ان حضرات کی تایید کرتاہیکہ دنیا میں کفر کی کوئی سزا نہیں ہے، لیکن ارتداد کی سزا قتل ہے، معلوم ہوا کہ باعتبارِ دنیا ارتداد زیادہ خطرناک ہے کفر کے مقابلے میں، اس لیے اس کی روک تھام اور سدِ باب کے لیے کوشش کرنا راجح ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماءکرام اور فقہاء میں بھی نقطہ نظر کا فرق ہے، حسب ذوق وصلاحیت، علاقوں کی نوعیت اپنے بڑوں کے مشورہ کے بعد مناسب اور منشرح ہوا اس میں لگ جانا چاہیئے، بس اُکھاڑ پچھاڑ اور کھینچاؤ تناؤ کا ماحول نہ ہو ساری دینی خدمات کی

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۳۱۸/۴

تمام قسموں کی قدر دانی کا ذہن ہو **وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُوَفِّقُ** پھر دعوت کے کام کے لیے (چاہے مسلمانوں میں ہو یا غیر مسلموں میں) ضروری ھیکہ وہ اپنوں میں مختلف فیہ نہ رہے اور نہ ہی اختلافی مسائل کو چھیڑیں، اصولی مسائل اور مشترکہ نقاط پر گفتگو کرنا داعی کا مزاج ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

قربِ الٰہی کے دو راستے

''احیاء العلوم اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''التکشف''، ''التشرف'' سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث وسیرت میں مختلف ذوق اور مشرب ہیں، کسی پر زہد غالب رہتا ہے، کسی پر فکرِ آخرت کے ساتھ تجارت، کسی پر خلوت کسی پر جلوت واختلاط، حالتِ روزہ میں زیادہ کھانا یا کم کھانا، شخصی احوال اور زمانے کے حالات کے اعتبار سے کونسا حال افضل ہے، یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے، مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کے طریقوں کا موازنہ اور وجوہِ ترجیح اور ہر دو کے قابلِ قدر ہونے کو ذکر کیا ہے(۱)، قارئین اور کارکنانِ دعوت میں فکری اعتدال پیدا کرنے کے لیے اس مضمون کو پڑھنا نہایت ضروری ہے''۔

''اہل ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی وروحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگان خدا ہر زمانے میں کم وبیش ان ہی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتے رہے ہیں:

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی اصلاح وترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ وتخلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے، جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی

(۱) ایک طریقہ یہ ہے کہ واجبی درجہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو کرتے ہوئے نوافل کی کثرت کی جائے اس کا نام قرب بالنوافل ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ واجبی درجہ کے انفرادی معمولات، طویل صحبتِ اہل اللہ اور صفت احسان کو لے کر فرائض اور دعوت کا کام کیا جائے اس کا نام قرب بالفرائض ہے، مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دوسرا طریقہ قابلِ ترجیح ہے۔

اور معصیات ومکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات وقربات روزہ ونماز اور ذکر وفکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصلاح کے مطابق اس طریقہ کو "قرب بالنوافل" کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی اور معصیات ومکروہات سے پرہیز گاری کا اہتمام کرتے ہوئے اوراوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات وقربات اور ذکر وفکر میں خاص اشتغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی رضاءالٰہی اور اجر اخروی کو مطمح نظر بنا کر) دوسرے بندگان خدا کی اصلاح وہدایت تعلیم وتربیت اور تبلیغ ونصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمۃ الحق واحیاءشریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔۔۔ اس طریقہ کو "قرب بالفرائض" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرون اولیٰ میں سالکین راہ رضا اور طالبین مولا کے لئے یہی عام شاہراہ تھی، لیکن بعد کے زمانوں میں کچھ خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہوگیا، یعنی اہل سلوک کے مختلف حلقوں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کرلیا گیا۔ اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی ودینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا مختلف زمانوں میں مصلحین ومجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کرکے اس کی اصلاح کی کوششیں بھی کیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص وعام حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آرہی ہے جس کا افسوسناک اور نہایت مضرت رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم وتربیت، اصلاح ودعوت اور اقامت دین واحیاءشریعت کا وہ اہم بنیادی کام کو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی وشادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک

صرف نفلی عبادات وقربات اور ذکر وفکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے، آج ان عام وخاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی وروحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جویا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جن کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت وعزیمت سے خالی اور یہ بازار سرد پڑا ہوا ہے حالانکہ "شہسواروں" کی تک وتاز کے لئے اصل جولانگاہ اور "شاہبازوں" کی پرواز کے لئے اصل فضا یہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟۔۔۔۔اور یہ عام وخاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط عملی میں کیوں مبتلا ہوئے ۔اور کیوں اب تک مبتلا ہیں ؟۔۔۔اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سواس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے اور مشاغل دنیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بیحد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کا سمجھتے ہیں اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت ووقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لئے یہ بیچارے اسی طریق کو قرب الٰہی اور خدارسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں۔علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق وکشوف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، اس لئے بھی خیال عام اسی طریق کو خدارسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی وروحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الٰہی کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ

کثرت ذکر وفکر سے سالک کے باطن میں یک گونہ لطافت ونورانیت اور ملاء اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت وموانست پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار وانوار محسوس کرنے لگتا ہے۔اور بسااوقات خاص ”احوال وکیفیات“ اور ”مشاہدات وتجلیات“ کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔ اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاط رہتا ہے۔اور احوال واوقات میں بھی تشتت وانتشار ہوتا رہتا ہے اس لئے ان احوال وکیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ بہر حال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالانکہ یہ ”احوال وکیفیات“ اور ”مشاہدات وتجلیات“ اس فن کے اکابر وائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیان راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے، تاکہ شوق وطلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی وجہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی ”مشاہدات وتجلیات“ کے متعلق لکھتے ہیں:

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند ”تلك خیالات تربی بها اطفال الطریقة“ (۱)

”شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے“۔

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے، ارقام فرماتے ہیں: ”احوال ومواجید وعلوم ومعارف کہ صوفیہ را در اثنائے راہ دست مید ہندہ از مقاصد

(۱) مکتوب: ۱/ ۲۱۱

اندبل اوہام وخیالات تربیٰ بھا اطفال الطریقۃ'' (مکتوب) ''جو احوال ومواجید اور علوم ومعارف صوفیہ پر اثناءِ سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام وخیالات کی قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے''۔

بہرحال یہ انوار وتجلیات اور یہ احوال وکیفیات جن کا وُرُود ''قرب بالنوافل'' کے راستہ سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے، اگرچہ وسیلہ تربیت اور ذریعہ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابل شکر انعامات الٰہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود ومطلوب ہیں اور نہ ایسی دولت ہیں جس کے لئے ''قرب بالفرائض'' کا راستہ چھوڑ کے ''قرب بالنوافل'' ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

ایں فقیر ان نقد وقت خود می نویسد کہ مدتہا از علوم ومعارف واز احوال مقامات در رنگ ابر نیساں ریختند دکارے کہ باید کرد بعنایت اللہ سبحانہ، کردند، والحال آرزوئے نماندہ است الا آں کہ احیائے سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوت والتسلیمات نمودہ آید واحوال وموجید ارباب ذوق را مسلم باشد'' (۱)

''یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم ومعارف اور احوال ومقامات ابر نیساں کی طرح برسے اور ان کا جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا، اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے اور اس کو رواج دیا جائے۔ اور احوال ومواجید ارباب ذوق کو مبارک ہوں''۔

---

(۱) مکتوب: ۳۷

قرب بالفرائض کی ترجیح وفضیلت کے وجوہ

"قرب بالفرائض کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل (مثلاً خدافراموش انسانوں میں تبلیغ وعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم وتربیت اور اقامت دین واحیاء شریعت کیلئے جدوجہد وغیرہ) کوقرب"بالنوافل" کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح وفضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل ووظائف ہیں، اور وہ حضرات (علیہم السلام) خاص انہی کاموں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کوان ہی کے طریقہ پر اخلاص واحتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا، اور اسی جدوجہد کو اپنا خاص وظیفہ حیات بنالینا ان مقدس وبرگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت، بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اوران کے مقصد ان کی فکر اوران کے درد میں شرکت ہے اورایک غیر نبی کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح وتکمیل کے ساتھ ساتھ اور سینکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح وہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔اوراس واسطے صحیح حدیث:''من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله''(۱)"جوشخص کسی آدمی کوکسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے تواس شخص کواس نیکی کے کرنے والے ہی کے برابر الگ ثواب ملے گا''۔کے مطابق سیکڑوں ہزاروں انسانوں کے بےحساب وبےشمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ" قرب بالنوافل" کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت ومجاہدہ کرنے والے اپنے گنے چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نفلی عبادات وقربات کا ہی سرمایہ جمع کرسکتے ہیں، لیکن" قرب بالفرائض" کی راہ پر چلنے والے چونکہ سینکڑوں انسانوں کوان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ وتلقین کرتے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبیل الله بمرکوب وغیرہ، وخلافته في أهله بخیر، حدیث نمبر: ۱۸۹۳

اور تعلیم دیتے ہیں اس لئے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض ونوافل کے علاوہ ان سینکڑوں آدمیوں کے فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم ومسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور نفس ایمان واسلام کا درجہ یقیناً فرائض ونوافل سب سے زیادہ ہے، پس اللہ کا جو بندہ "قرب بالفرائض" کی راہ اختیار کر کے خدا اور رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان واسلام سے ناآشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم وتربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے، اس میں کیا شبہ کہ اس کے نامہ اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان واسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز "قرب بالنوافل" کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلہ عمل ختم ہوا، ترقی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ مگر "قرب بالفرائض" کی راہ میں جب تک اس کے دینی وعلمی فیض کا سلسلہ جاری رہے (خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے) برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے بھی عرض کی گئی کہ "قرب بالفرائض" کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب وحواریین کا راستہ ہے، اور ان کے مشاغل (تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد اور اقامت دین واحیاء شریعت کی کوشش۔ وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں، پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دینی خلفاء ہیں، اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہری ان کے پاس نہیں ہے، لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ ودعوت اور ماننے والوں کی تعلیم وتربیت خلافت نبوت ہی ہے۔

بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے اور بروجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے۔

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافت ظاہرہ" تک بھی پہونچا دیتی ہے "استخلاف فی الارض" اور "تمکین دینی" کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ "خلافت نبوت" کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جد و جہد کرنے سے اگرچہ "اپنی حکومت" قائم کی جاسکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہوسکتی۔ (والتفصیل لا یسعه المقام)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ "قرب بالفرائض" کی شان بہت اعلیٰ وارفع ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ ودعوت، تعلیم وتربیت، اصلاح وارشاد اور اقامت دین واحیاء شریعت کے لئے جد و جہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات قربات اور ذکر وفکر ہی میں مشغول ومنہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہوگئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی وجمہوری دعوتوں کا ہے، اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جارہی ہیں، ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت دینی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کی جد و جہد وسیع پیمانے پر اور عوامی دعوت کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلبگار بندے خدمت دین کے عمومی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

امام ابواسحاق اسفرائینی کا پر جوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے، انکے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین وایمان بعض خاص گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تھا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر ومشائخ کے پاس پہونچے جو دنیا ومافیہا

سے یکسوہوکر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت ومجاہدہ میں مصروف تھے اور کہا۔(اور اللہ اکبر کیسے درد سے کہا)

"اکلة الحشیش انتم ھھنا وامة محمدﷺ فی الفتن" جنگل کی سوکھی گھاس پر گزارہ کرنے والو! تم یہاں ہواور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گمراہیوں میں مبتلا ہورہی ہے۔

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم وتربیت اور غافلوں ناآشناؤں کوتبلیغ ودعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہرحال میں بہت بڑااوراہم کام ہےاورجیسا کہ تفصیل سےاوپر عرض کیا گیا۔

عنداللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہے، اورامتیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔بقول مجددؒ۔

ہیچ کمالے برتبہ دعوت وتبلیغ نرسد فان احب عباداللہ الی اللہ من اَحَبَّ اللہ الیٰ عبادہ وحبب عباداللہ الی اللہ وھو الداعی والمبلغ"۔(۱)

لیکن بالخصوص ایسے زمانہ میں جب کہ چاروں طرف سے مادیت اورلادینیت کے بادل امنڈرہے ہوں اور دین سے غفلت وجہالت اور خدافراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائی چلی جارہی ہوں۔سوایسے وقت میں ان کاموں کی قدروقیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے:

مثلا سپاہیاں دروقت غلبہ دشمنان واستیلاء مخالفاں اگراندک تردد می کنند آن قدر نمایاں میشود واعتبار می گردد کہ درووقت امن اصغاف آن درحیز اعتبار نمی آید(۲)

''مثلاجو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے کے نازک

---

(۱) مکتوبات امام ربانی مکتوب:۲/۵۷

(۲) مکتوب ۴۴

وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ جدجہد کرتے ہیں وہ ایسا اعتماد اور امتیاز حاصل کر لیتے ہیں کہ عام امن وسکون کے وقت کی گئی جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتبار واعتماد پیدا نہیں ہوتا''۔

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی وروحانی ترقی وقرب الٰہی ورضا خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ ''قرب بالفرائض'' ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت وتبلیغ، اصلاح وتعلیم اور اقامت دین واحیاء شریعت کے لئے جدوجہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفلی عبادات وقربات اور ذکر ومراقبہ ہی میں منہمک ومشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔لیکن ''قرب بالفرائض'' کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور ''قرب بالنوافل'' کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کاموں میں اشتغال واخلاص واحتساب اور خشیت وانابت کی صفت کے ساتھ ہو، اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جدوجہد ایک بے داغ عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے (اعاذنا الله من ذلك) اور ان اوصاف (اخلاص واحتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادتی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت ورفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر وفکر کی کثرت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص احسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگرچہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ''قرب بالنوافل'' کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر مرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا، ہزار بار حاشا!! ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ ''قرب بالفرائض'' کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زماننا ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر

طبیعتوں کی حالت ایسی ہوگئی ہے کچھ مدت یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر کے بغیر ان پر اخلاص واحسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا، سو ایسے حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن مطمح نظر دین کی خدمت ونصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت وتبلیغ اور عوامی تعلیم وتربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے اس سے ہماری مراد خاص متعارف وعظ گوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاص مقدار ضروری ہے، بلکہ حقیقت دین سے ناآشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم ازکم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم وتلقین کرنا اور اس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم وتربیت حاصل کرسکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا جن میں سے ایک دین کا جاننے والا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز پڑھتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا اور سکھاتا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا اور رات بھر نوافل پڑھتا تھا (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ عالم جو فرائض ادا کرتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتلاتا اور سکھاتا تھا۔ اس قائم اللیل صائم النہار عابد کے مقابلہ میں ایسی فضیلت رکھتا ہے، جیسی کہ تم میں سے کسی اُدنی آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب میں جو تمثیل ہے، یہ مقدار فضیلت میں نہیں ہے، بلکہ فضیلت کی نوعیت میں تمثیل وتشبیہ ہے۔ **فَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ**۔

تبلیغ دین کے لیے ایک اصول

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، بھارت بابت جولائی ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا اس میں ذکر کردہ اصلاحی پہلو کی پہلے سے زیادہ ضرورت بڑھ چکی ہے، خلاصۂ مضمون یہ ہے:

۱۔ غیر منصوص اور مجرب کسی مؤثر طریقہ دعوت کو منصوص کا درجہ نہ دیا جائے۔

۲۔ ہر دینی تحریک کو رسمیت سے بچا کر حقیقت اور اساسی مقاصد پر باقی رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ مجدد اور مصلح کو ہرگز نبی کا مقام نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۴۔ کوئی ایک دعوت اور اصلاحی جدوجہد امت کے تمام طبقات اور دین کے تمام شعبۂ جات کے لیے کافی اور مؤثر عادۃً نہیں ہوتی، امتِ مسلمہ کی متنوع ضروریات کے پورا کرنے کے لیے مختلف دینی کوششوں کی ضرورت رہتی ہے، اس لیے دوسرے دینی کاموں کی اہمیت وضرورت کا اعتراف اور اعتماد کرنا چاہئے، اور جہاں جو کام بہتر انداز میں انجام دیا جا رہا ہے اس سے کھلے دل کے ساتھ استفادہ کرنے کا رواج آج ہماری بڑی ضرورت ہے۔

''دین کا جو حصہ ہم تک پہونچا ہے اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں، ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت وشکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت وشکل مطلوب ہے، اس کو ہم ''منصوص بالوضع'' کہہ سکتے ہیں، کہ یہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت

وصورت کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مثلا: ارکانِ دین اور بہت سے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں، اور خود کر کے بھی دکھلائیں مثلاً نماز، حج، وضووغیرہ۔

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفسِ شئی مطلوب ہے، لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر (اور زمانہ کے تغیرات اور امت کے لئے وسعت کا خیال کر کے) آپ ﷺ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں، صرف شئی بتلادی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہیئت منصوص نہیں ہے، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے، اگر امت ان کو چھوڑ دے، اور بالکل ترک کر دے تو وہ گنہگار ہوگی، لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا، اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے، اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے، لباس ساتر ہے، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز مثلاً مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں، لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لئے بہت سی سہولتیں ہیں ان کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے: مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے، اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں، مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لئے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے، الجزائر

ومراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے، اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد بیت اللہ کا کوئی مینار نہیں ہے۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔ "قال رب انی دعوت قومی لیلاً ونھارا" حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی "ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا" پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا "ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا" پھر میں باعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی۔

لہٰذا دعوت دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لئے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جہد کا جو طرز مناسب اور مفید سمجھے وہ اختیار کرے، اس میں کسی کو جائز اور ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے، جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جائے، جو شرعی طور پر منکر یا مقاصدِ دینیہ کے لیے مضر ہو۔

عوامی حلقوں کی غلطی

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہوجاتی ہے، اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہوجائیں گی، سینکڑوں تنازعات کا سدِ باب ہوجائے گا، اور بہت سی ذہنی

الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

تقابل ختم کرنے کا طریقہ

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آ گیا، اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا، فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے، اور وہ کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں؟

محنت کے الگ طریقے ہو سکتے ہیں

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر کی وضاحت کی جا سکتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جا سکتا، جیسے احکامِ قطعیہ اور نصوصِ قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے خلاف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے، ہم اپنے مخصوص طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ سے پیش کر سکتے ہیں، لیکن اگر صرف طرزِ کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ، مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت کے واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب وسنت، سیرتِ نبوی، اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی، ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر وتردید کرنا اور ان کو غلط کار

اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمتِ دین ،دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنا نے ،اور امورِ دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے،بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث وقرآن سے استنباط کئے جاسکتے ہیں ،وہ اصولی طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ملیں گے ،لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے ، یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجرباتی ہیں، ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز،اعتدال

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے،انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجۂ اتم ہوتا ہے، یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں ،اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو یہ رویہ غلط ہوگا ،اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا ،کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء کے لیئے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے، جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدو جہد رائیگاں ہوگئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے،اسی طرز فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے، اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہئے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ اک رسم بن جاوے تو یہ ایک مذہب بن جاوے اور ایک بدعت قائم ہوجائے اور اس وقت کے ربّانی مصلحین کا فرض

ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں اوران رسومات کو مٹائیں ، بہت سی چیزیں صحیح اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں ، ایسے موقع پر حقیقت ورسم ،سنت و بدعت ،فرض ومباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے کہ: ؎

گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتربیت اوران کی مساعی جمیلہ کے لئے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے) جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف ورقیب کفر، الحاد، غفلت ومعصیت ہے جوان کے پیروؤں کوان کی دعوت کے برکات اوران کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ ودعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے وہاں ''بے روح رسمیت'' بھی ہے، اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر سے حملہ آور ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جوان کی تعلیم ودعوت سے پیدا ہوتی ہے) اوراس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اوراعمال وعبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں ، وہ ایک رسم کی طرح ادا کئے جاتے ہیں، ان میں نفس و ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اوران کی کیمیائی اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر وصحیح دعوت وتربیت کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی تربیتی شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔اسی وقت کوئی ایسی دعوت وتحریک (الہامِ ربانی اور انتظامِ خداوندی سے جواس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جواس ''رسمیت'' پر ضرب لگاتی ہے، اسلام میں تجدید واصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے

مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، کہ ان کا نشانہ یہی ''رسمیت'' تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز وشاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے، اور امت بعض اوقات "وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ" اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمھیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں، اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو(مگر فہم وادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں، کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہیں، وہ ہدایت خداوندی اور کتاب وسنت کے عمیق ومخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریقِ کار پیش کرتے ہیں جس سے اس ''رسمیت'' کا پنجہ ڈھیلا ہوجاتا ہے، اس کی قوتِ عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے، اور بعض اوقات قرونِ اولی کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور بادِ بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

رسمیت پیدا ہو ہی جاتی ہے

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح ودعوت کا واقعہ والمیہ ہے اور فطرتِ انسانی کی کمزوری ہیکہ کہ خود اس اصلاح ودعوت اور اس طریق کار میں مرورِ زمانہ سے ''رسمیت'' دبے پاؤں داخل ہوجاتی ہے، اور جو چیز رسم مٹانے اور دل ودماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے، اور ایک ''رسم'' ضابطہ اور (routine) بن کر رہ جاتی ہے، اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقت ور شخصیت کی ضرورت پیش آجاتی ہے، جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر کے نظام اور طریقِ کار کی اصلاح کرے، اور اس میں جو بدعات، مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑنے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب وسنت سے ماخوذ اور اصول ومقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی ''رسمیت'' کو دور کرے اور ایمان وایثار اور قوتِ عمل پیدا کرے۔

ایک لطیفہ سے سمجھیں

اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا اسبق حاصل کیا جاسکتا ہے، راقم سطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد دیمک لگ جاتی تھی، اور قیمتی کتابیں تلف ہوجاتی تھیں، وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتب خانہ میں رکھدی جائے تو دیمک نہیں لگے گی، انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی ہے۔

نبی اور مجدّد کے کام میں فرق

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور ایک مصلح ہوتا ہے، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہوسکتی، اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے، لیکن مجدد دین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مجدد اور ہر ربّانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں، لہٰذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے، اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے اثر سے انفاق وایثار کے جذبات پیدا ہوں گے، ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق ووابستگی خاص طور سے اس میں مؤثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن کسی مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں، خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی

سے ہوتی ہیں، لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک حقیقت

ایک بات یہ بھی جاننی چاہئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت وتحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے، کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے، اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے، اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابلِ قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے، جس کو اس نے اختیار کیا ہے، حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا، وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے، اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے، ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے ان کے سامنے اکثر پیش کرتے رہنا چاہئے؛ لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی واصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہے اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انہیں مایوسی اور بددلی پیدا ہو، اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں ''تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' کی روح بیدار ہوگی جو عرصہ سے مفقود ہوچکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں میں اور نت نئے حربوں

کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل "مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ" (ہر ٹیلے اور ٹاپو سے ابلے چلے آرہے ہیں) سخت ضرورت ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

۞۞۞۞۞۞

تمام فرض کفایہ کا اہتمام
امتِ مسلمہ کی ہمہ جہتی ترقی کا ضامن

یہ بات معلوم ہے کہ فرض عین کی فقہی تعریف یہ ہے کہ جس کا انجام دینا ہر مکلف مسلمان پر شرعاً ضروری ہے چند لوگوں کا کرنا کافی نہیں ہوگا جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، خدمت والدین، عین کہا جاتا ہے اسی لیے کہ ہر ایک کی عین اور ذات سے خطاب خداوندی متوجہ ہوتا ہے۔

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ امت کے بعض افراد کا اس عمل کو انجام دینا باقی افراد امت سے اُس فریضہ کو ختم کر دینا ہے یعنی وہ لوگ گناہ گار نہیں ہوں گے، جیسے ڈوبنے والے کو نکالنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، جنازہ نہلانا، کفنانا، نماز جنازہ پڑھنا اور دفن کرنا، دعوت وتبلیغ کرنا، افتاء وقضاء کا کام، علوم شرعیہ کے ماہرین پیدا کرنا، حفظ قرآن، حدیث اور اسناد حدیث کی حفاظت، یہ امور تو دینی اعتبار سے ہیں، عصری ودنیاوی اعتبار سے انجینئرنگ، ڈاکٹری، ہتھیار سازی، اپنے ملک کی حفاظت وترقی میں کام دینے والی پرٹکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا۔

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرض کفایہ والے اعمال سے امت مسلمہ کی دینی ودنیوی مصالح وابستہ ہیں، اسلامی شریعت صرف ایک شخص پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی ہے اور اس کے بغیر امت مسلمہ میں تمام شعبوں کے تقاضے اور متوازن ومعتدل انتظام

وانصرام قابو میں نہیں آسکتا ہے۔(۱)

یہ بات بھی معلوم ہونا چاہئے کہ فرض عین کبھی فرض کفایہ نہیں بنتا البتہ فرض کفایہ کبھی فرض عین بن جاتا ہے جیسے کہیں کوئی منکر ہو رہا ہو اور وہاں ایک کے علاوہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو اس مسلمان پر فرض عین ہوگا کہ اُس گناہ پر نکیر کرے۔

یہاں یہ بحث بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ فرض عین پر عمل کرنا افضل ہے یا فرض کفایہ پر، ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اسفرائنی، ابو محمد الجوینی اور ان کے بیٹے امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ فرض عین پر عمل کرنے والا صرف اپنے فریضہ کو ادا کر رہا ہے اور فرض کفایہ ادا کرنے والا اپنی طرف سے اور پوری امت کی طرف سے بوجھ اُتار رہا ہے، اس طرح فرض کفایہ کی ادائیگی میں نفع متعدی ہے فرض عین کی ادائیگی میں نفع محدود ہے اس لیے فرض کفایہ کا ادا کرنا اولیٰ ہے فرض عین کے ادا کرنے کے مقابلہ میں، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ فرض عین کی ادائیگی افضل ہے فرض کفایہ کے انجام دینے سے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: علمِ خلاف میں مشغولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ فرض عین سے فارغ ہو چکا ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نماز چھوڑ دے، اور کپڑا بُننے کے فن میں مہارت حاصل کر لے اور کہے کہ میرا مقصد نماز پڑھنے والوں کا سر ڈھانکنا ہے، دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ نصوص شرعیہ میں فرض عین کو مقدم رکھا گیا فرض کفایہ پر، خدمتِ والدین کو مقدم رکھا گیا جہاد فی سبیل اللہ پر، تیسری دلیل یہ ہے کہ فرض عین کا مطالبہ مہر پر، مُکلف سے ہے، فرض کفایہ تو صرف چند ضروری افراد سے متعلق ہوتا ہے، راجح بات بھی یہ ہی ہے کہ فرض عین کی ادائیگی مقدم ہے فرض کفایہ پر۔(۱)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علاقے سماج اور اشخاص کے اعتبار سے ان

---

(۱) التحبیر شرح التحریر: ۸۷۵/۲

(۱) الفروق للإمام القرافی: ۲ / ۳۷۷، شرح مختصر الروضة: ۹ / ۴۰۹، شرح الکوکب المنیر: ۳۷۷/۱

دونوں اقوال پر غور کیا جانا چاہئے، جیسے ایک شخص فرض عین کی ذمہ داری تو پوری کر رہا ہے اور وہاں فرض کفایہ کو ادا کرنے کوئی تیار نہیں ہے تو اُس کے لیے دوسری کفایہ والی ذمہ داری بھی فرض عین ہوجائے گی، اور ایک شخص فرض کفایہ کا غم تو لیے پھر رہا ہے مگر فرض عین کی طرف توجہ نہیں ہے تو اُسے فرض عین میں دلچسپی لینی چاہئے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ فرض کفایہ والی دینی، تعلیمی، ملکی، سماجی ذمہ داریوں کا افراد اور اقوام کی ترقی میں بڑا دخل ہے، مثلاً: تدریس، تزکیہ کی طرف امت مسلمہ کی توجہ ہے، مگر غیر مسلموں میں دعوت اسلام یا سیاسی میدان کے لیے رجال سازی کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، کالج اسکول میں ڈاکٹر انجینئر تیار ہو رہے ہیں، لیکن ملکی انتظامیہ، فوج پولیس، عدالتی نظام یا معیشت وتجارت میں ملک وقوم کے مفاد سامنے رکھتے ہوئے ایک شرعی ذمہ داری سمجھ کر آگے بڑھنے والے کم لوگ ہیں، صرف اپنا کیرئیر، ذاتی رجحان، دستیاب وسائل، دوستوں کی ذہن سازی، ناپختہ مزاجی، کی بنیاد پر ہمارے نوجوان آگے بڑھ رہے ہیں، خواص امت کی طرف سے اصول فقہ کے ان ان قواعد کی روشنی میں صحیح ذہن سازی اور معتدل تصور پیش کیے جانے کی ضرورت ہے، نئے فارغ ہونے والے علماء کرام حفاظ کرام کو ان میدانوں کی طرف متوجہ کرنا جس کو بالعموم نظر انداز کیا جارہا ہے اور اب ان کی ضرورت کافی محسوس کی جارہی ہے، دسویں جماعت سے ہی عصری علوم کے طلبہ کو مختلف شعبۂ زندگی میں جانے کی ضرورت، امکانات سمجھانے، مواقع، امداد کئے جانے کا سخت تقاضہ بڑھ رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فرض کفایہ کے تمام اقسام اور تمام میدانوں میں حصہ لینے کے شعور کے بغیر امت مسلمہ کی ہمہ جہتی ترقی ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔

واللہ ھو الموفق۔

---

(۱) البحر المحیط: ۱/ ۲۵۲

غیر مسلموں میں دعوتِ دین کی اہمیت
علماءِ امت کی نظر میں

غیر مسلموں میں دعوتِ دین کی اہمیت وفرضیت قرآن وحدیث کی روشنی میں جس قدر واضح انداز سے ثابت ہے اور کتاب وسنت میں غیروں میں دعوت پر جتنا زیادہ زور دیا گیا ہے، مسلمانوں میں اس سے اتنی ہی لاپرواہی پائی جاتی ہے، بہت کم لوگ اس کا شعور رکھتے ہیں کہ غیروں میں دعوت مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے، اس صورتِ حال کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب موجودہ علماءِ کرام کا اصلاحی کاموں پر اکتفا کرنا ہے، علماء کی اکثریت اس وقت اپنوں کی اصلاح پر زیادہ توجہ مرکوز کررہی ہے، علماء کی جانب سے غیر مسلموں میں منظم دعوتی کام نہ ہونے کے برابر ہے، علماء کے عمومی میدانِ عمل سے یہ تأثر لیا جارہا ہے کہ اس وقت صرف اصلاحی کاموں پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ جب کہ ہر دور میں ہمارے علماء کرام نے اصلاحی کام کے ساتھ غیروں میں دعوت کو بھی اپنا نصب العین بنائے رکھا تھا، صوفیاءِ کرام نے غیروں میں دعوت کے لئے جس طرح کی خدمات انجام دی ہیں وہ ملک کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اوران کے علاوہ دوسرے اولیاءِ ہند نے خلق خدا کو راہِ راست پر لانے میں اہم رول ادا کیا ہے، اسی طرح گذشتہ ایک صدی کے دوران جن علماء نے ملک وملت کی تعمیر واصلاح

اور خدمتِ دین میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان کی زندگی بھی دعوت کے اس اہم شعبہ سے خالی نہ رہی، نیز ماضی قریب کے علماء بھی غیر مسلموں میں دعوت کے سلسلہ میں فکر مند تھے اور اس طرف امت کی توجہ مبذول کراتے رہتے تھے، ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں، جن سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ ماضی میں علماء نے غیر مسلموں میں دعوتِ دین پر نہ صرف توجہ دی بلکہ امت میں پائی جانے والی غفلت پر وہ سخت نالاں بھی تھے(۱)۔

① حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنے ایک مضمون میں غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مسلموں میں دعوتِ دین اتمامِ حجت تک ضروری ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ”غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کا مسئلہ بڑا نازک ہے، یہ دعوتِ عام کا فریضہ ہے، اس فریضہ کی ادائیگی بھی امت پر لازم ہے اور قرآنی ہدایت بالحکمت کے تحت جس غیر مسلم طبقہ کو اسلام کی دعوت دینی ہو اس کی زبان جاننا، اس کے سماجی طور وطریق کو سمجھنا، اس کے ساتھ انسانی بنیادوں پر خیر خواہی کرنا، اس قوم کے ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور ان کے مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنا ضروری ہے، یہ تالیفِ قلب ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مسلموں میں تبلیغ بدرجہ اتمامِ حجت ضروری قرار دی ہے“۔(۲)

(۱) حضرت مولانا احمد ومیض ندوی دامت برکاتہم (استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد، خلیفہ حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم) کی کتاب ”دعوت دین، اہمیت وطریقہ کار“ سے ماخوذ ہے۔

(۲) ترجمان دارالعلوم جولائی ۱۹۹۴ء

اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''دعوتِ اسلامی کا یہ رہنما، چند اصول اور ضروری باتوں کا ضرورت مند ہوگا، ان میں سے ایک یہ کہ پہلے کسی ایک گروہ کو راہ راست کی طرف دعوت دے گا، اس کا تزکیہ کرے گا، اس کے حالات کو سنوارے گا، اسے اپنا دست و بازو بنائے گا اور اطراف عالم میں اس مقصد کے لئے پھیلائے گا''۔(۱)

۲ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندان میں شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، وہ شاہ صاحب کے علوم کے امین سمجھے جاتے تھے، تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک مسلّم ہیں وہ غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غیر مسلم طبقہ پر اتمامِ حجت کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کی صداقت کا عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور ہماری عملی زندگی میں لوگ اسلام کی برکتیں اور رحمتیں دیکھ کر اسلام کو نجات وہدایت کا راستہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقی کمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزانہ کیرکٹر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر طبقہ کو اس کی زبان، اس کی سمجھ اور اس کی استعداد کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ رحمۃ للعالمین اور صاحبِ خلق عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور پھر اس محبوب شفیق احمد اور محسنِ انسانیت کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ:۱/۱۹،۲۰

کو سچی ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں''۔(۱)

(۳) حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند مولانا اخلاق حسین قاسمی کی کتاب ''اخلاقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''۱۹۵۰ء کے آس پاس ہندوستان میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں فرقہ پرست پریس نے گستاخیوں کا سلسلہ شروع کیا، اس دور میں اکابر علماء: مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی، مولانا احمد سعید صاحب ایڈوکیٹ نے ملک کی افسوسناک صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: ہم مسلمان بھی اس ذمہ داری سے نہیں بچ سکتے، ہم نے غیر مسلم طبقہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح تعارف کرانے کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم پر مخالف ذہن کو سامنے رکھ کر کوئی ٹھوس کام نہیں کیا، سیرت کی عام کتابوں میں غزواتِ رسول کا حصہ غالب نظر آتا ہے، اگر ہم کسی متعصب ذہن کے سامنے رحمۃ للعالمین اور صاحبِ خلق عظیم کی زندگی رکھنا چاہیں تو ہمارے پاس ایسی کوئی مستقل کتاب نہیں۔

حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے بھی اس کا احساس ہے میرے پاس اگر مسلمانوں کی خدمت کا اتنا کام نہ ہوتا تو میں سعادت ضرور حاصل کرلیتا۔(۲)

محمد احمد کاظمی صاحب کی بات ''غیر مسلموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح تعارف کرانے کے لئے ہم نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا'' پر حضرت مجاہد ملت مولانا سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا

---

(۱) فتاویٰ عزیزی ص:۱۰۴ بحوالہ اخلاقِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳

(۲) مقدمۂ اخلاق رسول ص:۹

یہ کہنا کہ ''مجھے بھی اس کا احساس ہے'' صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے دل میں بھی غیر مسلموں میں اسلام اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعارف کی ضرورت کا شدت سے احساس پایا جاتا تھا۔

(۴) حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ وملفوظات اور دیگر تحریروں میں غیر مسلموں میں تبلیغ پر بھی زور دیا ہے، چنانچہ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہنچانا چاہئے، کیونکہ اول تو یہ بات مروت وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سودمند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسرں کو محروم کیا جائے، دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن بیان کریں، تو اب دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے، ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے، اس شعبہ کا نام ''تکمیل اسلام'' رکھتا ہوں، دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کو اسلام پہنچانا چاہیے، اس شعبہ کا نام ''تبلیغ'' رکھتا ہوں، اس میں بہت سے مسلمان کوتاہی کررہے ہیں، اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا ہے، حالاں کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا، وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا؟ ہماری حالت یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس کو معمولی سمجھتے ہیں اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جاکر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر مدارات ہوتی ہے، کفار میں جاکر کوئی تبلیغ نہیں کرتا، کیوں کہ وہاں خاطر مدارات کہاں؟ بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے، اس لئے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔(۱)

اس وعظ میں مزید فرماتے ہیں:

---

(۱)　الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۲۸۷

اسلام کی خدمت قاعدہ سے کرو، اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے، اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور چوں کہ اس وقت ترغیبِ اسلام کی سخت ضرورت ہے، اس لئے لازم ہے کہ اس میں بھی حصہ لیں، اور اسلام کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں۔(۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں نہ صرف غیر مسلموں میں تبلیغ پر زور دیا گیا ہے، بلکہ جگہ جگہ حضرت نے غیر مسلموں میں تبلیغ کے طریقہ کار کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اسلام میں دو چیزیں ہیں: اصول وفروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع اور اس پر بھی عقلاء کا اتفاق ہے کہ مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے، جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہئے، کیوں کہ اصول عقلی ہوتے ہیں، ان پر عقلی دلائل قائم کر کے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں۔(۲)

موجودہ حالات میں مسلمانوں میں تبلیغ اہم ہے یا غیر مسلموں میں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

اصل میں تو مسلمان اور غیر مسلموں دونوں کو تبلیغ کی ضرورت ہے، البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ دیکھے اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے، پس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔(۳)

---

(۱) الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۸۵ (۲) محاسن اسلام: ۳۰۰

(۳) الافاضات الیومیہ ۹/ ۶۲

⑤ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ غیر مسلموں کے درمیان فریضہ دعوت ادا کرنے کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کا اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ اگر کسی دوسرے انسان کو کسی سخت نقصان سے دوچار ہوتا دیکھے تو اس کی مدد کرے اور حتی الوسع اس کی دستگیری کرتا ہوا مصائب وآفات کے پنجے سے نجات دلوائے، اسی بناء پر گڑھے اور کنویں میں گرنے والوں، درندوں اور زہریلے جانوروں کے شکار ہونے والوں، ظالموں اور خونخوار حیوانوں کے پنجوں میں پھنسنے والوں، فاقہ اور افلاس وامراض میں مبتلا ہونے والوں وغیرہ کی مدد ہر قوم اور مذہب میں ضروری خیال کی جاتی ہے، جب دنیوی چندروزہ مصائب اور فنا ہونے والے جسم کو تکلیف سے بچانا انسانی فریضہ شمار کیا جاتا ہے تو اخروی، دائمی مصائب اور ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو تکالیف سے بچانا کیا اس سے بدرجہا زائد لزوم والا فریضہ شمار نہیں کیا جائے گا؟

اس لئے ہر انسان کا فرض ہے کہ انسانوں کی اخروی زندگی اور روحانی امراض سے شفایابی کی طرف پوری توجہ کرے، دوسری وجہ جب کہ حسب تعلیماتِ اسلامیہ تمام افرادِ انسانی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں اور یہ وجہ ہے کہ مقتضیاتِ طبیعت اور صورت وسیرت میں بھی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اس لئے جس طرح اپنے حقیقی بھائی کے ہم پر حقوق ہیں اور انہی کی بناء پر ہمارا طبعی اور عقلی فریضہ ہے کہ ہم اپنے بھائی اور انسان کی ہر طرح ہمدردی اور مدد کریں اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانے کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خوشنودی تک پہنچانے کی، نعم ابدی اور روحانی زندگی حاصل کرانے کی ہر ممکن کاروائی سے دریغ نہ کریں۔(۱)

---

(۱) دعوتِ اسلام اقوام عالم اور برادرانِ وطن کے درمیان ص:۱۵۱ از: پروفیسر محسن عثمانی ندوی

⑥ حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

تبلیغ کے معنی پشتینی مسلمانوں کو عبادتی رنگ کے کچھ احکامات پہنچانے کے نہیں، عرفِ شریعت میں تبلیغ درحقیقت اسلام کو پہنچانے اور اسلامی برادری کو وسیع کرنے کو کہا گیا ہے، افسوس! مسلمان اس فریضہ سے غافل ہیں اور اس کے لئے بہانہ بناتے ہیں کہ ہم مکہ کی زندگی میں ہیں، مکہ کی زندگی بے شک ناتوانی زندگی تھی، مگر مار کھانے کی زندگی نہ تھی، کیوں کہ مار کھانا نہ دفاع، نہ ہجوم، بلکہ تعطل ہے، جو اسلام کو ناپسند ہے، مکہ کی زندگی ایک بلند نصب العین کے لئے درحقیقت قربانیاں پیش کرنے کی زندگی تھی، مسلمان کا کام دوسرے کے سہارے زندہ رہنا، بھیک مانگنا نہیں ہے بلکہ دنیا کو عطا کرنا اور اونچا اٹھانا ہے، مسلمان کو دولت اور عزت وجاہ بھی صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہی کی راہ میں مل سکتی ہے، قرونِ اولیٰ کی ساری عزتیں اس دعوت الی اللہ کے راستے سے رونما ہوئیں۔ آج ضرورت ہے کہ سب نہیں تو کم از کم اربابِ علم وبصیرت کی ایک جماعت اس مقصد کو اپنا کر کمربستہ ہوجائے۔(۱)

⑦ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغ کو غیر مسلموں اور بالخصوص اہل یورپ کو دین حق سے قریب کرنے کی فکر کس قدر تھی اس کا اندازہ مولانا کے اس مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا یہ مکتوب ''ارشادات ومکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ'' میں شامل ہے، جسے افتخار فریدی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس مکتوب میں مولانا نے جس دردمندی کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ سے اہل یورپ میں دعوت کے لئے درخواست کی ہے، اس سے مولانا کی فکر وتڑپ کا اظہار ہوتا ہے، مکتوب یوں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

---

(۱)　دعوتِ اسلام، ص: ۱۵۳ / پروفیسر محسن عثمانی صاحب

مخدومی ومکرمی! زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کی قابلیت وذکاوت اور قدرت علی الکلام وہمدردیٔ اسلام اس خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکہ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کے نیر تابانی کے وقت سے جوہر شناسی وقدردانی ہے اور شیخ الکل یعنی سیدی ومولائی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں نیازمندی اور آمد ورفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کردیا تھا، ہمیشہ اس پر زور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طبیعت متمنی اور جویاں رہی، کچھ زمانہ سے خاکسار کے ذہن نارسا میں یہ مضمون آرہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص اور معتدل طریقہ سے فطری اور اوسط الملل مذہب یعنی سچے اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور وقوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے، سو اس کے لئے آپ کے سوا کسی پر نظر نہیں جمی، اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کررہی ہے، سو اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آئی ہے کہ اہلِ حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق دیئے جانے پر مدعوئین کو دوراہ ہوتی ہے، دعوت الی الحق کو قبول کرکے فوزِ دارین اور دین خداوندی مذہب آسمانی کی تروتازگی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کرکے استیصال وبربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران ونامرادی، غرض کسی ایک معاملہ کا ان کے ساتھ تعین ہوجانا، اس دعوتِ الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور ردوانکار پر مبنی ہے، اس مدعا کے لئے پہلے خط لکھ رہا ہوں، خدا کرے یہ نہج ایک بار اور تجربہ کار

ہو، اس مراسلت کو مداومت بخشے اس کے واسطے پہلی بات اس طرز وطریق کا متعین کرنا ہے کہ جو اس کے لئے اختیار کیا جائے، جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آرہے ہیں، ایک یہ کہ مناظرہ اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو، دوسرے جو خرابیاں ان کے دلوں میں بیٹھی ہوتی ہیں، ان کے شافی جواب کو لئے ہوئے ہو اور اس لئے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً: حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہا ہو، باوجود اس کے مختصر ہونے کے عام اشاعت کے قابل ہو، مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے۔

غرض میں ایک نااہل شخص قابل یگانۂ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی اشاعت ضروری ہے، پھر آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں، خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہ وماعلیہ پر کافی نظر کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تندہی سے شروع کیا جائے، پھر حق تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق **حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ** (سورۂ روم: ۴۷) **اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ** (سورۂ محمد: ۷) **كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ** (سورۂ مجادلہ: ۲۱) **اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (سورۂ غافر: ۵۱) کشتی کو کنارے لگا ہی دیں گے۔ رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ (والسلام)

اس مکتوب سے جہاں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہل یورپ میں دعوتِ حق کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغربی اقوام میں دعوت کے لئے مخصوص صلاحیتوں کی بھی ضرورت ہے، مولانا نے اس کام کے لئے مولانا محمد علی

---

(۱) بقلم مولانا احتشام الحق کاندھلوی بحوالہ ارشادات ومکتوبات بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جوہر رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب اس لئے کیا کہ ان میں بدرجہ اتم مطلوبہ صلاحیتیں پائی جاتی تھیں، مولانا کا مندرجہ بالا مکتوب نہ صرف غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، بلکہ اہل یورپ میں دعوت کے طریق کار پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ طریق کار کے سلسلہ میں مولانا نے مختلف باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں پہلی بات یہ کہ ان کے ساتھ مناظرانہ اسلوب نہ اختیار کیا جائے بلکہ حکمت کے ساتھ مثبت انداز میں دین حق کی خوبیوں کو واضح کیا جائے، دوسری چیز اسلام کے سلسلہ میں اہل یورپ کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی غلط فہمیاں دور کی جائیں، تیسری بات جس کی رعایت ضروری ہے وہ اسلام کی اصولی باتوں کی توضیح ہے، جزئیات سے احتراز کرتے ہوئے اسلام کی اصولی خوبیوں کو واضح کیا جائے۔ اہل یورپ میں دعوت کے لئے مولانا نے جن باتوں کی طرف مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ مبذول کروائی ہے وہ ایک دلِ دردمند کا حامل داعی ہی کرسکتا ہے، مولانا کے خیالات سے ایک داعی اور مصلح قوم کی ذہنیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ دعوت واصلاح کے کسی شعبہ میں لگے ہوئے داعی کو دعوت کے دیگر شعبوں کی اہمیت کا منکر نہ ہونا چاہئے۔

⑧ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی غیر مسلموں میں دعوتِ دین کی خوب تڑپ رکھتے تھے، اس کا اظہار ان کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے مختلف متعلقین کو لکھے تھے، چنانچہ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ مفتی دار العلوم دیوبند کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''چالیس سال سے زیادہ زمانہ گذرا، جب سے ایک سوال دماغ میں گردش کررہا ہے کہ اس کفرستان میں قیام کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاقوں کی اتنی بڑی آبادی اور اس پر بھی بیس بائیس کروڑ نفوس ایسے رہ گئے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانا، نہ انہوں نے پہچانا اور نہ پہچاننے کے لئے جو بھیجے گئے تھے انہوں نے

دھیان دیا، وہ حکومت اور سیاست کے حقوق میں کچھ دن الجھے رہے، ان سے نجات ملی تو اب پیٹ اور روٹی کا جھگڑا ہے، ہر روز آدم علیہ السلام کی اولاد کی اتنی بڑی تعداد مسلسل جہنم میں ٹپکتی جارہی ہے، لیکن ہم اس تماشہ کو دیکھ رہے ہیں، دو ہی صورت ہے یا واقعہ جہنم میں گرنے کا دھوکہ ہے یا دھوکہ نہیں واقعہ ہے تو پھر..........

اگر بینی کہ نابینا و چاہ ست   اگر خاموش بنشینی گناہ ست

خدا کرے یہ گرہ کھل جائے اور جس کے لئے ہم بہار آئے تھے وہ یاد آجائے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں، دینی خدمات کا شعور جب سے دماغ میں پیدا ہوا ہے، ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا رہتا ہے کہ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام تک اسلام کو بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے، میرا خیال ہے کہ موجودہ مسلمانوں میں زندہ کرنے کی کوشش لاحاصل ہے، ہاں ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ اگر آجائے تو ممکن ہے کہ اس کی حرارت سے ان پرانے، تھکے ہوئے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو، مگر براہِ راست ان کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مردوں کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے ہم مثل سمجھ رہا ہوں، جب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی (۸۰) سال حکومت میں یہ سوئے ہوئے رہے اور کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ان میں کون آیا اور کون چھوڑ کر چلا گیا تو اب دوسروں سے متأثر ہوں گے، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔(۱)

(۱) حیاتِ گیلانی ۲۸۳

⑨ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اقوام عالم میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی کتنی فکر تھی اس سے ہر شخص واقف ہے، اس کام کے لئے مولانا نے اپنی زندگی وقف کردی تھی، مولانا نے دنیا کے ہر طبقہ کو مخاطب کیا، بالخصوص اہل مغرب کو دین حق سے قریب کرنے میں مولانا کا اہم رول رہا ہے۔ مولانا نے اپنی متعدد کتابوں میں غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیا ہے، ساتھ ہی اسلام کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کی بھی کوشش کی ہے، مولانا کو اصلاحِ مسلمین کی بھی فکر تھی، لیکن اس کے ساتھ غیر مسلموں میں دعوت پر بھی زور دیتے تھے، ان کی قائم کردہ تحریک ''پیامِ انسانیت'' کا مقصد بھی یہی تھا، مولانا نے بارہا اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مسلمانانِ ہند کو جھنجھوڑا ہے، ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اس ملک میں ہم (مسلم) تنہا وہ ملت ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے، جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت اس کے پاس ہے، نوعِ انسانی کے لئے اس امت کے پاس رحمت وہدایت کا عظیم سرمایہ ہے، اسوۂ نبوی، حیاتِ صحابہ اور مثالی ومعیاری انسانوں کے کردار وعمل کا عظیم ذخیرہ موجود ومحفوظ ہے، امتِ مسلمہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہدایت کا پیغام دے سکتی ہے، یہ وہ امت ہے جو ڈوبتے سفینہ کو ساحل تک پہنچا سکتی ہے، کسی گرے ہوئے معاشرے کو جو زمین میں بالکل دھنس رہا ہے اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خودکشی وخودسوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے، اس لئے کہ اس کے پاس اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جو دونوں جہاں میں کامیابی کا ضامن ہے، اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو قوموں کا مقدر بدل سکتا ہے، اس کے پاس وہ آخرت کی زندگی کا مضبوط تصور

ہے، جس سے دنیوی زندگی کی رنگینیاں پھیکی معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ امت خود اپنا مقام ومنصب سمجھے، آج دنیا پیاسی ہے، اس کو راہِ مستقیم دکھانے کی ضرورت ہے، آج انسانیت کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لانے کی ضرورت ہے، کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے اجالے اورنور میں لانے کی ضرورت ہے، آیئے! آج ہم اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کا عہد کریں اور انسانیت کے مقدر کو بدل کرر کھ دیں''۔

⑩ مولانا مفتی عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

موجودہ دور کے علماء میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں، مولانا عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور علومِ اسلامیہ کی خدمت کرتے کرتے دارِ فانی سے رخصت ہوئے، مختلف علمی موضوعات پر ان کی قیمتی کتابیں ہیں، اسی طرح مختلف جرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے، مولانا اپنے ایک مضمون میں غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام جاری رکھیں، غیر مسلموں کو دعوت دیتے رہیں، دعوت کا کام جاری رکھنے سے سارے عالم میں اسلام پھیلا، بادشاہوں نے تو یہ کام نہیں کیا، حضراتِ صوفیاء نے یہ کام جاری رکھا اور ان کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد اسلام میں داخل ہوئے، مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نوے لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا، اتنے بڑے ہندوستان میں جو مسلم اقوام ہیں، ان میں سادات، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی تو کم ہی ہیں، زیادہ تر وہی اقوام ہیں جو مشرک نسلیں ہیں، ان کے آباء واجداد کو اسلام کی تعلیم دی گئی

اوران کوتوحید پسند آ گئی،شرک وبدعت کی قباحت معلوم ہوئی اور لامحالہ سچے دل سے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کیا‘‘۔(۱)

(۱۱) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی نظر میں

مولانا کی ویسے بہت سی تحریریں ہیں جن میں غیر مسلموں کو دعوت کی ترغیب دی گئی ہے، یہاں مختصر اقتباسات نقل کئے جارہے ہیں۔۱۹ / جولائی ۲۰۰۳ء کو’’مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈیمی‘‘ بھٹکل کے ایک عوامی اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے اس امت کا انتخاب فرمایا کہ یہ امت سارے انسانوں کی رہبری اور گواہی کا کام کرے گی،کوئی قوم بغیر دعوت کے کام کے،بغیر دوسروں کو پہنچائے،بغیر دوسروں کو واقف کرائے اور حق ناحق کا فرق بتلائے، اس مقام کے لائق نہیں ہوسکتی اور اس کا انجام نہیں دے سکتی، اللہ تعالیٰ نے اس کا امتیاز اسی میں رکھا ہے، یہ کام جب نہیں ہوگا تو اس کا امتیاز ختم ہوجائے گا، پھر اس کی حقیقت باقی نہیں رہے گی، چنانچہ یہی ہوا کہ آخری چار پانچ سو سال میں مسلمان بہت نیچے چلے گئے، اللہ کی رحمت سے محروم ہوگئے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے کام کو، اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو نظر انداز کردیا اور اپنے کو ان امتوں میں شامل کیا جو امتیں اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہوگئیں۔ ہم غیر مسلموں کی زمین میں رہتے ہیں، دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے، مکان سے مکان ملا ہوا ہے، دفتر میں ایک ساتھ کام کرتے ہیں، لیکن وہ اسلام کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تو یہ کس کی ذمہ داری ہے، ہم نے ان کو بتایا نہیں، واقف نہیں کرایا، اپنے عمل سے مظاہرہ نہیں کیا، وہ اسلام کی برتری اور اس

(۱) ماہنامہ’’الفاروق‘‘ کراچی

کی خوبی سے واقف ہوجائیں، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے''۔(۱)

(۱۲) مولانا اخلاق حسین قاسمی کی نظر میں

ماہنامہ ''ترجمان دار العلوم'' میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں تعلیم کے بعد ارتداد کا خطرہ تھا اور ملک کے بعض حصوں میں یہ حادثہ رونما ہو بھی گیا تھا، جان و مال کی تباہی کے حادثات نے پیچھا کر رکھا تھا، مسلم دشمن فرقہ پرستوں نے ہر محاذ پر اسلام اور مسلمانوں کو بے جان کرنے کی منظم سازش شروع کر رکھی تھی، لیکن دیوبند کی تعلیمی تحریک (جو ولی اللہی تحریک کا دوسرا دور تھا) نے تعلیم وتدریس، تزکیہ وتصفیہ، اصلاحِ معاشرہ، عیسائیت اور آریہ سماج کے مقابلہ میں مجادلہ ومباحثہ اور تحریکِ آزادئ ہند میں قائدانہ شرکت کے میدان میں العلماء ورثۃ الانبیاء کے منصب کا حق ادا کیا اور ہر میدان کی قیادت کے لئے اعلیٰ درجہ کے قائد وامیر کھڑے ہوگئے، لیکن اپنے گھر کے کاموں کی مشغولیت کے سبب اور سیاسی تصادم سے پیدا شدہ ہندو مسلم منافرت کے سبب دعوتِ اغیار کے اہم تقاضہ کی طرف توجہ نہیں کی جاسکی، ایک طبقہ علماء کا ہندوستان کے غیر مسلموں کی طرف سے مایوسی کا شکار ہوگیا اور اس نے پورے ملک وقوم کو بھاجپا اور جن سنگھ کے آئینہ میں دیکھا جو غلط تھا اور غلط ہے، ایک طبقہ نے دعوتِ عام کے اخلاقی اور روحانی کام کو سیاسی اصطلاحوں میں شروع کیا، جس سے مسلمانوں کے اندر تو ایک اسلامی تنظیم وجود میں آگئی، لیکن غیر مسلموں میں دعوتِ عام کا کوئی کام انجام نہیں پاسکا بلکہ اسے نقصان پہنچا۔ اب ضرورت اس بات

(۱) ماہنامہ ارمغان پھلت نومبر: ۲۰۰۳ء

کی ہے کہ علماءِ ہند کی یہ تاریخی جماعت اپنے اندرونی کام کے ساتھ دعوتِ عام کی تنظیمی جدوجہد کا انتظام کرے اور دعوتِ حکمی کے فقہی تصور کے سہارے تاویل کی راہ پر نہ چلے، احساس تو ہو، آغازِ کار تو ہو، پھر خدا خود میر کارواں ہے، اپنے بندوں کی مدد کرے گا۔(۱)

اسی مضمون میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''متأخرین فقہاء نے دعوتِ دین کی دو قسمیں کر کے ایک قسم دعوتِ حکمی نکالی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''البحر الرائق'' نے دعوتِ حکمی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: ''دعوتِ حکمی کے معنی یہ ہیں کہ انتشار اسلام کی وجہ سے ہر شخص کے لئے ایسے اسباب مہیا ہو گئے ہوں کہ وہ جہاں چاہے اسلام کے متعلق بنیادی معلومات حاصل کر سکے، اگرچہ اسے باقاعدہ اسلام کی دعوت نہ دی جائے'' قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں دعوتِ حق کے بنیادی مقاصد و مشن کے بارے میں علماءِ دین اور عام امت پر درجہ بدرجہ جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اس کے پیش نظر علامہ ابن نجیمؒ کی یہ اجتہادی تاویل علماء اور امت کے حق میں آسانی اور رخصت کے سوا کچھ نہیں، یہ صحیح ہے کہ اسلام، قرآن اور محمد کے اسماءِ گرامی اور ایک مسلم قوم کا نام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا ہے، لیکن یہ انتشار و اشاعتِ اسلام کی بنیادی معلومات سے محروم الایمان لوگوں کو متعارف کرانے اور ان پر حجتِ دین قائم کرنے کے لئے قطعی طور پر کافی نہیں ہے اور اگر اس مفروضہ کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ دنیا کے کونے کونے میں خدا کی توحید، شرک کی برائی، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی و رسول ہونے کی

(۱) دعوتِ اسلام سے محروم انسانوں کا مسئلہ شائع شدہ ترجمان ''دار العلوم دیوبند'' ۱۹۹۴ء

صداقت، اور آپ پر ایمان لانے کی افادیت، اور ایمان نہ لانے کے نقصانات اور آخرت پر ایمان اور قرآن کریم پر اور اس کے احکام کی اطاعت کی ضرورت (جو بنیادی معلومات ہیں) کا علم پھیل چکا ہے اور اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اندر اس کی رغبت اور چاہت پیدا ہو تو یہ طلب وخواہش موجودہ مادہ پرستی کے اندھیرے میں خود بخود پیدا ہوگی؟ یا اسے خدا کے امر تقدیری پر چھوڑ دیا جائے گا؟ تو پھر واقعی مسلمانوں کے ذمہ کوئی دعوتی کام نہ رہا، لیکن یہ سب مفروضہ ہے، قطعی بات یہ ہے کہ محروم لوگوں میں طلب پیدا کرنا تدبیر واسباب کے لحاظ سے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اسے پورا نہ کرنا قرآنی اصولِ ثلاثہ کے خلاف ہے، فقہاءِ کرام کی اس اجتہادی رخصت سے فائدہ اٹھا کر کیا علماءِ کرام آخرت کی جواب طلبی سے محفوظ رہیں گے؟ یہ سوال کافی غور طلب ہے"۔(۱)

(۱۳) حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی نظر میں

غیر مسلموں کے درمیان حق کی دعوت کو ایک فریضہ کے بجائے ہم نے فضیلت واحسان سمجھ لیا ہے، حالاں کہ قرآن وحدیث اور پیغمبروں کے اسوہ کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج کے حالات میں جو کوئی عام غیر مسلم اس دنیا سے جاتا ہے، اس کا اخروی انجام جو کچھ بھی ہو لیکن وہ ہمارا دامن خدا کے روبرو پکڑنے کا ضرور حقدار ہوگا کہ ہم نے اسے کچھ نہیں بتایا بلکہ اس کی بے خبرانہ جاہلی عصبیت کے مقابلہ میں عصبیت کا مظاہرہ کر کے حق کو سننے اور سمجھنے کے امکانات سے اس قدر دور کر دیا کہ نہ کان کچھ سن سکیں اور نہ آنکھ دیکھ سکے۔(۲)

---

(۱) دعوتِ اسلام سے محروم انسانوں کا مسئلہ" شائع شدہ ترجمان" دارالعلوم دیوبند" ۱۹۹۴ء

(۲) ماہنامہ" الفرقان" لکھنؤ جون ۱۹۹۴ء

غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام

کچھ غلط فہمیاں (۱)

پہلی غلط فہمی

آنحضرت ﷺ صرف مسلمانوں کے نبی ہیں، قرآن مجید مسلمانوں کے لیے نازل کی گئی کتاب ہے، جیسے حضرت عیسیٰؑ یہود کے لیے نبی تھے اور انجیل عیسائیوں کے لیے نازل کی گئی کتاب ہے، دعوتِ دین میں یہ غلط فہمی بڑی رکاوٹ کا سبب ہے، اگر چہ مسلمان اعتقاداً اس کے قائل نہ ہوں مگر عملاً اسی تخصیص کے قائل ہیں، جبکہ کسی نص میں نہ اسکی صراحت ہے نہ اشارہ ہے، بلکہ نصوص اس کے خلاف ہیں، اس غلط فہمی کی وجہ سے مسلمان اسلام، نبی ﷺ اور قرآن مجید کا دیگر اقوام کے سامنے تعارف کرانے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں، اور نفرت وتعصب کے ماحول کی وجہ سے خود دیگر قومیں سنجیدگی سے قرآن مجید کو اور احادیث کو اپنی ذات کے لیے مطالعہ کرنے کے بجائے مسلمانوں کی کتاب کا تصور لے کر مطالعہ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ ہدایت تک رسائی تو کجا عیب جوئی ونکتہ چینی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

دوسری غلط فہمی

قرآن مجید صرف مسلمانوں کی کتاب تصور کیئے جانے کے نتیجہ قومی زبانوں میں

(۱) یہ غلط فہمیوں کے جوابات حضرت مولانا کلیم صدیقی پھلتی دامت برکاتہم کی کتاب ''دعوت دین، حقائق غلط فہمیاں'' کے مضامین کی نقل وتلخیص ہے۔

قرآن کا ترجمہ کروانا، اہتمام سے مخاطب کی زبان میں ترجمہ ومختصر تفسیر والا قرآن پیش کرنا، قرآن کی نافعیت وجامعیت کو سمجھانا اپنی ذمہ داری سمجھنے کے بجائے یہ تصور ہوگیا کہ ''کافر ناپاک ہے، اس کو قرآن کیسے دیا جائے گا، اس کو قرآن کی کیا ضرورت ہے، وہ مساجد میں کیونکر آسکتے ہیں'' جس کی وجہ سے کفار بھی اس تصور سے محروم رہے کہ ''قرآن میرے مالک کا کلام ہے مجھ سے براہِ راست خطاب کیا جارہا ہے، اس پر صرف مسلمانوں کا حق نہیں ہے، مجھے غیر جانب دار ہوکر مطالعہ کرنا چاہئے، جبکہ قرآن پوری انسانیت کے لیے دستور العمل ہے، اسکے مخاطب برادران وطن بھی اتنے ہی ہیں جتنے کہ مسلمان مخاطب ہیں، مسلمان اس کے امین ہیں کہ امانت داری سے رب کا کلام رب کے بندوں تک پوری وضاحت کے ساتھ پہنچایا جائے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ برادرانِ وطن واقوامِ عالم کی طرح مسلمان بھی قرآنِ مجید کو ایک دھارمک گرنتھ سمجھ کر نا قدری کا معاملہ کررہے ہیں، تلاوت برکت کی کتاب سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ کتابِ ہدایت وکتابِ دعوت بھی ہے، جس کی وجہ سے تذکیر، تبشیر، وتخویف کے لیے اس کا مطالعہ کرنے کو بھی گمراہی سمجھا جاتا ہے، جبکہ اس کا پوری انسانیت کو حق حاصل ہے، اجتہاد واستنباط کے لیے یقیناً اصول وضوابط ہیں، مگر تذکیر کے لیے پڑھنے کا حق کس نے چھین لیا۔ **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ** (۱)

تیسری غلط فہمی

ملتِ اسلامیہ کے بعض خواص اور تقریباً عوام کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ اسلام پورا کتابوں میں طبع ہوچکا ہے، اسلامی تعلیمات عام ہوچکی ہیں، مسلمانوں کی طرف سے اتمام حجت ہوچکی ہے، اغیار کو دعوت دینا محض ایک مستحب عمل ہے، اب ہر انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ حق کی تلاش میں نکلے اور صحیح مذہب کو اپنائے، غور کریں ہندوستان کے موجودہ ماحول میں کسی غیر مسلم سے اس کا تصور آسان ہے، وہ کس کا ترجمہ قرآن، کس کی

---

(۱) سورۃ القمر، آیت: ۲۲

حدیث کی کتاب خریدے گا مطالعہ کے لیے؟ لسانِ قوم میں اسلام سمجھنے کے لیے کتنی کتابیں دستیاب ہیں؟ اسلام پر اعتراضات کے حل کے لیے مخاطب کی زبان میں کونسی کتاب اسے ملے گی؟ کون اس کی رہبری کرے گا؟ کسی کی رہبری کے بغیر اس کا مطالعہ مفید ہوگا؟ جب ہم مسلمانوں کو بغیر علماء کی سرپرستی کے تنہا قرآن کے مطالعہ کو منع کرتے ہیں کہ غلط سمجھ لے گا تو غیر مسلم سے آپ کی کیا توقع ہے؟

کیا ہم نے اتمام حجت کردیا؟

علاوہ ازیں کیا ہم نے برادرانِ وطن تک دین پہنچادیا؟ ہم میں سے ہر شخص خود کو مخاطب بنا کر خود سے سوال کرے کہ میرے ذریعہ سے کتنے برادران وطن تک دین کی کونسی بات پہنچی، افسوس تو یہ ہے کہ اذاں کا مطلب صحیح بتایا نہیں گیا، وہ سمجھتے ہیں کہ اذاں میں ''اللہ اکبر'' کہہ کر اکبر بادشاہ کو یاد کیا جارہا ہے، کوئی سمجھ رہے ہیں کہ ''مسلمان روزانہ اپنے بھگوان کو اتنے زور سے مائیک سے کیوں پکارتے ہیں کیا ان کا رب بہرا ہے؟ (العیاذ باللہ) اذاں کا اثر خود مسلمانوں پر قولی وفعلی اعتبار سے کیا ہے؟ اذاں کے وقت جواب دینے کے لیے خاموش ہیں؟ یا اذاں کے بعد عمل کے قدم مسجد کی طرف اٹھ گئے؟ پنج وقتہ اذاں کا یہ حال ہے تو قرآن مجید و نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ برکت کا تعارف کا کیا حال ہوگا؟ تصور کرلیں، پھر کہنا کہ اتمام حجت ہوگیا جرأت نہیں تو کیا ہے۔

بالفرض مان لیں کہ اسلام کا تعارف ہوچکا اب مزید تبلیغ کا درجہ استحباب کا ہے تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ''مسلمانوں میں گناہِ کبیرہ، جھوٹ، شراب کی حرمت، غیبت، چوری، رشوت خوری وغیرہ کا تعارف اغیار کے سامنے اسلام کے تعارف سے زیادہ ہوچکا ہے، تو اعمال کی اصلاح کے لیے اصلاح معاشرہ کے جلسے، ہفتہ واری نشستیں، پروگرام، ملاقاتیں یہ سب بھی تو مستحب ہی ہیں، اعمال کے سلسلہ میں بھی تو اتمام حجت ہوچکا ہے، اس کے باوجود اعمال کی اصلاح کی اتنی کوششیں اور کفار کے سامنے اسلام کا تعارف بالفرض ہوچکا ہے پھر بھی کوئی عملی کوشش نہیں، ایمان کے بغیر تو

اعمال کی درستگی کا اعتبار ہی نہیں، جڑ کی درستگی کے لیے کوئی محنت نہیں شاخوں کی محنت کے لیے ہر تنظیم کوشش کررہی ہے۔

اعمال کی درستگی کی محنت اگر مستحب ہے اور اسکے لیے اتنی کوششیں ہورہی ہیں تو اسلام کی تبلیغ کی محنت بھی مستحب ہے تو اس مستحب کے لیے بھی ویسی ہی کوششیں کریں جیسی اعمال کے لیے کررہے ہیں، اس مستحب عمل کی اہمیت بتائیں۔

چوتھی غلط فہمی

کفار میں دعوت کا کام تو ہونا چاہئے مگر ہندوستان کا موجودہ ماحول اس کے لیے سازگار نہیں ہے، اس ماحول میں دعوت دینے سے اپنی جان کو خطرہ ہوسکتا ہے، جس کی وجہ سے دعوت کی ضرورت تو محسوس کی جاتی ہے مگر ماحول مانع بن جاتا ہے، اگر ہندوستان کا موجودہ ماحول سازگار نہیں ہے تو کیا مکی زندگی میں آپ ﷺ اور صحابہ کے لیے مکہ کا ماحول سازگار تھا، کیا ابوجہل اور ابولہب جیسے دشمن اب بھی موجود ہیں؟ جب کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے گئے کلمہ پڑھنا جرم تھا، تب ماحول عذر نہیں بنا تو آج اپنے دین کی تبلیغ کی کھلی اجازت کے باوجود ماحول عذر کیسے ہے؟ اگر ماحول کا عذر خدانخواستہ صحابہ کرتے تو ہمیں پتہ نہیں کہ ایمان نصیب ہوتا کہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جس قدر ماحول سازگار ہے اس سے قبل شاید کبھی نہیں تھا، یہ عقل وعلم کا زمانہ ہے، اسلام کے علاوہ کوئی مذہب عقل وعلم کی کسوٹی میں پورا نہیں اترتا، بین الاقوامی قانون میں ہر شخص اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی مکمل آزادی ہے، جسے انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا جاچکا، ذرائع ابلاغ کی آسانیاں، اپنی بات جہاں چاہے جب چاہے جس تک چاہے پہنچائی جاسکتی ہے، قومی زبان اور بین الاقوامی زبان وحکمتِ عملی کے ذریعہ ہر ایک تک اپنی بات پیش کی جاسکتی ہے۔

پانچویں غلط فہمی

تبدیلیٔ مذہب کی محنت شروع کی جائے گی تو دیگر مذاہب کے لوگ ہم سے کھلی

دشمنی کر کے ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کریں گے، انہیں ظلم کا شکار بنایا جائے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین دعوتِ دین والوں کی بڑی قدرداں ہے، یہاں سیاسی فکر اور مادی انداز میں کام کرنے والوں کی مخالفت کی جاتی ہے، اورنگ زیب عالمگیر اپنی تمام تر پرہیزگاری، مذہبی رواداری کے باوجود کفار میں موضع بحث ہیں، جبکہ انہوں نے دعوتِ اسلام کا قابلِ ذکر کام نہیں کیا، تاریخ کا طالبِ علم اچھی طرح واقف ہے، مگر دعوتِ دین وروحانیت کے علمبردار حضرت خواجہ معین الدین چشتی، امیر کبیر سید علی ہمدانی (صوبۂ کشمیر)، سے متعصب ہندو بھی محبت کرتا ہے، ان کے آستانے پر سر نہیں دل جھکا دیتے ہیں، یہاں کی قوم خیر خواہانہ، درمندانہ طور پر روحانیت کی محنت کرنے والوں کے لیے دل بچھانا جانتی ہے، آپ غیر مسلم کو آداب کے ساتھ اسلام سمجھائیں قبول کرے یا نہ کرے احسان مند ضرور ہوگا، پھر نفرت ودشمنی کی کیسی شکایت۔

چھٹویں غلط فہمی

اگر اسلام کی محنت کے بعد وہ لوگ اسلام لانا شروع کردیں تو ہمارے پاس ان کے معاشی، سماجی، وازدواجی نظام کو سنبھالنے کا انتظام کہاں ہے، تجارت، شادی بیاہ کے مسائل کا حل کیسے کیا جائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے وقت ایسا خیال نہیں فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے ساتھ حل بھی تلاش کیا، صحابہ میں مواخاۃ قائم فرمائی، تالیف قلوب کے لیے زکوۃ کا حصہ مقرر کیا گیا، مسلمانوں کی اتنی کروڑ کی آبادی میں اس کے لیے کوئی منظم ترتیب قائم کی جاسکتی ہے، آنے والے کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائے بغیر یا اس کی عادت بگاڑے بغیر معاشی نظام کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اور اب تک اسلام قبول کرنے والوں کی زندگی سے سبق لیا جاسکتا ہے۔

ساتویں غلط فہمی

کام تو بہت ضروری ہے، وقت کا تقاضا ہے، کرنا چاہئے مگر ہم جیسے چھوٹے لوگ

کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے لیے بڑے بڑے لوگ یا بڑی بڑی تنظیمیں آگے آنی چاہئے۔

کسی بھی کام کی استعداد یک لخت یا ابتداء ہی سے کامل صورت میں نہیں ہوا کرتی، بلکہ کام کرتے کرتے صلاحیت بڑھتی رہتی ہے، جیسے ورزش کرنے ایک ایک کیلو وزن میں اضافہ کرتے ہیں اسی طرح افراد واقوام کا بھی ضابطہ ہے۔

یاد رکھیں کہ دنیا مثبت ومنفی نظام سے چلتی ہے، تو داعی بنیں یا مدعو، داعی بنیں گے تو ایمان پر آپ بھی اور آنے والی نسل بھی باقی رہے گی، ورنہ مدعو بننا پڑے گا، آخر اونٹ وبکریاں چرانے والی قوم دنیا کے ساٹھ فیصد حصہ پر قبضہ کر لیا تو دعوتِ دین واعلاء کلمۃ اللہ جذبۂ صادق کا کرشمہ تھا، آج بھی اس امت کی سربلندی اسی طریقۂ کار کو اپنانے میں ہے۔ "لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا"(۱)۔

آٹھویں غلط فہمی

پہلے ہم خود اچھے مسلمان بن جائیں، ایک مثالی معاشرہ قائم کر لیں، تب دوسروں کو دعوت دی جا سکتی ہے، جب ہم خود تمام برائیوں میں مبتلا ہیں تو کس منہ سے اسلام کی دعوت دیں گے۔ اگر تمام مسلمانوں کے اچھے اور مثالی مسلمان بننے کا انتظار کیا جائے تو قیامت تک کفار کو دعوت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ جیسے جیسے زمانہ عہد نبوی سے دور ہوتا جائے گا شر غالب ہوتا ہی جائے گا، اس وقت پوری دنیا میں اسلامی ممالک سمیت کوئی شہر گاؤں ایسا نہیں جو اسلامی معاشرہ کی مثال بن سکے، حتی کہ دینی اداروں اور افراد میں بھی وہ جامعیت نہیں جو خیر القرون میں تھی، ہر فرد موت تک اصلاح کا محتاج ہی رہے گا اور مکمل اصلاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع، دعوتِ اسلام کی محنت جس کا تکملہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کے بغیر حاصل ہونا دشوار ہے، جب کامل مسلمان بننے میں دعوتِ اسلام

---

(۱) مجموع الفتاوی لتقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى: ۷۲۸)، ۲۰/۳۷۵، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، عام النشر: 1416هـ/1995م۔

بھی شامل ہے تو اس کو چھوڑ کر ایک شخص کامل مسلمان کیونکر بن سکتا ہے، اور کیا اپنی اصلاح کی کوشش بھی ناقص نہیں رہ جائے گی، اصلاحِ کامل کا تصوراتی انتظار کی وجہ سے اس وقفہ میں کتنے لوگ بغیر ایمان کے دنیا سے چلے جائیں گے؟

نویں غلط فہمی

دعوتِ دین امت مسلمہ کا ضمنی یا ثانوی درجہ کا کام ہے، اپنی تمام ضروریات سے فارغ ہونے پر اگر کچھ وقت خالی مل جائے تو کرلیا جائے، ورنہ کوئی اہم مسئلہ نہیں، جبکہ دعوتِ دین امت مسلمہ کا فرضِ منصبی ہے، مقصدِ بعثت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ الخ

غلط رواج کی وجہ سے لوگ زندگی کے مقصد کو ضرورت اور ضرورت کو مقصد کا درجہ دے دیا ہے، جب تک دونوں کا فرق اعتقادی و عملی طور پر واضح نہیں ہوگا اس وقت تک میدان عمل میں قدم رکھنا دشوار ہوگا، ضرورت مقصد کے تابع ہوتی ہے، مقصد ضرورت کے تابع نہیں ہوتا، ضرورت کو وقت بقدرِ ضرورت دیا جاتا ہے، بیت الخلاء میں ایک گھنٹہ بیٹھیں، دسترخوان پر ایک گھنٹہ لگائیں تو ہر شخص کو تعجب ہوگا علاج کا مشورہ دے گا، آج ضرورت کو مقصد کا درجہ دینے کی وجہ سے مقصد کے لیے ضرورت کے بقدر وقت دینا بھی دشوار ہوگیا ہے ہونا تو چاہئے تھا کہ ضرورت کے لیے وقت نکالنے کی دعوت دی جاتی ہے، **"لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا"** (۱) مقصد کے لیے تو کھپا جانا ہے اور ہم سے وقت نکالا نہیں جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے مقصد اور ضرورت کا واضح فرق مل جائے گا، بہت کم صحابہ کو ان کے پیشہ وحرفہ سے دنیا جانتی ہے، مگر ان کی خدمت دین سے سب واقف ہیں، ظلم یہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دعوتِ دین کے شعبوں (مقصدِ زندگی) جیسے درس وتدریس، امامت وخطابت، تصنیف وتالیف، وغیرہ میں خدمت کا موقع ملا وہ بھی مقصد میں لگے

(۱) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لزوجك عليك حق، حديث: ۵۱۹۹

ہونے کے تصور سے خالی ہوں اور اپنے شعبہ کو ضرورت زندگی، روزگار، و مشاہرہ کا ذریعہ سمجھ لینا ہے۔

محنت اقدامی کاموں میں صرف ہو

جب دین اسلام کا مزاج اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مزاجی مناسبت ہوجائے تو محنتیں دفاعی وحفاظتی کاموں میں صرف ہونے کے بجائے اقدامی کاموں میں صرف ہوگی، دوسروں کے شکوک وشبہات کو دور کرنا، غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے، یہ بھی دینِ اسلام کی خدمت ہے، مگر اسلام کا مزاج اس سے آگے اقدامی محنت ہے، ہر ادارہ، تنظیم کی حفاظت ضروری ہے، مگر جب اقدامی محنت ہوگی تو حفاظت دوسرے کرلیں گے، جب برادرانِ وطن کو یہ سمجھایا جائے کہ اسلام کی جتنی ضرورت مسلمان کو ہے اتنی ہی ضرورت تمہیں بھی ہے، قرآنِ مجید سے عائلی مسائل کا حل جس قدر پرسکون زندگی کے لیے ایک مسلمان کو ضروری ہے اتنا ہی تمہیں بھی ضروری ہے، مدارس کے تفصیلی علم کی تمھیں بھی ضرورت پڑے گی، ان شعبوں کی اہمیت، ضرورت افادیت بتانے پر محنت صرف ہوتی حفاظت پر محنت برادرانِ وطن کرلیتے، غیر مسلم ماہرِ قانون جسٹس بھاردواج (Justice Rajashri Bharadwaj) اور اپنی کتاب ''یونیفارم سول کوڈ'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان کی سالمیت اواتحاد کے لیے یونیفارم سول کوڈ کوئی ضروری چیز نہیں اور اگر سب لوگ بالفرض اس پر متفق ہوجائیں کہ ہندوستان میں سب لوگوں کے لیے صرف ایک عائلی قانون لاگو کیا جائے تو پھر میری رائے ہے کہ ''مسلم پرسنل لا'' کو لاگو کیا جانا چاہئے، اس لیے کہ انسانیت کے لیے اس سے زیادہ مکمل اور جامع کوئی قانون نہیں ہے''۔(۱)

دسویں غلط فہمی

ہندوستان میں اکابرین امت اور صوفیاء کرام نے دعوتِ اسلام کا کام نہیں کیا،

---

(۱) مستفاد: دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۳۷

لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول نہیں کیئے ،اگر یہ ضروری ہوتا تو وہ اسلاف امت بھی کرتے؟

یہ غلط فہمی تاریخ سے بے تعلقی کی وجہ سے ہے ہندوستان کے اکثر صوفیاءواسلاف امت نے اپنے دور میں اپنے طور پر دعوتِ اسلام کا کام کیا ہے، مثلاً اجمیر اور پشکر جی کے گڈھ میں فاتح ہندوستان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی فتوحات، چھتر پور کے تیرتھ کے پاس مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی محنت ، ہریدوار اور رشی کیش میں کی بنیادوں میں کلیر شریف کے مقام پر حضرت علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں، تاریخ میں رقم ہیں، بالفرض اگر کوئی نہ بھی کیا ہوتو کسی شخصیت کی اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے دعوتِ دین کے حق کی ادائیگی نہیں ہو پائی تو بھی ان کی عظمت و بزرگی کے اعتراف کے باوجود ان کو معذور سمجھیں گے، مگر ان کا یہ عمل قابلِ تقلید و حجت نہیں ہوگا، سند و حجت تو نصوصِ شرعیہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جاںنثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مشعلِ راہ ہے۔

گیارہویں غلط فہمی

موجودہ ہندوستان میں دعوت کے لیے جیسے وسائل ہونے چاہئے وہ وسائل حاصل نہیں ہیں، اس لیے دعوتِ اسلام کا کام قدرے مشکل ہے، جبکہ یہ محض ایک وہم ہے، وسائل کبھی مقصود نہیں ہوتے ہیں، رسی نہ ملے تو پانی کسی اور طریقہ سے پیا جائے گا، سواری نہ ملے تو مسافر پیدل ہی چل دے گا، اگر دعوت کی ''شیریں'' سے کسی دعوتی کام کرنے والے ''فرہاد'' کو عشق ہوجائے تو دودھ کی نہر کھودنا مزے کی مصروفیت بن جائے گی ، ہر تجربہ کا رمقبول داعی کی سوانح سے واضح ہوتا ہے کہ جو مسائل (مشکلات) تھے وہی وسائل بن گئے ، ناممکن بھی ممکن بن گیا، نبوت مانگ کر نہیں لی جاتی ، مگر محنت دعوت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے لیے نبوت مانگ لی اور دیدی گئی ۔(۱)

(۱)　دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں:۳۹

بارہویں غلط فہمی

تعصب پسند سماج میں دعوتِ اسلام کا کام کریں گے تو خود کا جینا مشکل ہو جائے گا، سی آئی ڈی لگادی جائے گی، اسلام دشمن طاقتیں نشانہ پر رکھیں گی، اس خوف کی وجہ سے ازخود کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والوں کو کلمہ پڑھوانے سے بھی گریز کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک مسلمان لڑکی غیر مسلم لڑکے کے قبولِ اسلام کے بعد نکاح کے لیے مختلف دینی شخصیات، مساجد کے کئی روز دورے کرنے کے بعد بھی انہیں مسلمان ماننے نکاح کروانے کے لیے تیار نہ ہوا تو بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے معاشرہ سے مایوسی ہو چکی چلو ہندو ہو جاتے ہیں، پھیرے لگا لیتے ہیں، مجبوراً ایک مندر کے پجاری نے لڑکی کی شدھی کر کے ان کے پھیرے لگوادئے، جبکہ دعوتِ اسلام میں اللہ نے حفاظت رکھی ہے۔(۱)

"يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "(۲)

اس لیے اس قسم کے خوف سے خالی ہو کر کام کرتے رہنا چاہیے، احتیاطی اور قانونی تحفظ کی تدابیر کی رعایت کے ساتھ محنت ہو مقدر کا طے شدہ ٹلنے والا نہیں ہے، خدائی مدد ضرور شامل ہو گی۔

تیرھویں غلط فہمی

اخلاص کے نام پر اخفا میں حد درجہ غلو بھی دعوت کے کام میں رکاوٹ ہے، جس میں غیر اللہ کا خوف پوشیدہ ہے، کوئی ہماری جان کا دشمن نہ بن جائے، جبکہ کارِ دعوت پوری انسانیت کے لیے مطلوب واشاعتی کام ہے، اس میں حوصلہ، قربانی، آخری درجہ کی پریشانیاں جھیلنے کے لیے تیار رہنا ہے اس راہ کے مصائب ہی راہِ عزیمت کے وہ تحفے ہیں جن کی وجہ سے ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کو فخر سے ذکر کرتے ہیں، اس راہ میں

---

(۱)　دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۴۰

(۲)　سورۃ المائدۃ۔ آیت: ۶۷

بے خوف ذات حفیظ پر بھروسہ کر کے قدم رکھنا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ (۱)

رہی بات اخلاص کی تو وہ ایک امرِ باطن ہے جہاں کسی کو دکھانے کے لیے عمل کرنا ریا ہے وہیں کوئی دیکھ نہ لے اس غرض سے عمل کا ترک بھی ریا ہے، ریا ایجابی وسلبی دونوں پہلوؤں میں پایا جاتا ہے، اس اخفا کی وجہ سے آج تک برادرانِ وطن کو یہ باور نہیں کرایا جاسکا کہ یہ پوری انسانیت کی نجات وفلاح کے لیے ان کے مالک کا آخری وابدی قانون ہے، مزید برآں جن مذاہب میں دعوت کی کوئی گنجائش نہیں وہ اسلام کی دعوتی مزاج کو اپنا کر دعوتی شناخت منوار ہے ہیں، اور ہم خوف کو اخلاص کا نام دے رہیں۔

اس راہ میں ریا بھی اخلاص ہی ہے، کوئی شخص اپنے اخلاق وتعلقات، معاملات ومعاشرت اسلامی طرز پر اپناتا ہے تاکہ برادرِ وطن متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے، اس کو ریا کہا جائے گا یا یہ بھی دعوت کا حصہ ہی ہے؟ دعوت کی راہ میں اس خوف کی وجہ خود سے کلمہ پڑھنے کے لیے آنے والے کو نہ پڑھوانا کفر پر راضی رہنا ہے، جتنی دیر وہ کفر پر باقی رہا اتنی دیر ہم کفر پر راضی رہے، تبرکاً کسی بزرگ سے پڑھوانے کے لیے بھی تاخیر کی گنجائش نہیں کیا پتہ کہ اس سے قبل اس کی موت واقع ہو جائے۔

چودھویں غلطی

دعوتِ دین میں صرف عقلی دلائل، مادی نفع اور اسلامی کو سائنٹفک ہی ظاہر کرنا اور حشر ونشر، سزا وجزاء کے پہلو کو پیش کرنے میں سمجھنا کہ سائنس کے ترقی یافتہ دور میں ایسی باتیں کون سنے گا، یہ خیال غلط ہے، جبکہ اسلام دینِ فطرت، اور انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کے آگے جھکے جو عقل میں نہ آتی ہو، اسی لیے انسان ہر اس شعبدہ سے مرعوب ہو جاتا ہے جو اس کی عقل میں نہ آئے، اسلام کا حقیقی چین اس وقت

(۱) سورۂ احزاب: ۳۹

تک حاصل نہ ہوگا جب تک توحید سے جڑے ہوئے عقیدۂ آخرت پر بھی اس کو یقین نہ آئے، عقلی دلائل، (scientific) انداز انسان کو قائل تو کرسکتا ہے مگر مائل نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے مذہب کو برا سمجھ کر نئے مذہب کو سینہ میں جگہ دینے کے لیے تیار ہوجائے۔

سچ تو یہ ہے کہ آخرت کا حقیقی تصور داعی کے دل میں پیدا ہوجائے تو دعوت کا انداز بھی موثر ہوگا، چونکہ مخاطب کو ہمیشہ کی جہنم سے بچانا ہے، اور یہی عقیدۂ آخرت کا تصور سابق مذہب کے پورے خاندانی، معاشرتی، معیشتی تکالیف کو برداشت کر لینے پر آمادہ کرتا ہے، ورنہ مادی وسائل کی کثرت یا عقلی دلائل کا جواب ہضم نہ ہوتو مرتد ہونے سے آخرت کے تصور کے علاوہ کون تھام سکے گا۔

مولانا عاشق الٰہی بلندشہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' کی تصنیف کے وقت پر برادرانِ وطن میں دعوت کا تصور بھی نہیں رہا ہوگا، اس کتاب کے ہندی ایڈیشن میں صرف رسم الخط بدلا گیا ہے، جس سے غیر مسلم بھائیوں کو پوری طرح سمجھ میں آنا بھی مشکل ہے، مگر سینکڑوں کی تعداد میں ایسے غیر مسلم ہیں جو صرف اس کتاب کے ہندی ایڈیشن کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

دس ہزار لوگ عقلی دلائل سے اسلام قبول کریں اور ایک بندہ عقیدۂ آخرت کے تصور سے اسلام قبول کرے تو اس ایک کا اسلام پر باقی رہنا زیادہ آسان ہے، ان سب کے مقابلہ میں، کچھ تو بات ہے کہ مکی زندگی اکثر آیات حشر ونشر، عقیدۂ آخرت، بعث بعد الموت پر مشتمل ہیں۔

پندرہویں غلط فہمی

عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ حق کی دعوت پر باطل مقابلہ میں آنا ضروری ہے، مخالفین پیدا ہونا یقینی ہے، بعض خواص کا بھی یہی خیال ہے، بعض اوقات دعوتی کام کی حسرت دل میں ہونے کے باوجود اسی خیال سے کہ ''کیوں مصیبت مول لیں'' خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی زندگی، اور تاریخ ہر دور کے داعی کی

سوانح سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے یا ماننے والوں کی تعداد؟ پوری مدنی زندگی میں مخالفین کتنے رہے؟ جتنے بادشاہوں کو خط لکھا گیا کتنے مخالفت کرنے پر تلے؟ ہر دور میں مخالفت کرنے والے کتنے رہے؟ تاتاریوں کے اسلام قبول کرنے سے کونسی مخالفتیں ہوئیں؟ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین زیادہ ہیں یا متبعین؟ ہاں ! داعی کو ہر مصیبت جھیلنے اور ہر مخالف کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا ضروری ہے مگر مخالفت ہونا ضروری نہیں، انبیاء کے جہاں مخالف پیدا ہوئے وہاں کتنے انبیاء ہیں جنہوں نے بنا کسی مخالفت کے اپنا فریضہ انجام دیا، یہ سچ ہے کہ اگر ہر جگہ آسانیاں ہوں تو زندگی دشوار ہو جائے مگر یہ بھی سچ ہے کہ دعوت کے راہِ وفا میں ہر دشمن دوست بن جاتا ہے۔

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ (۱)

عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سورۂ عبس کے ابتدائی دس آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ قریش کے سرداروں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب، اُبی بن خلف اور اُمیہ بن خلف کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اسی دوران حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے جو کہ نابینا تھے اور اُنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار آواز دے کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے وہ مجھے تعلیم فرمائیے، حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ نے یہ نہ سمجھا کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں سے گفتگو فرما رہے ہیں اور میرے پکارنے سے قطعِ کلامی ہوگی۔ یہ بات حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گراں گزری اور ناگواری کے آثار چہرۂ اَقدس پر نمایاں ہوئے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اس آیت اور اس کے بعد والی ۹ آیات میں فرمایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر اپنے ماتھے پر شکن چڑھائی اور منہ پھیرا کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اے

---

(۱) حم سجدہ: ۳۴

پیارے حبیب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ آپ کا ارشاد سن کر پاکیزہ ہوجائے یا آپ کے کلام سے نصیحت حاصل کرے تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔ جبکہ دوسرا وہ شخص جو اپنے مال کے تکبر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اور ایمان لانے سے بے پروا ہوا تو آپ اس کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس کے ایمان لانے کی امید میں اس پر کوشش کرتے ہیں (تاکہ دینِ اسلام کی قوت میں اضافہ ہو اور ان کے پیچھے چلنے والے اور لوگ بھی ایمان لے آئیں) حالانکہ آپ پر اس بات کا کوئی اِلزام نہیں کہ وہ کافر ایمان لاکر اور ہدایت پاکر پاکیزہ نہ ہو کیونکہ آپ کے ذمہ دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور وہ ابنِ اُمِّ مکتوم، جو بھلائی کی طلب میں تمہارے حضور ناز سے دوڑتا ہوا آیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو آپ اسے چھوڑ کر دوسری طرف مشغول ہوتے ہیں، ایسا کرنا آپ کی شان کے لائق ہرگز نہیں۔(۱)

تفسیری فوائد

① یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو طرح کے لوگ تھے، ایک مالدار کفار جن کے اسلام لانے سے خود اُن کفار کو اور اسلام و مسلمانوں کو فائدہ تھا جبکہ دوسری طرف نابینا مسلمان صحابی تھا، دونوں کے اعتبار سے یہاں تین پہلو تھے:

پہلا یہ کہ مالدار کفار، خصوصاً سردار ہر وقت تبلیغ کے لئے مُیَسَّر نہیں ہوتے تھے اور اُس خاص وقت کے علاوہ دوسرے وقت ان کا ایمان کی بات سننے کے لیے آنا یقینی نہیں تھا جبکہ صحابی ہر وقت حاضر رہتے اور اُس خاص وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں ان کا آنا یقینی تھا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ کفار سے بات اِیمانیات کے متعلق ہو رہی تھی جبکہ صحابی سے

---

(۱) خازن، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ۴ / ۳۵۳، مدارک، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ص ۱۳۲۱، جلالین، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ص ۴۹۰، ملخصاً

بات ایمان کی تکمیل یا عمل کے متعلق ہوئی تھی اور ایمان کا معاملہ اس کی تکمیل اور اعمال سے زیادہ اہم ہے۔

تیسرا پہلو یہ تھا کہ کفار کا ایمان لانا یقینی نہیں تھا جبکہ صحابی کا آپ ﷺ کے فرمان پر عمل نسبتاً یقینی تھا، ان تینوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب آیت اور اس واقعے کا مفہوم سمجھیں کہ پہلے دو پہلوؤں کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے بات کرنے کو ترجیح دی جائے جبکہ تیسرے پہلو کا تقاضا تھا کہ صحابی سے بات کرنے کو ترجیح دی جائے، نبی کریم ﷺ نے پہلے دو پہلوؤں کو کثرتِ فوائد کے پیشِ نظر اپنے اجتہاد سے ترجیح دی جبکہ حکمِ الٰہی میں بتا دیا گیا کہ تیسرا پہلو جو یقینی تھا اسے پہلے والے دو غیر یقینی پہلوؤں پر ترجیح دی جانی چاہیے تھی چنانچہ اسی کے حوالے سے آپ ﷺ کی تربیت فرما دی گئی اور آپ ﷺ کو آپ کی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونے والی شان کے مطابق انداز اپنانے کا بھی فرما دیا گیا کہ اس طرح کے معاملات میں چہرے پر تیوری نہ چڑھائی جائے۔

(۲) **اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى**: اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو نابینا فرما کر ان کی تحقیر نہیں کی گئی بلکہ اس میں ان کی معذوری کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے قطعِ کلامی بینائی نہ ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی اور اس وجہ سے وہ مزید نرمی کئے جانے کے مستحق تھے۔

(۳) حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ”بعض حضرات کو اس سے غلط فہمی ہوئی کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے مقدم مسلمانوں کی تربیت ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے، اور نہ یہ اس واقعہ کا منشا ہے، اس واقعہ کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کسی شخص کو اس کی معذوری کی وجہ سے کمتر نہ سمجھنا چاہئے اور دنیوی وجاہت کو جذبہ ایمانی پر ترجیح نہ دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی ترتیب قائم نہیں فرمائی کہ مسلمانوں کی تربیت ہو،

پھر غیر مسلموں کو دعوت دی جائے، بلکہ آپ ﷺ نے ساتھ ساتھ دونوں کاموں کو انجام دیا ہے، ایک ہی وقت میں آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرماتے، ان کو دین سکھانے کا اہتمام بھی کرتے، اور غیر مسلم قبائل پر اسلام کی دعوت بھی پیش کرتے، ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجتے یا ان کو دعوتی خطوط تحریر کرتے، کیوں کہ نبی پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوتا ہے، نہ کہ صرف ایمان والوں کی طرف (۱) نیز امت کو بھی اللہ تعالی نے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری امت کے لئے پیدا فرمایا ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (۲) بلکہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام بعض جہت سے زیادہ اہم ہے، کیوں کہ مسلمانوں کو دین کی تعلیم، دوزخ کی عارضی سزا سے بچانے یا ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ میں توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے، جب کہ غیر مسلموں کو دعوت ابدی عذاب سے بچانے کے لئے ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں انبیاء کے جو خطبات ذکر کئے گئے ہیں، زیادہ تر ان میں خطاب کافروں سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کام ضروری ہیں اور اس میں کوئی ایسی ترتیب نہیں کہ جب تک ایک کام نہ ہو جائے دوسرا کام نہ کیا جائے۔ (۳)

④ اگر اس آیت میں مسلمانوں کی تربیت کو کفار کے ایمان پر مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے

---

(۱) جب دعوت وتبلیغ نبیوں والی محنت ہے، نبی بیک وقت ساری امت کے لئے ہے تو دعوت بھی ساری امت کے لیے ہوگی، جس طرح نبی کی نبوت پہلے مسلمانوں کے لیے پھر غیر مسلموں کے لیے نہیں ہے بلکہ سب کے لیے آن واحد میں ہے تو نبوی محنتیں بھی آن واحد میں جاری رہیں گی، مسلمانوں کی تربیت اور غیر میں دعوت دونوں بیک وقت جاری رہیں گی۔

(۲) آل عمران: ۱۱۰

(۳) آسان تفسیر قرآن مجید، سورہ عبس: ۸۴۸

تو آیت نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل میں تبدیلی آئی؟ کفار میں دعوت کو ثانوی درجہ میں رکھا، یا اس تحریک میں برابر زور پیدا ہوتا رہا؟ اور تا وفات کفار کے پاس لشکر اسلام جاتا رہا؟ اگر اس آیت کا مطلب یہی لیا جائے تو جس ذاتِ مقدس پر آیت نازل ہوئی ان کی عملی تفسیر کا پیغام کیا ہے؟ (۱)

⑤ جب کفار کے غم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تڑپنا دیکھا گیا تو آیت **فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ**" (۲) اور آیت **لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ** (۳) نازل ہوئی جس سے یہ سمجھا جائے کہ اب غیر مسلموں میں کام کی فکر زیادہ کرنے سے منع کر دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جیسی آیات کے نزول کے بعد اپنا غم وفکر کم کر دیا یا برابر فکر تا وفات جاری رہا؟ کوئی ایمان والا نہیں کہہ سکتا کہ آخری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے ایمان سے متعلق اپنی فکر اور محنت کم کر دی تھی، اگر آیت کا یہی مطلب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اس مطلب وحکم کے خلاف کیونکر ہوسکتا ہے؟ درحقیقت ان آیات میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوتی درد، پوری انسانیت خیر خواہی کے تڑپ پر تسلی ہے وہیں امت کو حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا غم وفکر کفار کے ایمان سے متعلق پیدا ہونا چاہئے، کفار کے ایمان کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ وتڑپ تمھیں اپنانا چاہئے۔ (۴)

❁❁❁❁❁❁

---

(۱) دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۲۳

(۲) سورہ فاطر: ۸

(۳) سورہ الشعراء: ۳

(۴) دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۲۵

مرتد طبقہ میں دعوتِ دین

مسلمانوں میں تصویر کے دو رخ

اس وقت پورے عالم میں اسلامی بیداری کی لہر پائی جاتی ہے، آئے دن مساجد میں اضافہ ہورہا ہے، مدارس کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے، نئی نئی دینی تحریکات قائم ہورہی ہیں، جگہ جگہ اسلامی مراکز کی بنیاد پڑ رہی ہے، اسلامی طرز کی زندگی عام ہورہی ہے، مختلف اسلامی موضوعات پر عالمی سطح پر سمینار منعقد ہورہے ہیں، لوگوں میں اسلام کی طرف رجوع بڑھتا جارہا ہے، مسلمانوں میں دینی شعور پیدا ہوتا جارہا ہے، نوجوانوں اور بچوں میں اسلامی وضع قطع کا اہتمام ہورہا ہے، اسلام کے لئے دل کھول کر دولت صرف کی جارہی ہے، غیر مسلموں میں اسلام سے دلچسپی پیدا ہورہی ہے، مختلف یورپی ملکوں میں قبولِ اسلام کی شرح میں غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے، ہر سال سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔

یہ وہ صورتِ حال ہے جسے جان کر ہر مسلمان خوشی سے جھوم اٹھتا ہے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، تصویر کا دوسرا رخ ارتداد کا وہ سیلاب ہے جو امتِ مسلمہ کے دین وایمان کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے جہاں تک تہذیبی ارتداد کی بات ہے تو یہ بہت عام ہے، مغربی تہذیب کی یلغار نے امت کے ایک بڑے طبقہ کو تہذیبی ارتداد کے قریب پہنچادیا ہے۔

ارتدادی سرگرمیوں کے تین محور

لیکن حقیقی ارتداد کی صورتِ حال بھی کچھ کم تشویشناک نہیں ہے، عالمی سطح پر ارتداد کی کاوشیں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ ہورہی ہیں، جنھیں مغرب کی مکمل سرپرستی حاصل ہے، براعظم افریقہ کے بیشتر ممالک عیسائیت کے نرغے میں ہیں، جہاں عیسائی مشنریاں منظم انداز میں عیسائیت کی تبلیغ کررہی ہیں، ان کے علاوہ ہندوستانی پس منظر میں فرقہ پرست ہندو تنظیمیں بھی پوری طرح سرگرم ہیں، اسی طرح دنیا کے مختلف ملکوں بالخصوص برصغیر ہندو پاک میں قادیانیت کا بھی کافی زور ہے، اس طرح ہندوستان میں ارتدادی سرگرمیوں کے یہ تین محور ہیں:

① ہندو تنظیمیں ② عیسائی مشنریاں ③ قادیانی حضرات

ہندو تنظیم کی کاوشیں

ہندو تنظیموں میں وشوا ہندو پریشد اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے شدھی کے مقاصد پر کاربند ہے، آریہ سماج کے شدھی کرن کے منصوبہ کو وہ پھر سے زندہ کررہی ہے، ہندو پریشد کو آر ایس ایس کا مکمل تعاون حاصل ہے، میناکشی پورم کے قبولِ اسلام کے واقعہ نے ہندو پریشد میں زبردست تحریک پیدا کردی، چنانچہ ۱۹۸۱ء سے لے کر ۱۹۹۵ء اور اب تک وشوا ہندو پریشد نے اس معاملہ میں کافی سرگرمی دکھائی ہے، ایک اندازہ کے مطابق وشوا ہندو پریشد نے مسلمانوں، بودھوں اور عیسائیوں کو ہندومت میں داخل کرنے کے لئے ۱۰ / ہزار مبلغین کو پھیلا رکھا ہے، اسی طرح آر ایس ایس اور اس کی مختلف ذیلی تنظیمیں بھی ارتداد کے سلسلہ میں سرگرم ہیں، ہندو تنظیموں کے کام کا انحصار زیادہ تر دھمکیوں اور سماجی بائیکاٹ پر ہوتا ہے۔

عیسائی مشنری اور ان کے کام کے تین محاذ

ارتداد کا دوسرا محاذ عیسائی مشنریاں ہیں، عیسائی مشنریاں ویسے عالمی سطح پر سرگرم ہیں، ان کا میدان وہ غریب مسلم ممالک ہیں جہاں کا ایک طبقہ خطِ افلاس کے نیچے زندگی

گذارتا ہے، ہندوستان میں بھی عیسائی مشنریاں کافی سرگرم ہیں، یہاں کا دلت طبقہ عیسائیت سے کافی متأثر ہے، کیرالا، کرناٹک، آندھرا پردیش کی ریاستیں عیسائیت کا خاص میدان ہیں، اسی طرح دیہاتوں کے کمزور مسلمان عیسائیت کے چنگل میں آرہے ہیں، چھوٹے چھوٹے قریوں اور قصبوں میں آئے دن چرچوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے، عیسائی مشنریوں کا کام تین محاذوں سے انجام پاتا ہے:

① تعلیم ② علاج ومعالجہ ③ ریلیف

ملک میں مشنری اسکول کا جال پھیلا ہوا ہے، جو اپنے خاص تعلیمی معیار کے لئے سارے ملک میں شہرت رکھتے ہیں، ان اسکولوں میں ہر مذہب کے لوگ خطیر رقم دے کر اپنے بچوں کو شریک کراتے ہیں، تعلیم کے ساتھ غیر محسوس طریقہ سے ان بچوں کو عیسائی عقائد سے قریب کیا جاتا ہے اور مغربی تہذیب سے دلدادگی پیدا کی جاتی ہے، ان اسکولوں میں مسلمانوں کا انتہائی ذہین اور متمول طبقہ تعلیم حاصل کرتا ہے، دیہاتوں میں سادہ لوح دیہاتیوں سے تعلیم کے عنوان سے ان بچوں کو حاصل کیا جاتا ہے اور انھیں قیام وطعام اور معالجہ کی تمام سہولتوں کے ساتھ عیسائی ہاسٹلوں میں رکھا جاتا ہے اور دھیرے دھیرے ان کی ذہن سازی کی جانے لگتی ہے۔

عیسائیوں کا اہم ترین حربہ علاج ومعالجہ ہے، جگہ جگہ پر مشنریوں کے ہاسپٹلس قائم ہیں، جہاں علاج کا معقول انتظام ہوتا ہے، مریضوں کیساتھ انتہائی ہمدردی کا معاملہ کیا جاتا ہے، نتیجتاً دورانِ علاج مریض ان معالجوں سے بے حد متاثر ہوتا ہے، یہیں سے تبدیلئ مذہب کی راہیں ہموار ہونے لگتی ہیں، فسادات کے موقع پر مشنریوں کی سرگرمیوں میں کافی تیزی آجاتی ہے، سینکڑوں یتیم بچوں کو کفالت کے عنوان سے مشنریاں حاصل کرلیتی ہیں، پھر انہیں عیسائیت کے سانچہ میں ڈھالا جاتا ہے، اسی طرح غربت سے دوچار خاندانوں کو ریلیف کے ذریعہ رام (قابو میں) کرلیا جاتا ہے اور کاروبار اور معاشی مدد کے ذریعہ عیسائیت کے دام میں پھانسا جاتا ہے۔

قادیانیت کی دیہی کاوشیں

ارتداد کا تیسرا محاذ قادیانیت ہے، یہ اس لحاظ سے نازک ہے کہ قادیانی خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے عام مسلمان آسانی سے ان کے چنگل میں آجاتے ہیں، قادیانی مارِ آستین ہیں، ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی دیہی آبادی میں قادیانیت کی زبردست سرگرمیاں جاری ہیں، قادیانیوں کا میدانِ کار ایسے دیہات ہوتے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہوتی ہے اور جو دینی علوم سے نابلد اور شہری مسلمانوں سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں، چنانچہ ایسے سینکڑوں دیہات ہیں جو قادیانیت سے شدید متاثر ہیں، قادیانیوں کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ دیہات کے انتہائی پسماندہ مسلمانوں کو معاشی لالچ دیا جاتا ہے، نیز وہاں دینی تعلیم کا نظم کیا جاتا ہے، مسجد نہ ہو تو مسجد بنائی جاتی ہے، بغیر تنخواہ امام مقرر کیا جاتا ہے، ابتداء میں ساری چیزیں اسلام کے مطابق بتائی اور سکھائی جاتی ہیں، پھر قادیانی عقائد کو اس مضبوطی سے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ لوگ انہی کو اصل اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں، نیز صحیح العقیدہ مسلمانوں کے بارے میں انہیں حد درجہ بدگمان کر دیا جاتا ہے، جب علماء ان دیہاتوں کا رُخ کرتے ہیں تو انھیں باہر ہی سے رخصت کر دیا جاتا ہے، بسا اوقات تشدد تک کی نوبت آجاتی ہے۔

پس چہ باید کرد؟

اس وقت ارتداد کے سدِ باب کے لئے چند فوری اقدامات ناگزیر ہیں جن کی طرف ذیل کی سطروں میں اشارہ کیا جارہا ہے:

① اصلاحی کوششوں میں تیزی پیدا کی جائے، اور ایک منصوبہ بند پروگرام کے تحت سارے دیہاتوں اور ارتداد زدہ علاقوں کا سروے کر کے ان میں اصلاحی کام کیا جائے، اس وقت مختلف تحریکوں کے ذریعہ اُمت میں اصلاحی کام ہو رہا ہے، بالخصوص تحریک دعوت وتبلیغ کی اس میدان میں نمایاں خدمات ہیں، لیکن اکثر اصلاح کا دائرہ شہروں تک محدود رہتا ہے، یا پھر دیہاتوں میں غیر منظم انداز

پر کام ہو رہا ہے، جس سے بہت سے دیہات نظر انداز ہو رہے ہیں، اس کے لئے ہر تعلقہ کے تحت آنے والے دیہاتوں کی ایک لسٹ بنائی جائے، پھر تعلقہ کو ہیڈ کوارٹر بنا کر ان دیہاتوں کا احاطہ اس طور پر کیا جائے کہ وقفہ وقفہ سے وہاں اصلاحی وفود اور علماء پہنچتے رہیں۔

۲) جن قریوں میں اصلاحی کام کسی حد تک قابو میں آجائے ان قریوں کے مقامی لوگوں کو داعی بنایا جائے، اس طور پر کہ وہ خود اس کام کو سنبھال لیں، اس کے لئے دعوت وتبلیغ کا نہج موزوں معلوم ہوتا ہے، جس کے تحت ہر ہفتہ گشت اور پروگرام ہو اور لوگ مستقل وقت نکالتے رہیں، مقامی افراد جب تک کھڑے نہ ہوں گے دیرپا اصلاحی عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

۳) علماء کی ایک بڑی تعداد تعلقوں اور دیہاتوں سے تعلق رکھتی ہے، لیکن عموماً فراغت کے بعد وہ شہروں کا رخ کر لیتے ہیں، مقامی علماء کو اپنے دیہاتوں میں رہ کر کام کرنے کی ترغیب دی جائے، اس سلسلہ میں ان کے معاشی مسائل کا حل نکالا جائے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے علاقہ میں مصروف کار رہیں۔

۴) ارتداد کے مقابلہ کے لئے مالی وسائل کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں، بہت سے دیہاتوں میں مساجد ہی نہیں پائی جاتیں اور بعض ایسے دیہات بھی ہیں جہاں قادیانیوں کی تعمیر کردہ مساجد ہیں اور انہی کا امام بلا تنخواہ امامت اور بچوں کو تعلیم دیتا ہے، ظاہر ہے کہ مساجد کی تعمیر یا ائمہ کی فراہمی کے لئے مالیہ کی سخت ضرورت ہوگی، آج امت مختلف لایعنی کاموں میں لاکھوں روپئے صرف کرتی ہے، اگر اس کے سرمایہ کا کچھ حصہ فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لئے صرف ہو تو کتنا عظیم کام انجام دیا جاسکتا ہے، دیہاتوں میں باصلاحیت علماء کا تقرر وقت کا اولین تقاضہ ہے، مختلف دینی تحریکوں میں سے کوئی تحریک اس کو اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کر کے ائمہ کی فراہمی پر توجہ دے۔

⑤ ان اضلاع اور دیہاتوں کی ایک لسٹ بنائی جائے جو ارتداد سے شدید متاثر ہیں یا جہاں قادیانی یا عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں، تاکہ فوری طور پر وہاں کام کا آغاز کیا جاسکے، اس وقت ہماری تحریکوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کے پاس ارتداد سے متعلق ٹھوس معلومات نہیں ہیں، سارے ملک کا سروے کر کے ایک جامع رپورٹ تیار کرنا انتہائی ضروری ہے، جب تک صورتِ حال کی نزاکت کا علم نہ ہوگا کام کی فکر پیدا نہیں ہوسکتی، کل ہند سطح کی دینی جماعتوں کی یہ ذمہ داری ہے۔

⑥ ارتداد پر توجہ دینے والی مختلف تحریکوں کے درمیان باہمی رابطہ بھی ضروری ہے، تاکہ کوششوں کو منظم کیا جاسکے اور ہر ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کر سکے، اس وقت ارتداد کے انسداد کے لئے کوششیں تو ہو رہی ہیں، لیکن ان میں تنظیم اور منصوبہ بندی کی کمی ہے، جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج نہیں نکل رہے ہیں۔

⑦ بہت سے دیہات ایسے ہیں جہاں دو چار مسلم گھرانے آباد ہیں، بقیہ پوری آبادی غیر مسلموں پر مشتمل ہے، عموماً ایسے دو چار مسلم خاندان غیر مسلموں میں ضم ہوجاتے ہیں، ایسے خاندان نام کے مسلمان ہوتے ہیں، سارے طور وطریقے غیر مسلموں کے اپنائے ہوتے ہیں، ایک عرصہ گذرنے کے بعد یہ لوگ اپنے آپ مرتد ہوجاتے ہیں، ان خاندانوں کے ایمان واسلام کی بقا کے لئے خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح کے دیہاتوں میں اصلاحی کام کے آغاز کے ساتھ مساجد کی تعمیر بھی ضروری ہے۔

انھیں بتلایا جائے کہ مسلم اقلیتی علاقوں میں رہنے کی اجازت جب ہی ہے جبکہ اپنی تہذیب وعقیدہ کی حفاظت ہوسکے، شریعت میں مستقل عنوان ہے کہ ایسے ملک کی شہریت یا ایسے علاقہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے جہاں آئندہ آنے والی نسل کا ایمان خطرہ میں ہو، کوئی عالم نہیں، کوئی مسجد و مدرسہ نہیں، کوئی دینی مزاج والا

اسکول نہیں ، برقعہ والیاں نظر نہیں آتی ڈاڑھی ٹوپی والے دور دور تک نہیں بلکہ ہندوں کے تہوار اور ان کی مندروں کی کثرت، بھجن کی آواز ہماری نسل کو ضرور متأثر کرے گی، ایسی جگہ پر رہنا ہرگز درست نہیں، ایسی جگہ منتقل ہوجائے جہاں دین وایمان کی حفاظت ہوسکتی ہو۔ (ہماری کتاب ''مسنون معاشرت'' دیکھئے) دس پندرہ مکانات کے لئے مسجد بنانا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اگر آبادی مستقل ہوجائے تو مصلی یا جماعت گاہ بنالی جائے جہاں باجماعت نماز اذان کے ساتھ ہوتی ہے، بہر حال چونکہ مسجد ایک مرتبہ جب بن جاتی ہے تو قیامت تک مسجد رہتی ہے، اُسے نہ بدلا جاسکتا ہے نہ بیچا جاسکتا ہے، اس لیے مسجد بنانے میں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔

⑧ بعض علاقوں میں مسلمان اردو زبان سے بالکل نابلد ہوتے ہیں، علاقائی زبان ہی ان کی افہام وتفہیم کی زبان ہوتی ہے، ایسے علاقوں میں اسلامی مبادیات پر مشتمل کتابوں کو علاقائی زبان میں شائع کرنا ضروری ہے، تاکہ اسلام کے بارے میں انہیں بنیادی معلومات حاصل ہوسکیں، مختلف علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی ارتداد کے انسداد کا ایک اہم حصہ ہے۔

مرتد مسلمانوں میں دعوت کا طریقۂ کار

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ ہندوستان میں تین راستوں سے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے، عیسائیت، قادیانیت اور ہندومت، اسلام سے پھر کر ان مختلف مذاہب کو اپنانے والے مرتدوں میں دعوت کا طریقۂ کار مختلف ہوگا، اس لئے کہ دعوت کے دوران مدعو کے پس منظر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، مذکورہ بالا تینوں مذاہب کے الگ الگ پس منظر ہیں، جن سے ان مذاہب کے اختیار کرنے والوں کی ذہنی تشکیل ہوتی ہے، تاہم مخاطب کے لحاظ سے دعوتی طریقۂ کار کی نزاکتوں کی اہمیت دعوت کے علمی اسلوب میں درکار ہوتی ہے، موجودہ عام مرتد طبقہ جہالت کی بناء پر اسلام سے پھرتا ہے، جن کو نہ

اسلام کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی نئے اختیار کردہ مذہب کا، ایسے طبقہ میں علمی اسلوب کارگر نہیں ہوتا، عام واعظانہ گفتگو مناسب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتد مسلمانوں میں بہت کم مناظرہ یا استدلالی طرزِ گفتگو کی ضرورت پڑتی ہے، تاہم داعی کو قبل از وقت علمی طور پر تیار رہنا ضروری ہے، یہاں مختلف قسم کے ارتداد سے متاثر افراد میں کام کرنے کے لئے چند اشارات دیئے جارہے ہیں۔

قادیانیت سے متاثرہ علاقوں میں کام کرنے کے لئے درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

① علماء کی جماعت ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے، اس لئے علماء کو باقاعدہ تربیت دی جائے، اس کے لئے ملک کے مرکزی دینی اداروں میں شعبۂ قادیانیت کے تحت مستقل تربیتی نظام قائم کیا جائے۔

② ہر تعلقہ میں علماء کی زیر نگرانی ''مجلس تحفظِ ختم نبوت'' کی تشکیل دی جائے، جس کے تحت اس تعلقہ کے سارے دیہاتوں کا احاطہ کیا جائے، نیز مجلس کا ماہانہ کارکردگی اجلاس منعقد کیا جائے، جس میں ہر مہینہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔

③ قادیانیت سے متاثرہ مسلمانوں میں حکمت اور ہمدردی کے ساتھ اس بات پر خوب زور دیا جائے کہ قادیانی اسلام سے خارج ہیں اور قادیانیت اسلام کے بالمقابل ایک متوازی دین ہے۔

④ ختم نبوت کے سلسلہ میں پھیلائے گئے قادیانی وسوسوں اور غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کا پول کھولا جائے۔

⑤ مناظرہ سے حتی الامکان گریز کیا جائے، نیز حالات میں کسی طرح کا تناؤ پیدا ہونے نہ دیا جائے، مناظرہ ناگزیر ہوجائے تو قادیانیت پر کامل عبور اور مناظرہ کا تجربہ رکھنے والے علماء کی نگرانی میں مناظرہ کیا جائے۔

⑥ قادیانیت سے متاثر عام دیہاتی مسلمانوں میں دعوت دیتے ہوئے علمی موشگافیوں سے مکمل اجتناب کیا جائے، بلکہ ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے سادہ انداز سے گفتگو اپنایا جائے۔

⑦ کام کی منصوبہ بندی اور دعوت کی حکمت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اس انداز سے کام کیا جائے کہ ماحول، حالت اور پس منظر کی پوری رعایت ہو۔

ہندومت سے متاثر افراد میں کام کرنے کے لئے درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:

① جن مسلمان نے ہندومت یا سکھ مت قبول کیا ہے انہیں ان مذاہب کے ماننے والوں نے پورے طور پر قبول نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ بعض ہندو مذہبی قائدین نے ہندومت اختیار کرنے والے مرتد مسلمانوں کے لئے نئی مندروں کی تعمیر کی تجویز رکھی ہے، تاکہ انہیں عام مندروں میں داخل ہونے سے روکا جاسکے، اسی طرح ان مرتد مسلمانوں سے شادی بیاہ بھی نہیں کی جاتی، جس کا احساس خود ان مرتد مسلمانوں کو بھی ہے، دعوت کے دوران اس صورت حال کا پورا فائدہ اٹھایا جائے، اور ان سے کہا جائے کہ اگر وہ پھر سے اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک برتا نہ جائے گا بلکہ ان کی عام قدیم مسلمانوں جیسی حیثیت ہوگی۔

② عصری تعلیم کے ابتدائی اسکول قائم کئے جائیں اور ان اسکولوں میں مرتد لوگوں کے بچوں کی ذہن سازی کی جائے اور بچوں کے ذریعہ ان کے والدین سے ربط کیا جائے اور انہیں سمجھایا جائے۔

③ مرتد افراد میں کام کا تجربہ رکھنے والوں سے استفادہ کیا جائے، دعوت ایک عملی کام ہے، جس میں تجربات کافی اہمیت رکھتے ہیں، مرتد مسلمانوں میں جہاں بہت سے افراد اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں وہیں ان میں ایک نام مولانا کلیم صدیقی

کا بھی ہے، ایک جگہ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں مرتدوں میں کام کرنے کے طریقۂ کار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں نفسیاتی کمزوریوں کا لحاظ بہت مفید ہے، مثلاً ان کے آبا واجداد کے قبرستان کی صفائی پر ان کو متوجہ کریں اور مردوں کو جلانے میں ان کی تکلیف کا احساس ان کو دلائیں، جو غیر مسلم اسلام قبول کررہے ہیں، ان کے واقعات ان کو بتائیں، ان مرتدوں میں جولوگ اسلام کے دائرہ میں دوبارہ آنا چاہیں ان کو صرف ایمان کی تجدید کرنے کو کہیں، اس کی شہرت نہ کریں اور لوگوں کے سامنے اس کا چرچا نہ کریں، ان کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ایمان کی ضرورت نہیں، اللہ کے یہاں ہماری وقعت ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں اس کی ہمیں ضرورت ہے، حساس اور جذباتی ماحول بنا کر قرآن کریم کی آیات مع متن ان کے سامنے ان کی عقل کے مطابق ترجمہ اور تشریح کے ساتھ سنائی جائیں۔(۱)

ہندوستانی پس منظر میں ارتداد کا ایک دروازہ ہے جو غیر مسلم لڑکوں یا لڑکیوں سے نکاح کرنے سے پیدا ہورہا ہے، غیر مسلموں سے ازدواجی تعلق اس وقت ایک چیلنج بنا ہوا ہے، بعض فرقہ پرست طاقتوں کے ذریعہ یہ کام منظم انداز میں ہورہا ہے، کالجوں اور تعلیم گاہوں کا مخلوط نظام بھی اس کا ایک اہم سبب ہے، والدین کا نوجوان لڑکیوں کو حد سے زیادہ آزادی دینا بھی اس طرح کے مسائل پیدا کررہا ہے، یہ صرف مسلمانوں ہی کا مسئلہ نہیں، بلکہ دیگر مذاہب کے لوگوں میں بھی عام ہے، ارتداد کی اس صورت پر قابو پانے کے لئے مخلوط تعلیم اور تعلیم کے بہانے اولاد کو حد سے زیادہ آزاد چھوڑنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، جن دیہاتوں میں جہالت کی وجہ سے ایسی شادیاں ہورہی ہیں،

(۱) ارمغانِ دعوت

وہاں کے مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنا چاہئے، اسی طرح جن مقامات پر یہ مہم منصوبہ بند طریقہ سے چلائی جارہی ہے اس سے چوکنا رہنا بھی ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ ارتداد امت کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے، ہمیں صرف شہروں میں پائی جانے والی دینی لہر سے خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہئے، ایک طرف اگر آئے دن مختلف مذاہب کے لوگوں کے قبول اسلام سے خوشی ہوتی ہے تو دوسری طرف خود اپنوں کا اسلام سے پھر جانا ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے، ارتداد کی صورتِ حال اصلاحی کوششوں کی اہمیت کو دو چند کردیتی ہے، نیز اصلاحی تحریکوں کو مزید متحرک کردیتی ہے، ارتداد کے سدِ باب کے لئے اس وقت صدیقِ اکبرؓ کے عزم وحوصلہ کی ضرورت ہے، جنہوں نے اپنے دور کے ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''میرے جیتے جی اسلام میں کمی آجائے؟ یہ ممکن نہیں''۔(۱)

آج کا خارج اسلام گمراہ فرقے شکیلیت اور آندھرا تلنگانہ میں فیاضیت اور عالمی سطح پر غامدیت، الحاد اور دھریت اسی طرح شیطان کے پجاری جیسے مذاہب شوشل میڈیا کے ذریعے فروغ پارہے ہیں حدیث کے دلیل ہونے کا انکار، متواتر احادیث میں تاویل، سلف صالحین کی تحقیقات پر بے اعتمادی، مغرب کے سامنے شکست خوردگی اور مرعوبانہ مزاج وغیرہ، اس کے لیے حق وباطل کا وسیع مطالعہ سنجیدہ علمی اور منطقی گفتگو، انگریزی زبان پر عبور اور قوت دعا کی سخت ضرورت ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) ماخوذ از: دعوتِ دین اہمیت وطریقہ کار'' حضرت مولانا احمد ومیض صاحب ندوی دامت برکاتہم

لسانِ قوم کی اہمیت

ساری زبانیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انہیں کی قدرت کی نشانی ہے، ہر زبان میں ایک طرح کی چاشنی اور حلاوت پائی جاتی ہے، جس کو اس کے بولنے والے اچھی طرح محسوس کرتے ہیں، کوئی شخص جب مقامی زبان میں ہم کلام ہوتا ہے تو ملک، شہر کی جغرافیائی درحد بندیوں کے باوجود اجنبیت کا احساس کم ہوجاتا ہے۔

ثقافت کے پھیلاؤ میں زبان کا بھی اثر ہوتا ہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر سریانی زبان سیکھی، اگر زبان سے واقفیت نہ ہو تو اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ہمارے الفاظ اور بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کرے، جس قوم سے واسطہ ہے اس قوم کی زبان اور محاورے سے واقفیت ہو تو کسی بھی قسم کی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں ہوگا، جب اسلام تمام مذاہب پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے تو فائدہ مند طریقہ یہ ہی ھیکہ اسلام کا پیغام انہیں کی زبان میں پہونچادے، حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا گیا **"فلیبلغ الشاھد الغائب"** موجودین غائبین تک پہونچادے، اب اتنی بڑی دنیا میں اربوں انسانوں تک جب ہی پیغام انہیں کی زبان میں پہونچایا جاسکتا ہے جبکہ دنیا میں بولی جانے والی زبانیں سیکھی جائیں، قرآن متعدد جگھوں پر کہتا ہے کہ ہم نے ہر رسول کو لسان قوم میں بات کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، قوم کی زبان جانے بغیر اپنے جذبات اور خیالات صحیح طور پر منتقل نہیں ہوسکتے ورنہ خود ہی کہے گا خود ہی سمجھے گا، اپنے لکھیں گے اپنے ہی پڑھیں گے، اجنبی اور غیر مذہب والوں سے رابطہ نہیں ہوگا۔

مقامی اور عالمی زبانوں کے ماہرین پیدا کرنا ضروری ہے اگر ہم تمام اقوام عالم تک پیغام رب پہونچانا چاہیں، تجارت ملازمت کے لیے لوگ مشکل سے مشکل زبان سیکھ لیتے ہیں، مگر دعوتِ دین کے مقصد کے لیے سیکھنے والے کم ہیں، یہ ہی نہیں بلکہ بہروں کے لیے اشارہ کی زبان اور اندھوں کے لیے بریل رسم الخط سے فائدہ اُٹھانے کی بھی سخت ضرورت ہے عیسائی تنظیمیں معذوروں میں محنت کر کے انہیں عیسائی بنا چکی ہیں، یہ ایسا پہلو ہے جس کی طرف کم توجہ ہو پارہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محبت کی زبان سب سے پہلے سیکھنا چاہیے، اس کے بعد ہی ساری زبانوں میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہے کہ اسلام کی سرکاری زبان عربی زبان ہے، دوسری زبان دعوت یا ضرورت کی وجہ سے سیکھ تو سکتے ہیں مگر اس پر فخر کرنا نفاق ہے، عربی زبان کی حفاظت ہمارا مذہبی فریضہ ہے، ہر زبان کے ساتھ اُس زبان والوں کے نظریات ورجحانات کے اثرات ہوتے ہیں، سورج اور چاند کے پجاریوں نے SUNDAY MON DAY بنایا ہے، دوسری زبان ضرور سیکھیں لیکن اس کے ساتھ اس کے کلچر اور تہذیب سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں، لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ انگریز بن جاتے ہیں مگر انگریزی نہیں آتی ہے، سولہ سترہ سال پڑھ کر بھی انگریری زبان میں اسلام کی دعوت نہیں دے پاتے ہیں، داعی حضرات اپنے کارکنوں کو مختلف زبانوں میں بانٹھ کر متعدد زبانوں کے ماہر ہوسکتے ہیں، مقامی زبان سے ناواقف شخص مقامی باشندوں کے حق میں گونگا ہوجاتا ہے۔

(اس موضوع پر قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اُردو زباں کی شرعی حیثیت دیکھئے اس کا خلاصہ ہم نے مسنون معاشرت میں بھی نقل کیا ہے)۔

اگر زبان کو اس حیثیت سے لیا جائے کہ اس کے ذریعہ سے ہم دوسروں کو اچھی طرح جان سکتے ہیں اور ان کے تعلق سے اپنا مستقل موقف طے کر سکتے ہیں اور ان کی جانب سے پہنچنے والے نفع یا نقصان کا درست اندازہ لگا سکتے ہیں، تو ہمارے خیال میں

زبان دانی بڑے فائدہ کی چیز ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں یہودیوں کی کتاب کے کلمات سیکھ لوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بخدا میں یہودیوں کی طرف سے اپنی کتاب کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آدھا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اسے سیکھ لیا۔

جب میں نے اسے سیکھ لیا تو ایسا ہونے لگا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیوں کی طرف کوئی مراسلہ بھیجنا ہوتا تو میں اسے لکھتا تھا اور جب وہ کچھ لکھ بھیجتے تھے تو میں ان کے مراسلہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پڑھتا تھا:

"امرنی رسول الله ﷺ أن أتعلم له كلمات من كتاب يهود قال: والله انی ما آمن يهود علی كتابی...(۱)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کی خاطر غیر مسلموں کی زبانوں کو سیکھنا جائز ہے تاکہ اسلام کا پیغام براہ راست ان تک پہنچایا جاسکے، زبان خدا کی نعمت اور ایک جلیل القدر وسیلہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے متعدد مقاصد ہوسکتے ہیں۔

مثلاً اس کے ذریعہ سے دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔اس کے ذریعہ سے دوسروں کے پیغامات کا علم ہوتا ہے اور ان کے دلائل واعتراضات کماحقہ سمجھے جاسکتے ہیں۔احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے تعلق سے دشمنوں کے پھیلائے ہوئے شبہات وشکوک حل کرنے اور دوسروں کی زبان سیکھ لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمنانِ دین کی مکاری اور دھوکہ بازی سے بچا جاسکے گا اور یہ لوگ مسلمانوں کو بےوقوف نہ بنا پائیں گے۔

اس بابت اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے حوالے سے نقل کیا

(۱) صحیح بخاری تعلیقات، کتاب الاحکام باب زحمة الحکام: ۱۸۶/۱۳

جاتا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ عجمیوں کا بولنا مت سیکھو اور نہ ان کے تیوہاروں پر ان کے کنیساؤں میں جاؤ کیونکہ اللہ کی ناراضگی اس وقت ان پر نازل ہوتی ہے۔"لا تعلموا رطانة الاعاجم ولا تدخلوا علیهم فی کنائسهم فی عبادتهم فان السخطة تنزل علیهم"(۱) علمائے کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مخصوص حالات پر محمول کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی زبان کو سیکھنا یا ان کے تیوہاروں میں شریک ہونا مسلمان اپنی عادت نہ بنالیں، یعنی دوسروں کی زبان کو قرآن کی زبان کے برابر نہ سمجھنے لگیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں مسلمانوں اور مسلمان نسلوں کا واقعی طرزِ عمل بڑی حد تک بن چکا ہے کہ قرآن اور قرآنی زبان سیکھنے کے بجائے کفر اور کافروں کی زبان سیکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔**واللہ المستعان۔**

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: عربی زبان جو کہ اسلام کا شعار اور قرآن کی زبان ہے اس کے علاوہ کسی اور زبان کو تخاطب کی زبان بنالینا مکروہ ہے، اگر حال یہ ہوجائے کہ پورے شہر کی عادی زبان کچھ اور ہوجائے ، اہل خانہ، آل وعیال ، بازار والے وغیرہ سب کسی دوسری زبان کو بولنے لگیں تو یہ اعاجم سے تشبہ کے دائرہ میں آجاتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں حرام ہے"۔(۲)

مقامی زبانوں سے واقفیت

عزیزو! زبان جو ہمارے منہ میں ہے، وہ بھی اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہ زبان جو حروف والفاظ سے مرکب ہے، وہ بھی اللہ تعالی ہی کی مخلوقات میں ہے اور اظہار کا ایک اہم ذریعہ ہے، زبان کا خود کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ وہ دوسرے مضامین کی طرح مذہبی تصورات کے لئے ذریعہ ووسیلہ بنتی ہے، افسوس کہ ادھر ایک دوصدیوں سے مسلمانوں میں کچھ ایسی سوچ قائم ہوگئی کہ گویا زبانوں کا بھی ایک مذہب ہوتا ہے، فلاں

---

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱/۴۱۱

(۲) غیر مسلموں سے متعلق شرعی احکام، ذکی الرحمن غازی، مدنی ص ۱۰۰۶ طبع شدہ فرید بکڈپو، دہلی

زبان اسلامی ہے اور فلاں غیر اسلامی؛ حالاں کہ اسلام میں عربی زبان کو یقیناً خصوصی اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ وہ قرآن وحدیث کی زبان ہے، بقیہ تمام زبانیں برابر ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ادھر تقریباً بیس پچیس سال سے اس سوچ میں کسی قدر مثبت تبدیلی آئی ہے اور دینی مدارس میں بھی انگریزی زبان کی طرف توجہ دی جارہی ہے، یا اس کے لئے خصوصی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے لیکن مقامی زبانوں سے غفلت؛ بلکہ بے اعتنائی وبے نیازی؛ بلکہ شاید اس سے بھی آگے بڑھ کر بے زاری کا سلسلہ آج بھی قائم ہے، اس ملک میں شمال کی بیشتر ریاستوں کی زبان ہندی ہے لیکن مدارس میں اس زبان کا گذر نہیں، جنوبی ہند کی ریاستوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن اکثر وبیشتر اس ریاست میں پیدا ہونے اور بسنے والے مسلمان اس زبان سے نابلد ہیں؛ بلکہ اسے ناقابل توجہ سمجھتے ہیں۔

اس رویہ نے برادران وطن کے اور ہمارے درمیان فاصلے بڑھا دیئے ہیں، فرقہ پرست عناصر چاہتے ہی تھے کہ مسلمانوں کو تنہا کر دیا جائے، ان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی، سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہم برادران وطن کے درمیان نہ اسلام کا تعارف کرا سکے، نہ ان کے درمیان دعوت کا کام کر سکے، اور نہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، انہیں دور کرنے میں کامیاب ہو پائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تا کہ یہودیوں کی کتابیں پڑھی جاسکیں اور انہوں نے صرف دو ہفتوں میں ہی زبان سیکھ لی۔(۱) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک مقصد یہودیوں کی تحریف وتصحیف سے بچنا بھی تھا۔(۲) اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کیا۔(۳) خلافت راشدہ ہی کے عہد میں ہندوستان کے ایک

(۱) ترنذی، باب ما جاء في تعليم السرياني، حدیث نمبر:۲۷۱۵

(۲) مسند عبد بن حمید:۱۰۸، حدیث نمبر:۲۴۳

(۳) کشف الخفاء:۲۹۹۷:۲، غالی

راجہ کے لئے ایک عرب سیاح نے قرآن کریم کا ہندی میں ترجمہ کیا، مسلمانوں نے ہمیشہ زبان کے معاملہ میں بے تعصبی برتی، انہوں نے یونانیوں کے پورے کتب خانہ کو عربی زبان میں منتقل کیا، فارسی زبان کی اتنی خدمت کی کہ آج فارسی کا جو کچھ لٹریچر موجود ہے، خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں مسلمانوں کی ہی دین ہے، ہندوستان میں اس کی واضح مثال کلیلہ و دمنہ ہے، اس کی اصل کتاب کا تو شاید کوئی سراغ نہ ملے لیکن عربی زبان میں ان کہانیوں کو نقل کر کے عربوں نے اسے ایک طرح کا دوام عطا کر دیا۔ اس لئے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلمان بالخصوص علماء مقامی زبانوں پر توجہ دیں اور اسے دعوت اسلام کا ذریعہ بنائیں، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں انہی کی زبان میں اپنا کلام اتارا ہے اور ان کے ہم زبان شخص کو پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا ہے: "وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ" (۱) اس لئے صرف کسب معاش، تجارت و کاروبار اور سیاسی مہم جوئی کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ اسلام کا تعارف اور اس کی اشاعت کے لئے دعوتی مقصد کے تحت مقالی زبانوں کو سیکھنا اور اس میں اسلامی لٹریچر کو پیش کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ اس لئے میں آپ حضرات سے دردمندانہ گذارش کرتا ہوں کہ آپ داعیانہ کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مقامی زبانوں کو ذریعۂ اظہار بنانے کی کوشش کریں، بے حد ضروری ہے، قرآن مجید کے مذکورہ ارشاد (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے عالم میں داعی کو مدعو کی سطح پر اتر کر دعوت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ اگر ہم نے مخاطب تک ان کی زبان میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچائی تو ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوئے اور عنداللہ ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ (۳)

---

(۱) ابراھیم: ۴

(۲) ابراھیم: ۴

(۳) میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے ۸: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

دعوتِ دین دیارِ مغرب میں

مغربی ممالک میں دعوتِ دین کی اہمیت

آج عالمی سطح پر بگاڑ پایا جا رہا ہے جس سے انسانی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہے، یہ بگاڑ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی، سیاسی بھی ہے اور سماجی بھی، چنانچہ جمہوریت کے نام پر غریبوں کا خون چوسا جا رہا ہے، سیاست کے گورکھ دھندوں اور لیڈروں کے کرپشن زدہ کیرکٹر نے سرکاری خزانوں کو خالی کر دیا ہے، عریانیت وفحاشی کی وجہ سے خاندانی نظام انتشار کا شکار ہو رہا ہے، مال وزر کی ہوس نے انسان کو ہر طرح کے انسانی حدود کو توڑنے پر مجبور کر دیا ہے، جنسی بے راہ روی کی وبا نے عورتوں کی عزت وآبرو کو غیر محفوظ بنا دیا ہے، غرض یہ کہ انسان حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے اترتا جا رہا ہے، اس طرح ایک عالمگیر بگاڑ نے پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

شاید اس حقیقت سے کسی کو کم ہی اختلاف ہوگا کہ اس عالمی بگاڑ کا سرچشمہ مغرب اور مغربی تہذیب ہے، وہی عالمی سطح پر پائے جانے والے بگاڑ کی سرپرستی کر رہا ہے، وہیں اس کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، وہیں فحاشی اور بے حیائی کے نت نئے پروگرام پوری دنیا میں نشر کئے جاتے ہیں، اس کو پورے عالم کی قیادت حاصل ہے، اس پس منظر میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مغربی ممالک دین حق کی دعوت کے کس قدر مستحق ہیں۔

مغربی ذہن سائنٹفک ذہن ہے

آج مغربی ملکوں کو پوری دنیا میں فکری قیادت حاصل ہے اور جو قومیں فکری

قیادت کی حامل ہوتی ہیں، ان کی اصلاح گویا پورے عالم کی اصلاح ہے اور ان کا بگاڑ پورے عالم کا بگاڑ ہے۔ ایسے میں دعوت حق کی بابت مغرب کو نظر انداز کرنا دراصل عالمی بگاڑ کے لئے پھلنے اور پھولنے کا موقع دینا ہے، ایک طرف دعوتی نقطۂ نظر سے مغربی ممالک کی یہ اہمیت ہے، دوسری طرف بہت سارے اسباب کی بناء پر وہاں دعوتِ دین کے امکانات روشن نظر آنے لگتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ مغربی قوموں کے لیے سب سے زیادہ موزوں دین دین اسلام ہے، ان کے مزاج اور عقلیت پسندی کے سامنے نہ عیسائیت ٹھہر سکتی ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی اور مذہب، اس لئے کہ مغربی انسان ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہے، سائنٹفک ذہن کسی غیر معقول عقیدہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اس معیار پر صرف اسلام ہی پورا اتر سکتا ہے، بدقسمتی سے ابتداء میں مغرب کو عیسائیت کا سامنا کرنا پڑا اور عیسائیت کی نامعقولیت اور علم و تحقیق سے نفرت نے مغربی انسان کو مذہب ہی سے متنفر بنا دیا، اگر اسلام کی حقیقی تعلیمات اس کے سامنے رکھ دی جاتیں تو وہ لامحالہ انہیں گلے لگا لیتا۔

مغرب کی بے راہ روی کا علاج صرف اسلام

ایک بات یہ بھی ہے کہ آج مغرب اپنی تہذیب کی تباہ کاریوں سے خود بھی اکتا چکا ہے، خاندانی نظام کے بکھراؤ نے اس سے سکون چھین لیا ہے، لذت پسندی کی بنیاد پر ہونے والی بے راہ روی نے اپنے کڑوے پھل دینے شروع کر دیئے ہیں، اب مغربی ملکوں کے اُونچی سطح کے دانشور اس سوچ میں پڑ گئے ہیں کہ آخر خاندانی زندگی کو فطری رفتار پر کیسے لایا جائے؟ اور وہ مغربی تہذیب کے تباہ کن نتائج سے آگاہ بھی کر رہے ہیں۔

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو مغرب کو خودکشی سے بچا سکتا ہے، اس لئے کہ اسلام جس تہذیب کا علمبردار ہے وہ خالق کائنات کی بتائی ہوئی فطری تہذیب ہے، مغرب آج اسی فطری تہذیب سے ہٹ چکا ہے اور فطرت سے بغاوت نہیں کی جا سکتی،

آج مغرب کے پاس ہر طرح کے مادی وسائل ہیں، لیکن وہ حقیقی سکون سے محرومی کے ساتھ زیادہ دن تک نہیں رہ سکتا۔

مغرب میں دعوت کے راہوں کی سازگاری

علاوہ ازیں اب مغرب میں دعوتِ دین کے لئے راہیں ہموار ہوتی جارہی ہیں۔ برسہا برس کا وہ تعصب جو صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اہلِ مغرب میں پرورش پارہا تھا، اب پگھلتا جارہا ہے اور اب مغرب میں دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ایسی پائی جانے لگی ہے جو تعصب کی عینک نکال کر عقل وانصاف کی بنیاد پر اسلام کو پرکھ رہی ہے اور برملا اسلام کی معقولیت کا اعلان کررہی ہے۔

مستشرقین کی اسلام دشمن جماعت میں بھی ایسے حقیقت پسند پیدا ہورہے ہیں جو اپنی علمی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کو ثابت کررہی ہے، پھر ان سب سے ہٹ کر نصف صدی کے دوران دنیا کی ہر زبان بالخصوص انگریزی زبان میں زبردست اسلامی لٹریچر تیار ہوچکا ہے، جس کی پہلے شدت سے کمی محسوس کی جاتی تھی، اس لٹریچر کے ذریعہ اسلام کے خلاف کئے گئے پروپیگنڈوں کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے، اور اسلامی تعلیمات واحکام کی معقولیت کو عصری اسلوب میں اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جو ہر تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو اپیل کرتا ہے۔

مغرب میں موجود مسلمان ایک عملی نمونہ ہے

مغرب میں دعوتِ دین اس لئے بھی آسان ہے کہ اب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپ اور امریکہ میں پھیل چکی ہے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کرچکی ہے، عربوں کی بڑی تعداد امریکہ میں آباد ہے، اسی طرح مختلف مسلم ملکوں اور اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان یورپ میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں، دشمنوں نے اسلام کے خلاف جن پروپیگنڈوں کو ہوا دیا ہے، مغرب میں آباد مسلمان ان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اہم رول ادا کرسکتے ہیں، اس لحاظ سے مغرب میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری بڑی

نازک ہے، انھیں اپنے آپ کو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے پیش کرنا ہوگا، اس کے لئے انہیں سب سے پہلے مغربی ماحول میں اپنے ایمان اور اسلام کی بقا کی فکر کرنی ہوگی، کہیں ایسا نہ ہو کہ مغربیت کے سیلاب میں وہ خود بہہ جائیں، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورہ امریکہ کے موقع پر امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> یہاں رہنے کے بعد اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام و اطمینان آپ نے کرلیا ہے، اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کر رہے ہیں اور ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ کو یہاں رہنے کا جواز ہے، جواز ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا جہاد اور بہت بڑی خدمت ہے، اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کا مطمحِ نظر صرف روزی کمانا ہے تو یہ مقصد مسلمانوں کے مقام اور مقصدِ حیات سے میل نہیں کھاتا صرف روزی کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں، اگر آپ کو اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس بات سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے یہاں کس حال میں موت آئے اور ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟ (۱)

اس طرح مغرب میں مقیم مسلمانوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ ان کے ایمان اور اسلامی تشخص کی حفاظت کا ہے، چوں کہ اپنے وطن سے زیادہ بگڑنے کے امکانات مغرب میں پائے جاتے ہیں، وہاں قدم قدم پر فتنوں کی بوچھار ہوتی ہے، جب تک ایمان وعقیدہ کی پختگی اور شریعت کی مکمل پابندی نہ ہوگی، مغربی ماحول میں محفوظ نہیں رہا

(۱) نئی دنیا، امریکہ میں صاف صاف باتیں

جاسکتا، اس کے علاوہ دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لئے بھی عملی پختگی اور شریعت کی سخت پابندی ضروری ہے۔

مغربی تہذیب سے مرعوبیت نہ ہو

مغرب میں مقیم مسلمانوں کے لئے دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی محیر العقول مادی ترقیوں کو دیکھ کر اور اس سے مرعوب ہوکر اسلام کے سلسلہ میں بے اعتمادی کا شکار نہ ہوں، بلکہ اس یقین کو مضبوطی سے راسخ کریں کہ مغرب سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اصل روح سے محروم ہے، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف ڈھانچہ ہے، ہم مغرب میں اس لئے نہیں آئے کہ اس سے صرف لیں اور ہمارے اندر کچھ دینے کی صلاحیت نہیں بلکہ ہم اس کو وہ دولت دے سکتے ہیں جس کے نہ ہونے سے وہ حقیقی منزل سے دور ہے، مغرب کے ظاہری طمطراق کو دیکھ کر ہم خیرہ ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ ہم مرعوبیت کے ساتھ اسلام کی دعوت نہیں دے سکتے، مغرب میں مقیم ہر مسلمان کے دل ودماغ میں اسلام پر کامل اعتماد ہونا چاہئے، نیز اس بات کا پختہ یقین ہو کہ اسلام ہی مغرب سمیت ساری انسانیت کے مسائل کا تریاق ہے، اسی میں انسانیت کی نجات ہے، اس سے محرومی مغرب کے لئے بڑی مہنگی ثابت ہوگی اور مغرب کی محیر العقول مادی ترقی پوری انسانیت کی تباہی کا سامان بنے گی، اس یقین کو پختہ کرنے کے لئے اسلامی مفکرین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

سارا مغرب اسلام مخالف نہیں

دیارِ مغرب میں دعوتی کام کرنے والوں کو ایک بات یہ بھی ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ مغرب کا ہر فرد اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہیں ہے، داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مدعو اقوام کے سلسلہ میں غیر ضروری خدشات کا شکار نہ ہو، یہ صحیح ہے کہ مغربی حکومتیں اسلام کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتی ہیں اور اس کی خاطر میڈیا کے ذریعہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کرتی رہتی ہے، لیکن وہاں کا عام طبقہ اسلام سے دلچسپی رکھتا ہے، مغرب کے سلسلہ میں اسلام دشمنی کا پروپیگنڈہ اس شدت سے کیا جارہا ہے کہ مسلمان صرف

سازشوں کے تذکرہ ہی کو کافی سمجھنے لگے ہیں، جبکہ بعض مغربی ملکوں کا بارسوخ طبقہ اسلام سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس نے ۱۹۹۲ء میں آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر میں تقریر کرتے ہوئے جس اسلام کے احسانات اور انسانیت اور بالخصوص مغرب کے لئے اسلام کی ضرورت کا برملا اعتراف کیا ہے، وہ حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے، وہ کہتے ہیں:

> یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اسلام کو یورپ میں اسپین اور بلقان میں اتنا طویل عمل دخل رہا، اس نے ہماری تہذیب کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا، دراصل اسلام ہمارے ماضی اور حال کا حصہ ہے، اس نے جدید یورپ کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا، اسلام ہمارا ورثہ ہے اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لئے اسلام کے دامن میں وہ کچھ ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے، اسلام میں پوری زندگی ایک اکائی ہے، مغرب کی ساری ترقی ایک رُخی ہے، دنیا کے بارے میں احساسِ مسئولیت اور اس کی نگرانی و بہبودی کی ذمہ داری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے ہم مغرب میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔(۱)

جہاں تک مغرب میں دعوت کے طریق کار کا سوال ہے تو سب سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہئے، نیز اسلامی احکامات کی معقولیت کو سمجھانے کے ساتھ انہیں سب سے زیادہ اسلام کے بنیادی عقائد کی طرف توجہ دلانا چاہئے۔(۲)

---

(۱) الفاروق شوال: ۱۸ ۱۴ھ

(۲) حضرت مولانا احمد ومیض صاحب ندوی دامت برکاتہم کی کتاب ''دعوتِ دین، اہمیت اور طریقۂ کار'' سے ان اہم مضامین کو لیا گیا ہے، ماشاءاللہ حضرت نے اپنے موضوع پر بہت مفصل لکھا ہے، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے حدود

غیر مسلموں کی ایک قسم دار الاسلام میں کوئی غیر مسلم معاہدہ کر کے رہ رہا ہو دوسری قسم مستامن یا امن لے کر رہنے والوں کی ہے یعنی ایسے غیر مسلم جو اہل ذمہ کی طرح اصلاً دار الاسلام کے باشندے نہیں ہوتے لیکن عارضی طور پر ایک معروف ومتعین مدت کے لیے دار الاسلام میں رہتے ہیں، تیسری قسم حربی غیر مسلم یا محاربین جو غیر مسلم دشمن اسلامی ریاست سے جنگ کرر ہے ہوں، ذیل کے مضمون میں ذکر کردہ احکام پہلی اور دوسری سے یا ان سے متعلق ہیں جو غیر مسلم اکثریتی مما لک میں دار لامن، دار الجمہوریہ میں رہتے ہیں، نہ کہ تیسری قسم سے، (یعنی یہ احکام ان کفار کے لیے نہیں ہیں جو مسلمانوں سے جنگ لڑ رہے ہیں)، دعوتی نقطہ نظر سے ضرورت پیش آنے والے مسائل کو ذکر کیا گیا، نہ کہ تمام مسائل کو۔

اس کائنات میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کائنات کے بنانے والے کو ایسا نہ مانا جائے جیسا کہ انہوں نے آسمانی کتابوں میں اپنا تعارف کروایا ہے، اس لیے کفر سے نفرت ہونا چاہئے جیسے مرض سے نفرت ہونی چاہئے، سنگین امراض سے نفرت ہوگی تو اس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے، لیکن سنگین مرض میں مبتلا شخص سے نفرت کریں گے تو اس کا علاج کیسے کیا جائے گا، مشرکانہ رسومات، کافرانہ تہواروں میں علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ عام دنوں میں عیادت اور تعزیت کا اہتمام کیا جائے، ناگہانی حالات میں مالی امداد کی

جائے ،ناجائز امور میں احتراز کرتے ہوئے تو صحیح ہو مگر جائز رواداری (مزاج پرسی، پڑوسی کا حق، رفاہی کام) نہ کئے جائیں تو یہ اسلام کی ناقص ترجمانی ہے۔ یہ موضوع مسلم اقلیتی ممالک میں اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے کہ وطن سے محبت اور ہم وطن کفار سے (اخوت انسانی کی بنیاد پر) رواداری رکھتے ہوئے کفر سے نفرت بھی باقی رکھی جائے ،غیر مسلموں میں رفاہی کام ان سے ڈرتے ہوئے یا اُن سے رحم کی بھیک مانگنے کے لئے نہ کیے جائیں بلکہ صرف احکام الٰہی کی تعمیل میں انجام دئے جائیں، وہ ہمارے ساتھ جواباً اپنائیت کا سلوک کریں یا وحشیانہ وسفاکانہ برتاو کریں، ذیل میں لکھے گئے مسائل میں بعض فقہاء نے شدت والی رائے اختیار کی ہے، بعض نے نرمی والی، خیال رکھا گیا کہ روح شریعت بھی باقی ہو اور عصری تقاضوں کا لحاظ بھی، اس موضوع پر سورۂ ممتحنہ کا مطالعہ ہونا چاہئے، اصولی طور پر یہ بات طے ہے کہ ایسا کوئی بول یا رسم میں شرکت نہیں کی جاسکتی ہے جس میں توحید کے عقیدہ پر ضرب پڑتی ہو یا اسی طرح اسلام کے شعار سے یا فرض وواجب سے مکمل دستبردار ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

کرسمس میں مبارک باد دینا اور کیک کھانا

غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کے موقع پر انہیں مبارک باد دینا گویا ان کے نقطہ نظر کی تائید ہے، نیز چوں کہ غیر مسلموں کے مذہبی تہوار مشرکانہ اعتقادات پر مبنی ہوتے ہیں، جب کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے شرک سے بے زاری اور لاتعلقی کا اظہار ضروری ہے، اس لیے کرسمس کی مبارک باد دینا جائز نہیں، اور اگر اس سے ان کے دین کی تعظیم مقصود ہو تو کفر کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔(۱)

غیر مسلموں کے مذہبی تہوار پر ان کی مجالس میں شرکت کرنا یا خود اس کی تقریب

---

(۱) ماخذ: دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 144004200267 تاریخ اجراء: 25-12-2018

منعقد کرنا یا انہیں مبارکباد دینا، ہدایا دینا یہ گویا ان سے محبت اور مودت کا اظہار اور ان کے مذہبی شعار اور تہوار میں شریک ہونا ہے، جو کہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

اس لیے کرسمس کی تقریب میں شرکت جائز نہیں ہے اور نہ ہی کیک کھانا درست ہے۔ البتہ اگر سخت مجبوری ہو یا فتنے کا اندیشہ ہو اور وہ چیز جو فی نفسہ حلال ہو (جیسے: مٹھائی، کیک وغیرہ) تو اس کو لینے کی گنجائش ہوگی، اور وہ چیز حرام نہیں ہوگی، تاہم بہتر پھر بھی یہ ہے خود نہ کھائے، اگر لے لیا ہو تو فقراء کو دے دے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء عرب نے بات لکھی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''سوال: اگر کسی مسلمان کے رشتہ دار ہندو کے گاؤں میں رہتے ہوں اور ہندو کے تہوار ہولی دیوالی وغیرہ پکوان، پوری، کچوری وغیرہ پکاتے ہیں، ان کا کھانا ہم لوگوں کو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو کھانا کچوری وغیرہ ہندو، کسی اپنے ملنے والے مسلمان کو دیں اس کا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کھانے کو حرام نہ کہا جائے گا''۔(۱)

پرساد کھانا

پرساد سے متعلق اس فتویٰ سے پتہ چلا کہ اگر چڑھاوا کیا گیا ہو تو ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر سیل پیک، بند ڈبے کی مٹھائی کسی مذہبی تہوار کے موقعہ پر غیر مسلم ہمیں دیتا ہو تو استعمال میں لانا جائز ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: گو یہ ذبیحہ نہیں، لیکن قرآن نے بتوں کے نام پر اور استھانوں پر ذبح کے گئے جانوروں کو جسے حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ شرک کی تعظیم کی گئی ہے اور یہ بات پرساد اور چڑھاوے میں بھی پائی جاتی ہے۔

قال الله تعالیٰ: حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ ٱلۡمَيۡتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحۡمُ ٱلۡخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيۡرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وفي البزارية: وما يهدى

(۱) فتاوی بزازیہ علی ھامش الھندیۃ: ۶ / ۳۳۳، ط، زکریا

المجوس يوم النيروز من أطعمتهم إلى الأشراف ومن كان لهم معرفة لايحل أخذ ذلك على وجه الموافقة معهم وإن أخذه لا على ذلك الوجه لا بأس به والاحتراز عنه أسلم (۱)

برتھ ڈے میں شرکت

دارالعلوم دیو بند اور جامعہ بنوریہ کے فتوؤں میں فرق ہے دارالعلوم نے اُسے مذہبی قومی اور تہذیبی شعار مانا ہے، عبادات کے طور پر نہ کیا جائے ،صرف کیک کاٹنا بھی پیدائش کے دن کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے،لیکن بنوریہ ٹاون کے فتویٰ کے مطابق اگر خرافات (بے پردگی ،موم بتیاں لگا کر کیک کاٹنا،موسیقی کا استعمال نہ ہو، کفار سے مشابہت مقصود نہ ہو، بلکہ گھر والے اس مقصد کے لیے اُس دن کو یاد رکھیں رب کے حضور اس بات کا شکر ادا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عافیت وصحت اور عبادات کی توفیق کے ساتھ زندگی کا ایک سال مکمل فرمایا ہے اس طرح تقریب رکھنا جائز ہے اگر چہ احتیاط بہتر ہے۔

نئے سال پر کیک بیچنا

انگریزی نیے سال کے موقع پر مسلمان بیکری والوں کا کیک فروخت کرنے کا حکم کیا ہے؟ نیز اس موقع پر مبارک بادی پیش کرنے کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء کی تجارت کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) جائز ہے۔ (۲) جو چیزیں خاص طور پر نئے سال کی مبارکبادی ہی کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، اُن کی خرید وفروخت کچھ بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ نئے سال کے منانے کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

(۱) ج:۱۸،ص:۳۴، ط:فاروقیہ،دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن،فتوی نمبر: 144104200849

(۲) دارالافتاء، دارالعلوم دیو بند، 1438/sd=6/417- 476:Fatwa

راکھی، دیوالی، وغیرہ تہواروں کا سامان بیچنا

ہولی، دیوالی اور رکشھا بندھن، ہندوؤں کے خالص مذہبی تہوار ہیں اور اس کے پیچھے مختلف موسموں کے خُداؤں کو راضی کرنے کا بھی پس منظر ہوتا ہے؛ اس لیے ان تہواروں کے موقعہ پر بہ طور خاص مذہبی امور کی انجام دہی میں جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں، یعنی: راکھی، رنگ، پچکاری اور دیوالی کی موم بتیاں وغیرہ، ان کا کاروبار مسلمان کے لیے مکروہ وناجائز ہے؛ کیوں کہ ان چیزوں کا کاروبار کرنے میں غیروں کا ان کے مذہبی امور میں تعاون لازم آتا ہے؛ اس لیے آپ اپنے جنرل اسٹور پر ہولی، دیوالی وغیرہ کے موقعہ پر اس طرح کی چیزیں ہرگز فروخت نہ کیا کریں۔

قال الله تعالى: ولا تعاونوا على الإثم والعدوان (سورة المائدة، رقم الآية: ٢)، وقال العلامة المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى في "تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام": وإن لم يكن -السبب- محركا وداعيا بل موصلا محضا وهو مع ذلک سبب قريب بحيث لايحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة من الفاعل كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير ممن يتخذه خمراً أو بيع الأمرد ممن يعصي به وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسة أو بيت نار وأمثالها فكله مكروه تحريما بشرط أن يعلم به البائع والآجر من دون تصريح به باللسان فإنه إن لم يعلم كان معذوراً وإن علم وصرح كان داخلاً في الإعانة المحرمة (١)

(۱) جواہر الفقہ، ۲: ۴۴۷، وص: ۴۵۵، ۴۵۶ أیضاً، ط: قدیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، جواب نمبر: 16413301-Sep-2020: تاریخ اشاعت)

دیوالی پر مبارکبادی دینا

میرا سوال یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں کچھ مسلم نوجوان اپنے ہندو دوستوں کو واٹس ایپ کے ذریعہ Durga Puja ان کے تہوار درگا پوجا یا دیوالی کے موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔Happy Diwali,Happy Durga Puja جیسے الفاظ کے ساتھ،کیا اس طرح مبارکباد پیش کرنے سے وہ من رای منکرا ... ومن لم یستطع فبقلبه وذلك... کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوگا؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر اس میں گناہ ہے تو کس درجے کا؟ برائے مہربانی مفصل ومدلل جواب دیں۔

جواب: غیر مسلم حضرات کے تہوار وغیرہ ان کے مشرکانہ اعتقاد پر مبنی ہوتے ہیں؛ اس لیے ہمارے لیے مشرک سے برأت اور بے تعلقی کا اظہار ضروری ہے، اور چونکہ مبارکبادی دینے میں ان کے فکر وعقیدے کی توثیق وتائید ہوتی ہے؛ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے بسا اوقات یہ سلبِ ایمان کا بھی باعث ہوسکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

البتہ مولانا عبید اللہ اسعدی دامت برکاتہم (استاذِ حدیث وافتاء جامعہ ہتھورا) نے اپنی ایک تحریر میں الادب المفرد وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ غیر مسلموں کو انہیں کے مروج الفاظ میں مبارک بادی دیا کرتے تھے ،انہوں نے لکھا ہے کہ اس سلوک میں عیادت، تعزیت، شادی وغمی میں حدود کی رعایت کے ساتھ شرکت ان کے لیے اچھے جذبات کا اظہار اور خیر کی دعا وتمنا، ہدیہ وتحائف سب داخل اور سب ثابت ہیں، یہ سب کفر اور کفریہ امور پر رضا کے تحت نہیں ہوتا، اور نہ ہونا چاہیے، بلکہ سب مداراۃ، مصلحۃً وتالیفاً ہوتا ہے، اور ہونا چاہیے، لہٰذا ان تہواروں میں مبارک بادی کی بھی گنجائش ہے، ہر چیز میں اطلاقاً کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، نہ لگانا چاہیے، حالات پر نظر رکھنے والے اور سمجھنے والے احتیاط کرتے ہیں، دار العلوم دیوبند بھی اپنے بعض فتاوی میں مبارک بادی کی اجازت دی ہے۔(۱)

---

(۱) دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، جواب نمبر:14564901 Sep-2020: تاریخ اشاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کے لیے خیر کی دعا ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی سے کہا ''اطال الله حياتك واكثر مالك وولدك'' انہیں کی ایک روایت ہے ''لو قال لي فرعون بارك الله فيك قلت وفيك'' چھینک کے موقعہ پر یہودیوں سے کہا گیا ''يهديكم الله ويصلح بالكم'' بال میں بڑا عموم ہے، اس قسم کے معاملات نہ کفر پسندی میں داخل ہیں اور نہ کفار کی موالات ودوستی میں جو حرام وضع ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا (یہاں مولانا عبید اللہ اسعدی دامت بر کاتہم کی بات ختم ہوگئی) ان دونوں آراء سے صرف نظر اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ انہیں یہ دعا دی جائے، اللہ آپ کو دنیا واخرت کی خوشیاں عطا کرے۔ او پروالا آپ کو ہمیشہ کی سچی راحت عطا کرے اس طرح جائز مبارک بادی بھی ہے اور اسلام کی دعوت بھی۔

غیر مسلموں کے تہوار میں دعوتِ اسلام کے ارادے سے شریک ہونا اگر کوئی پختہ مزاج نومسلم یا مسلمان غیر مسلم تہوار میں جا کر دعوت دے سکتا ہے اور ماحول سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہیں ہے؛ تو اس کے لیے جائز ہے۔

غیر مسلموں کو مصحف دینا

کافر کو قرآن شریف دینا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) وہ پاکی کی حالت میں ہو، یعنی غسل کے بعد چھوئے۔ (۲) بشرطیکہ آپ کو یقین ہو کہ وہ قرآن مجید کی توہین نہیں کرے گا۔ اگر آپ کو یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ وہ قرآن مجید کی بے حرمتی کرے گا تو پھر ایسی صورت میں قرآن مجید دینا جائز نہیں۔ (۱)

غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینا کہ وہ اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے یہ جائز ہے، البتہ مسلمان کا اپنے اختیار سے غیر مسلم کو قرآن دینا منع ہے، ہاں اگر غیر مسلم غسل کرلے تو مسلمان اس کو قرآن دے سکتا ہے، اور اگر غیر مسلم خود اپنے طور پر قرآن بغیر وضو پڑھے

---

(۱) الثالثة: أنه يجوز دفع كتاب فيه شيء من آيات القرآن إلى مشرك بخلاف المصحف فإنه لا يجوز دفعه إليه إلا بعد ما اغتسل ولم يخف منه سوء الأدب (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۳، للشیخ المفتی شفیع رحمہ اللہ)

لے، اور مسلمان اس کو نہ دے تو اس کا گناہ مسلمان کو نہیں ہوگا۔

”وفي الذخيرة: إذا قال الكافر من أهل الحرب أو من أهل الذمة: علّمني القرآن فلا بأس بأن يعلمه ويفقهه في الدين، قال القاضي علي السغدي: إلا أنه لايمس المصحف، فإن اغتسل ثم مسه فلا بأس به" (۱)

اس قرآن کو پڑھ کر ہدایت پا سکتا ہے تو اسے قرآن مجید دے سکتے ہیں، قرآن مجید کی آیت ''**إنما المشركون نجس**'' باطنی نجاست مراد ہے۔ دوسری بات قرآن خود اپنے سلسلہ میں کہتا ہے کہ ”**هدى للناس**'' ظاہر بات ہے کہ لفظ ناس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں، لہذا جب قرآن کو پڑھیں گے اور سمجھیں گے نہیں تو قرآن ان کے لئے باعث ہدایت کیسے بن سکتا ہے؟

انگریزی یا کسی اور زبان میں صرف قرآن کا ترجمہ ہو، عربی الفاظ قرآن کے بغیر تو ایسا کرنا جائز نہیں (۲) اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اس کا احترام بھی ضروری ہے اور کافر کو وہ مصحف دینے میں مذکورہ بالا دونوں باتوں کی رعایت ضروری ہوگی۔ اگر غیر مسلم طلب صادق کے ساتھ قرآن مانگتا ہو تو مستند ترجمہ وتفسیر والا قرآن دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۳)

زمزم دینا

زم زم کا پانی کسی غیر مسلم کو دینا جائز ہے کوئی حرج نہیں، یہ پانی سارے انسانوں کے لیے شفاء وصحت کا ذریعہ ہے، ایسا کرنے میں اسلام اخلاق اور دینی رواداری کا اظہار بھی ہوتا ہے، اور اس میں سب کے لئے بھلائی کا پیغام ہے، اگر اللہ چاہے تو اس پانی کی

---

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲۳۱/۸، بحوالہ: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 144106200886

(۲) وفي الكافي: إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع (فتح القدير: ۱/ ۲۹۱، ط: زکریا دیوبند)

(۳) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 30473

برکت سے وہ مسلمان بھی ہوجائے۔

قربانی کا گوشت دینا

قربانی کا گوشت ہندو یا عیسائی یا کسی بھی غیر مسلم کو دے سکتے ہیں، اس میں کچھ گناہ نہیں؛ البتہ غریب مسلمانوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔

”ویهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا فی الغياثية (الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ۵: ۳۰۰، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

زکوۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلموں کو دینا

غیر مسلم کو زکات بالاتفاق نہیں دے سکتے ہیں، نذر اور کفارہ وغیرہ کی رقم دینے کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے، غیر مسلم کو زکات دینے سے زکات ادا نہیں ہوتی اور قرآن کریم میں زکات کے مصارف میں ”مؤلفة القلوب“ کا جو ذکر ہے، یہ مصرف دورِ صدیقی میں اِجماعِ صحابہ کے ذریعے منسوخ ہوچکا ہے، اب اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی کسی غیر مسلم حاجت مند کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔ (۲)؛ البتہ

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 164114

(۲) قال الكاساني: لا يجوز صرف الزكاة الى الكافر بلا خلاف لحديث معاذ رضي الله عنه: خذ من أغنيائهم وردها الى فقرائهم۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۹، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع الى المؤدى اليه، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، تاتارخانية: ۳/ ۲۱۱، ط: زكريا، الهندية: ۱/ ۱۸۸) وقال الحصكفي: سكت عن ”المؤلفة قلوبهم“ لسقوطهم اما بزوال العلة أو نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم لمعاذ في آخر الأمر: خذها من أغنيائهم و ردها في فقرائهم۔ قال ابن عابدين: قوله: (لسقوطهم) أي: في خلافة الصديق لما منعهم عمر رضي الله عنه، وانعقد عليه اجماع الصحابة۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وقال: فلا تدفع الى من كان من المؤلفة كافراً أو غنياً، وتدفع الى من كان منهم مسلماً فقيراً بوصف الفقر لا لكونه من المؤلفة۔ (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۳۴۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر، بيروت)

صدقاتِ نافلہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں لیکن مسلمان کو دینا اولیٰ و بہتر ہے، ایسے غیر مسلم جو فتنہ وفساد نہ پھیلا رہے ہوں اور حق دار ہوں تو ان کی مدد کی جائے، اس کے برعکس جو لوگ اسلام کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوں ان کی مدد نہ کی جائے۔

مسلمانوں کی غیر مسلم بھائیوں کی آخری رسوم میں شرکت اور مدد

سوال: ابھی لاک ڈاؤن کے درمیان کئی جگہ سے یہ خبر آئی کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کا جنازہ اٹھایا اور اسے شمشان گھاٹ تک پہنچایا، تو کیا شرعاً ان کا عمل جائز ہے؟ کیا مسلمان غیر مسلم میت کو غسل دے سکتا ہے، جو کپڑا اسے پہنایا جاتا ہو، پہنا سکتا ہے، اگر میت کو دفن کیا جاتا ہو تو دفن کر سکتا ہے، اور جلایا جاتا ہو تو کیا اس کی لاش کو جلا سکتا ہے، اور کیا اس کے جنازہ میں شامل ہو کر شمشان گھاٹ تک جانا درست ہوگا؟ (شاہنواز حسین، ملے پلی)

جواب: اس سلسلہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے، جب حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی "**اذهب فاغسله و كفنه و جننه و لا تحدثن شيئا حتى تأتيني**" (۱) "جاؤ اس کو غسل دو کفن دو اور اس کو چھپا دو، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام اس وقت تک مت کرنا جب تک کہ میرے پاس نہ آجاؤ"۔

یہ بات بھی احادیث میں آئی ہے کہ حضرت ابو طالب کی لاش کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی قبر پر تشریف لے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ:

الف: غیر مسلم میت کے جلوس جنازہ میں پسماندگان کی دلداری کے نقطۂ نظر سے یا آخری رسوم کے لئے افراد کار کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے جایا جا سکتا ہے۔

ب: مردہ کو غسل دیا جا سکتا ہے، یہ غسل بطور پاکی کے نہیں ہے؛ بلکہ صفائی ستھرائی کے طور پر۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۴۵۶

ج: مردہ کو جو کپڑا پہنایا جاتا ہے، اگر نہ پہنایا گیا ہو تو مسلمان اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

د: اگر اس کو دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے جیسا کہ عیسائی حضرات اپنے مردہ کو دفن کرتے ہیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔

: چوں کہ کسی بھی انسان کو جلانے کی ممانعت ہے؛ اس لئے مردہ کو آگ لگانا جائز نہیں؛ البتہ اگر اس کے ورثہ طلب کریں تو لکڑی اور تیل یا جو چیزیں جلانے کے لئے مطلوب ہوتی ہیں، فراہم کی جاسکتی ہیں؛ کیوں کہ یہ براہ راست آگ لگانا نہیں ہے، ایسے اسباب کا فراہم کرنا ہے جن کا استعمال جائز مقاصد کے لئے بھی ہوسکتا ہے؛ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ شامی فرمائے ہیں:

"ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه الكافر الأصلي عند الاحتياج من غير مراعاة السنة، فيغسله غسل الثوب النجس ويلفه في خرقة ويلقيه في حفرة"(۱)

''مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو (جو اصلاً غیر مسلم ہوں، مرتد نہ ہوں) غسل دے سکتا ہے، بہ وقت ضرورت کفن پہنا سکتا ہے، دفن کرسکتا ہے اور وہ اسے اس کی قبر میں ڈال سکتا ہے ایک اور بڑے فقیہ علامہ خطیب شربینی شافعی ہیں، وہ فرماتے ہیں: "ولا باس باتباع المسلم جنازة قريبه الكافر"(۲)

مسلمان کے اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے جنازہ کے ساتھ چلنے میں کوئی حرج نہیں' اس میں رشتہ دار کی قید لازمی نہیں ہے؛ بلکہ اتفاقی ہے، کیوں کہ عام طور پر غیر مسلم رشتے داروں ہی کی آخری رسوم میں شرکت کی نوبت آتی ہے؛ اس لئے فقہاء نے رشتہ

---

(۱) ردالمحتار: ۳/۱۳۴

(۲) مغني المحتاج: ۱/۳۵۹

دار کی بات لکھی ہے، حاصل یہ ہے کہ آخری رسوم اسلامی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فریضہ بھی ہے، اور شریعت میں دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے؛ اس لئے مسلمان کو تو غسل وغیرہ دینا واجب ہے اور غیر مسلموں کو غسل دینا جائز ہے۔(۱)

اس بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں کئی روایات موجود ہیں جس میں تابعی نے پوچھنے والے شخص سے کہا کہ اپنے کافر رشتہ دار کے جنازے کے آگے چل سکتے ہیں، ابو طالب کے جنازہ کی تجہیز وتکفین کا حکم کئی روایات سے ثابت ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عام حالات میں کافر کی تدفین وغیرہ کی اجازت نہیں دی؛ البتہ جب اس کا کوئی پُرسان حال نہ ہو تو اجازت ہے۔(۲)

آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ''غیر مسلم پڑوسی کی عیادت یا تعزیت کے لیے جانا درست ہے اور تعزیت میں یہ الفاظ کہنا چاہئے کہ "اللہ تعالی اس کا نعم البدل عطا فرمائے"؛ البتہ میت کو کندھا دینا اور مرگھٹ تک جانا اور ان کے مذہبی امور میں شرکت جائز نہیں، اس سے بچنا چاہئے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۳)

یہ ہی مسئلہ بھی جاننا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کا غیر مسلم کی نعش لاری میں لاد کر شمشان گھاٹ لے جانا کراہت سے خالی نہ ہوگا، اگرچہ اجرت پر حرام کا حکم نہیں ہوگا، پس مسلمان کو اس کام سے بچنا چاہئے۔(۴)

خصوصی احوال ہوں تو بات الگ ہے۔

---

(۱) فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

(۲) دیکھئے: الروض المربع، ابن قاسم: ۵/ ۳۱، الانصاف، مرداوی: ۲/ ۴۸۳

(۳) دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، جواب نمبر: 68270،
1437/L=12/1411- 1326:Fatwa ID

(۴) دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، فتوی نمبر: ۶۰۲۹۲۷۰، تاریخ اجراء: ۱۰/ ۳/ ۲۰۲۱ء

نومسلموں کے فقہی احکام

حالت کفر کے احکام

غیر مسلم کی چار قسمیں ہیں:

① جو سرے سے خدا ہی کا انکار کردے جسے دہریہ کہا جاتا ہے۔

② خدا کا قائل ہے مگر وحدانیت کا قائل نہیں بلکہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے، جسے مجوسی کہتے ہیں۔

③ خدا کا قائل ہے، وحدانیت کا بھی قائل ہے مگر رسالت کا انکار کرتا ہے۔

④ خدا، توحید، اور رسالت کا قائل ہے مگر رسالتِ محمدی کا منکر ہے۔

پہلی دو قسم کے لوگ ''لاالہ الااللہ '' یا ''اشھدان محمدارسول اللہ'' کہنے سے مسلمان شمار ہوجائیں گے، خدا وتوحید کا اقرار کافی ہے مسلمان قرار دئے جانے کے لیے۔

تیسری قسم کے کافر ''لاالہ الااللہ '' کے ساتھ ''اشھد ان محمدا رسول اللہ '' کہنا بھی لازم ہے، وحدانیت کے ساتھ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے۔

چوتھی قسم کے کافر کو توحید رسالت کے اقرار کے ساتھ اپنے سابقہ مذاہب سے برات بھی ضروری ہے۔

''یکفی ان یقول الیھود والنصرانی :انامسلم ،لان الیھود والنصاری یمتنعون عن قول :انامسلم ،فان

قال احدهم: انامسلم، فهو دليل اسلامه" (۱)

① کافر مسلمانوں کے انسانی بھائی ہیں، سب ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور بھائی راستہ بھٹک جائے تو دوسرے بھائی کی ذمہ داری ہے کہ اسے سیدھے راستہ پر لائے۔

② غیر مسلم اپنے کفر کی وجہ سے عداوت کے نہیں دعوت کے مستحق ہیں، دعوت اسلام کے بغیر ان سے عداوت (جنگ وجہاد) اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔

"امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لااله الا الله وان محمد ارسول الله ،فاذفعلواذلک عصموا منی دمائهم واموالهم الابحق الاسلام ،وحسابهم على الله"۔(۲)

③ کافر جسمانی اعتبار سے پاک ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے ناپاک ہے، لہٰذا کافر کا مسجد میں آنا بلاکراہت جائز ہے، جسمانی ناپاکی کی حالت میں مسلمان کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی میں کفار کا قیام ہوتا تھا۔

④ کافر کو قرآن شریف دینا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) وہ پاکی کی حالت میں ہو، یعنی غسل کے بعد چھوئے (۲) اس سے کسی قسم کی بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو

الثالثة: أنه يجوز دفع كتاب فيه شيء من آيات القرآن إلى مشرک بخلاف المصحف فإنه لا يجوز دفعه إليه إلا بعدما اغتسل ولم يخف منه سوء الأدب (۳)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار: ۳/ ۳۱۵، الفقه الاسلامی وادلته: ۲/ ۴۲۶

(۲) صحیح بخاری، حدیث: ۳۸۵۔

(۳) احكام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۳۔

کافر اگرچہ فروعات کے مکلف نہیں مگر قرآن کا احترام ہم پر واجب ہے اس لیے غسل واحترام کا حکم کریں، اگر غیر مسلم طلب صادق کے ساتھ قرآن مانگتا ہو تو مستند ترجمہ وتفسیر والا قرآن دینا بہتر ہے۔

⑤ کفار کو اُن کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے، شہرت مل جاتی ہے، مال و دولت کی ریل پیل ہو جاتی ہے، دنیا میں عزت اور وقار بھی مل سکتا ہے۔

"**وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝**" (۱)

⑥ کافر اسلام قبول کرنے کے بعد حالت کفر میں کئے گئے اعمال کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ عدل اعتبار نہیں کیا جائیگا، کیونکہ عبادت کے لیے نیت شرط ہے، اور جس کی عبادت کر رہا ہے اس سے عقیدت شرط ہے، اور کافر میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں۔

البتہ فضل کے اعتبار سے ارحم الراحمین کی ذات جب سیئات کو حسنات میں بدلنے پر قادر ہے تو حسنات کا اعتبار کرنے پر بدرجۂ اولی قادر ہے۔ "**فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ**" (۲)

حالت کفر کے برے اعمال اسلام لانے کے بعد کالعدم ہو جائیں گے، اسلام کے بعد کفر کی حالت کے گناہ کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ "**الاسلام يهدم ما كان قبله**" (۳)

⑦ غیر مسلم کے تہوار میں شرکت کرنا: غیر مسلموں کے تہوار میں مشرکانہ تصورات پائے جاتے ہیں جب اسلام غیر مسلموں کی عبادت کے وقت نماز سے منع کرتا ہے تو براہِ راست مشرکانہ تصور میں شرکت سے بدرجۂ منع اولی کرتا ہے۔

---

(۱) الفرقان:۲۳

(۲) الفرقان:۷۰

(۳) صحیح مسلم، باب کون الاسلام یهدم ما کان قبله، حدیث:۱۹۲۔

⑧ غیر مسلم کے تعزیت کی اجازت ہے اس سے کفار کے دل میں قدر ومنزلت بڑھتی ہے، البتہ مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے یہ الفاظ کہیں۔ **"اصلح اللہ بالك واخلفك"** (۱)

مسلمان اگر اپنے کافر رشتہ دار کے جنازہ کے ساتھ چلنا چاہے تو اس کے کسی مذہبی عمل میں شرکت کئے بغیر محض جنازہ کے پیچھے چل سکتا ہے۔ **"ولا باس باتباع المسلم جنازة قريبه الكافر"** (۲)

⑨ کافر اگر حالت جنابت میں اسلام قبول کرے تو غسل کرنا واجب ہے، اگر جنابت کی حالت نہ ہو تو غسل کرنا مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک بہر حال غسل کرنا واجب ہے **"وواحد مستحب وهو غسل الكافر اذا اسلم ولم يكن جنبا"** (۳)

⑩ اگر کوئی عورت حالت حیض میں اسلام قبول کرلے تو پاک ہونے کے بعد غسل کر کے ہی نماز ادا کرے گی، اور اگر حالت کفر میں ہی حیض سے پاک ہونے کے بعد اسلام قبول کرے تو غسل مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

"ونص الحنفية على انه لو حاضت الكافرة فطهرت ثم اسلمت فلا غسل عليها، ولو اسلمت حائضا ثم طهرت وجب عليها الغسل" (۴)

⑪ اگر کوئی ہندو مسلمان بنتا ہے تو اس پر ختنہ کرنا شرعاً سنت مؤکدہ اور ضروری ہے، اسلام کی خاص علامات میں سے ہے تو یہ اسلام پر ثابت قدمی میں معین ہوگا؛

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الجنائز: ۱/ ۸۴۲

(۲) مغنی المحتاج: ۱/ ۳۵۹

(۳) فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۶

(۴) فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۶

البتہ اگر وہ نومسلم اس قدر ضعیف وکمزور ہو کہ وہ ختنہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو اس پر ختنہ کرنا لازم نہیں ہے، اگر وہ نومسلم ختنہ کی تکلیف برداشت کر سکتا ہے پھر بھی ختنہ نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوگا، مسلمان ہونے کا مدار ختنہ پر نہیں ہے، البتہ بلاعذر ایک سنت مؤکدہ کو ترک کرنے کا گناہ ملے گا، نیز ختنہ کے بغیر مرد کے لیے پیشاب سے مکمل طہارت و پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی؛ کیونکہ پیشاب کے کچھ نہ کچھ قطرات اس چمڑی کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر خدشہ ہے کہ بعد میں نکل کر پڑے اور بدن نجس اور ناپاک رہ جائے: في الذخيرة أن المسلم يختن ما لم يبلغ فإذا بلغ لم يختن لأن ستر عورة البالغ فرض والختان سنّة فلا يترك الفرض للسنة، والكافر إذا أسلم يختن بالاتفاق لمخالفته دين الإسلام وهو بالغ (ج:۳/ص:۹٦) وكذا المجوسي إذا أسلم وهو شيخ ضعيف أخبر أهل لابصر أنه لا يطيق الختان يترك (۱)

نوٹ: ختنہ کی اہمیت کی وجہ سے پہلے سے کسی کافر کو ختنہ کے بارے میں خبر نہ کیا جائے بعض مرتبہ یہ ہیبت کا سبب بن جاتا ہے، اور اسلام سے تنفر کا ذریعہ ہوتا ہے، جبکہ ختنہ سے زیادہ اہم اسکا اسلام قبول کرنا ہے، جب اسلامی اور ختنہ کی افادیت سے باخبر ہوگا تو خود بخود ختنہ کرا لے گا۔

(۱۴) اگر کوئی شخص خفیہ طور پر اسلام قبول کرے اور خفیہ طور پر نماز اور احکام اسلام پر عمل کرے، تو یہ شخص مسلمان ہے، گو کہ وہ کافر والدین کے گھر کھانا پینا کرتا ہو، اس کی وفات پر تجہیز وتدفین اسلامی طور پر ہوگی۔ (۲)

---

(۱) الفتاوى الخانية على الهندية: ۳/ ۴۰۹، كتاب الحظر والإباحة/ فصل في الختان، ط: زكريا

(۲) الفقه على المذاهب الاربعه: ۱/ ۴۵۷۔

⑬ نومسلم شخص کے کافر والدین یا رشتہ دار نومسلم کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی تمنا کریں اور مسلمان وکافروں کے قبرستان الگ الگ ہوں تو انہیں اس کی اجازت نہیں، نومسلم کو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا مکروہ ہے، مخلوط قبرستان ہوں اور کوئی مستقل جگہ میسر نہ ہوتو دفنانے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر نومسلم کے رشتہ دار بہت زیادہ اصرار کریں منع کرنے میں بہت زیادہ دل آزاری یا فتنہ کا اندیشہ ہوتو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے گی، البتہ ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں کسی کافر کی قبر پہلے سے نہ ہو، وہاں نماز کی جگہ ہوتو وہیں نمازِ جنازہ بھی ادا کرنا جائز ہے۔

"ولا باس بالصلاة فيها اذا كان فيها موضع اعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما فى الخانية ولا قبل الى قبر"(۱)

⑭ اسلام قبول کرنے کے بعد اتنا وقت دیا جائے گا جس میں وہ احکام شریعت جان کر انہیں سیکھ لے اور جتنا جلد ہو سکے وہ سیکھنے کی کوشش کرے، چنانچہ:

جب تک کلام اللہ کا کچھ حصہ یاد نہ ہوجائے نماز میں تکبیر تحریمہ کے اور رکوع کے درمیان میں خاموش کھڑا رہے گا، البتہ تکبیر تحریمہ سیکھنا آسان ہے اس لئے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" فوری سیکھنا لازم ہے تاکہ نماز صحیح ہوجائے۔

کلام اللہ یاد نہ ہونے کی صورت میں قرأت کی جگہ تحمید وتسبیح وتہلیل کرتا رہے، عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں قرات کرے گا تو صرف احناف کے نزدیک نماز ہوگی، اگر کوئی سورت یا چند آیات یاد ہوجائیں تو دوسری زبان میں قرأت یا قرأت کی جگہ تسبیح وغیرہ درست نہیں ہے۔

"فاذاحفظ شيئامن القرآن آية تامة اوفاتحة الكتاب

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوۃ قبیل مطلب "تکرہ الصلوۃ فی الکنیسة"

وسورة لم يجز له الاكتفاء من التسبيح وامثاله وهذا ظاهر"(۱)

کفار کا حالتِ کفر میں کیا ہوا نکاح درست ہے

کافر اور مشرک کا حالتِ کفر وشرک میں کیا ہوا نکاح شرعاً معتبر ہے کہ اگر زوجین ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو از سر نو نکاح نہ کرنا پڑے گا؛ بلکہ حالتِ کفر میں کیے ہوئے نکاح کی بنیاد پر اسلام لانے کے بعد بھی انہیں زوجین میاں بیوی قرار دیا جائے گا، ان کے وہ نکاح درست ہیں جو ان کے مذہب وعقیدہ کے مطابق درست ہوں ۔

"انكحة الكفار صحيحة،يقرون عليها ان اسلموا"(۲)

نوٹ: ایک ساتھ اسلام قبول کرنے کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ بیک وقت دونوں کلمہ پڑھیں اگر تقدیم وتاخیر سے کلمہ پڑھنے پر نکاح فاسد قرار دیں تو حرج لازم آئے گا، اس صورت میں بہت کم نکاح باقی رہ پاتے ہیں، اس لئے مجلس واحد کا اعتبار کیا جائے گا کہ دونوں ایک ہی مجلس میں کلمہ پڑھے ہوں۔

"وقيل: هما على نكاحهما ان اسلما فى المجلس وهو احتمال فى "المغنى" قلت :وهو الصواب ، لان تلفظهما بالاسلام دفعة واحدة "فيه عسر"(۳)

حالتِ کفر میں محرم سے کیا گیا نکاح

حالت کفر میں اگر محرم نسبی یا سببی کسی کی زوجیت میں موجود عورت سے نکاح کیا ہو تو اسلام کے بعد ان کے مابین تفریق کر دی جائے گی، اسلام میں اس قسم کے نکاح جائز نہیں ہیں۔

---

(۱) اعلاء السنن: ۲/۲۴۴

(۲) المغنی لابن قدامه: ۷/۱۵۱، دار عالم الكتب للطباعة والنشر

(۳) الانصاف: ۲۱/۱۹، احكام اہل الذمة: ۱/۳۱۸

”فان كانت المرأة على صفة لايجوز له ابتداءنكاحها كاحدى المحرمات بالنسب والسبب اولمعتدة والمرتدة والوثنية والمجوسية والمطلقة ثلاثالم يقر“(۱)

دو بہنوں سے نکاح ہوا ہوتو:

① اگرایک ہی عقد میں دونوں سے نکاح کیا ہےتو اسلام لانے کے بعد کسی ایک کوبھی اپنے نکاح میں رکھنے کا اختیار نہیں ہوگا، کسی ایک سے ازسرِ نونکاح ہوگا۔

② اگر پہلے ایک بہن سے دوسری مجلس میں دوسری بہن سے ہوا ہےتو پہلا نکاح درست ہے دوسرا باطل ہے۔

③ ایک ہی عقد میں دونوں سے نکاح کی صورت میں اسلام لانے سے پہلے ہی کسی ایک کو حالت کفر میں ہی طلاق دیدیا ہےتو جوفی الوقت نکاح میں ہے وہ نکاح اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہے گا۔

”لوتزوج أختين فى عقدة واحدة فارق احداهما قبل الاسلام، ثم أسلم أن الباقية نكاحها على الصحة حتى يقراعليه، كذفى الكافية“(۲)

حالتِ کفر کی چار سے زائد بیویاں

قرآن وحدیث وآثار صحابہ کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ایک مرد کو چار سے زائد بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے، جس کو چاہے رکھے جس کو چاہے چھوڑ دے۔”امسك اربعاوفارق سائرهن“(۳)

(۱) المغنى لابن قدامة:۷/۱۰۱

(۲) فتاوی ہندیہ:۱/۷ ۳۳

(۳) تحفة الاحوذى شرح ترمذى ،باب ماجاء فى الرجل يسلم وعنده عشر نسوة: ۴/ ۲۳۳

ماں یا بیٹی سے نکاح

اسلام میں محرمات سے نکاح جائز نہیں ہے، اسی طرح آپسی محرمات کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے، مثلاً بھانجی، بھتیجی، وغیرہ کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسلام سے قبل محرمات میں سے کسی سے ایک ہی عقد میں دو سے نکاح ہوا ہوتو کوئی نکاح درست نہیں ہوگا، اسلام کے بعد دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔

① دخول سے قبل تفریق کی صورت میں نہ مہر واجب ہوگا اور نہ ہی عدت واجب ہوگی۔ ”لو كان الحربی تزوج أما وبنتا ثم اسلم، فان كان تزوجها فی عقد واحد فنكاحهما باطل“(۱)

② اگر دخول کے بعد تفریق ہوتو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا اور جس کی تفریق ہوگی اس پر عدت بھی واجب ہوگی۔

③ اگر ہر ایک سے الگ الگ عقد میں نکاح ہوا اور کسی سے دخول نہیں ہوا ہوتو پہلے جس سے نکاح ہوا وہ درست ہوگا، دوسرا نکاح باطل ہوجائے گا، اگر دونوں سے دخول ہوگیا تو بالاجماع نکاح باطل ہوجائے گا۔

”وان تزوجهما متفرقا فنكاح الاولى جائز ونكاح الأخرى باطل فی قول ابی حنيفة وابی يوسف وهذا اذا لم يكن دخل بواحدة منهما، ولو انه كا دخل بهما جميعاً فنكاحهما جميعاً باطل بالاجماع“(۲)

④ اگر یاد نہیں رہا کہ کس سے پہلے نکاح ہوا تھا تو اسلام لانے کے بعد تفریق کرادی جائیگی کیونکہ کسی ایک نکاح یقینا فاسد ہے اور وہ مجہول ہے، تفریق نہ کرائی جائے

---

(۱)　الفتاوی التاتارخانیہ: ۱۷۵/۳

(۲)　فتاوی هندیه: ۳۳۹/۱

توحرام طریقہ پر جماع کرنا پایا جائے گا۔(۱)

کوئی ایک اسلام قبول کرلے

اگر زوجین کافر مشرک ہوں اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے:

شوہر بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دوسرے فریق پر بذریعۂ قاضی اسلام پیش کیا جاوے گا، اسلام قبول کرلیا تو نکاح برقرار رہے گا، اگر قبول نہ کرے تو تفریق کرائی جاوے گی۔ "ولو اسلم احدالزوجين عرض الاسلام على الأخر فان أسلم والا فرق بينهما"(۲)

اسلام پیش کرنے پر کوئی جواب نہ دے بلکہ خاموش رہے تو قاضی احتیاطاً تین بار جنت کی بشارت اور آخرت کا خوف دلاکر فہمائش کے ساتھ اسلام پیش کرے گا، پھر بھی خاموش رہے تو انکار پر محمول کرکے تفریق کرادی جائے گی۔

لڑکا یا لڑکی نابالغ ہوں اور دونوں میں کوئی ایک اسلام قبول کرلے اور دوسرا اسلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے تو اس کے فہم وفراست کا انتظار کیا جائے گا، بالغ ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، سمجھداری محسوس ہو تو مذکورہ طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ "ولا ينتظر بلوغه"(۳)

اگر دوسرا فریق پاگل ہے تو والدین پر اسلام پیش کیا جائیگا، والدین کے اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے پر نکاح کا فیصلہ کیا جائیگا، والدین میں کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو بھی "الولد يتبع خير الابوين دينا" کے تحت مسلمان شمار کیا جائے گا۔(۴)

ہندوستان میں کیا حکم ہے؟

ہندوستان میں غیر مسلموں کا سیاسی غلبہ ہے اسلئے یہاں حکم یہ ہے کہ: میاں بیوی

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته، دکتور وهبه زحیلی: ۷/۱۶۳

(۲) فتاوی ہندیه ۱/۳۳۸

(۳) فتاوی هندیه: ۱/۳۳۸

(۴) الدر المختار علی ہامش الرد، باب نکاح الکافر: ۲/۴۲۷۔

میں سے جو بھی اسلام قبول کرے بہرصورت عورت حائضہ ہو تو تین حیض، نابالغہ یا آئسہ ہو تو تین ماہ، حاملہ ہو تو وضع حمل تک دوسرے فریق کے اسلام کا انتظار کرے گی اگر اسلام نہیں لایا تو خود بخود رشتۂ مناکحت ختم ہو جائے گا، عدت کی مدت عرضِ اسلام کے قائم مقام اور عدت ختم ہو جانا تفریقِ قاضی کے قائم مقام شمار کی جائے گی۔

❁ ہندوستان میں اگرچہ غیر مسلموں کا تسلط ہے مگر دعوت دین کے بہت سے مواقع میسر ہیں تو کافر میاں بیوی میں سے جو بھی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی ایک جماعت دوسرے پر اسلام پیش کرے، تبشیر و انذار کے ذریعہ اسلام سے قریب کرنے کی حتی الامکان کوششیں کی جاویں، زوجین میں کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو ہر ایک کی دوسرے کے لیے بہت فکر و دعائیں بھی شروع ہو جاتی ہیں، عدت کے فوری بعد تفریق کی صورت میں گذر بسر، نکاحِ ثانی، رہن سہن، سماجی و عائلی مسائل بھی عورت کے لیے کافی مشکل ہو جاتے ہیں، بگڑے ہوئے معاشرہ میں نو مسلموں کے کوئی ہمدردی کا جذبہ بھی نہیں ہوتا ہے، تو کوئی ایک اسلام قبول کر لینے کے بعد (خواہ عدت گذر جائے) کچھ دنوں تک ساتھ رہیں، البتہ ازدواجی رشتہ قائم نہ کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کو مصلحتاً اسلام ظاہر کرنے سے منع فرما دیا تھا، جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، اپنے ساتھی کو اسلام کی دعوت حکمت سے دیتا بھی رہے، مسلمانوں کی جماعت محنت کرتی رہے، اگر یہ رہنا گناہ بھی ہو تو دوسرے فریق کے اسلام کا ذریعہ بننے کی صورت میں ربِ کریم سے امید ہے کہ معاف کر دے گا۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر تفریق کی بات کی جائے تو اسلام لایا ہوا شخص بھی اپنی اولاد کی وجہ سے یا زوجیت باقی رکھنے کے اصرار میں مرتد ہونے تیار ہو جاتا ہے، یا شرط لگالیتا ہے کہ اسلام تو قبول کرلے گا مگر کافر بیوی بچوں کو نہیں چھوڑے گا، اسلام کو اگرچہ کسی کے مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی

نجات کا درد تھا اس کے پیشِ نظر گوان کا رہنا گناہِ کبیرہ ہوگا مگر مخلد فی النار ہونے سے بچ جائیں گے، نیز بہت ممکن ہے کہ اسلامی تعلیمات واخلاقِ حسنہ کا جلد اثر ظاہر ہو اور دوسرا فریق خود بخود تائب ہوکر اسلامی زندگی گذارنے پر راضی ہوجائے۔(۱)

مرتدین کے احکام

آج کل ہر آئے دن نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، کہیں دیندار انجمن، کہیں شکیلیت کا فتنہ، کہیں فیاضیت کا، کہیں غامدیت وغیرہ اور نئے فتنے کو دانہ پانی اور سہارا دینے کے لیے ایک طبقہ پیدا ہوجاتا ہے، یہاں مختصراً مرتدین کے احکام لکھے جارہے ہیں تفصیل کے لیے کتاب ''نومسلموں کے مسائل'' دیکھنا مفید ہے۔

① اگر میاں بیوی نعوذ باللہ ایک ساتھ مرتد ہوجائیں مثلاً ایک ساتھ دونوں نے کلمہ کفر کہا یا اسلامی تعلیمات کی ایک ساتھ اہانت کی، بتوں کو ایک ساتھ سجدہ کیا، کفر کا کوئی بھی کام دونوں نے ایک ساتھ کیا، یا بھول گئے کہ کس نے پہلے کفر کیا، تب بھی یہی مانا جائے گا کہ ایک ساتھ کفر کیا ہے، اس صورت میں دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے، اور پھر جب دونوں اسلام قبول کرلیں، تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، گویا ان کا کام اسی طرح ہوگا جیسے کہ کافر زوجین نے اسلام قبول کیا ہو۔ ''وبقي النكاح إن ارتدامعا ثم أسلما كذلك''(۲)

یہ مسئلہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحسانا ہے، کیونکہ زوجین کے درمیان اختلاف دین نہیں پایا گیا، حنابلہ وشوافع کے نزدیک ان کا نکاح ختم ہوجائے گا۔

② اگر کسی عورت کا شوہر العیاذ باللہ مرتد ہوجائے تو ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ نکاح خود بخود فسخ ہوجائے گا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ ''فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ''(۳)

---

(۱) مستفاد: نومسلموں کے مسائل: ص، ۳۰۶، از مفتی عاشق الٰہی پھلتی۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۳۴۷/۲ (۳) سورۃ الممتحنۃ:۱۰

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”وجملة ذلك أنه اذاارتدأحدالزوجين قبل الدخول انفسخ النكاح فی قول عامة أهل العلم“(۱)

اگر مرتد مسلمان ہوجائے اور عورت اس کے ساتھ رہنا چاہے تو عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کے ساتھ رہے یا دوسرا نکاح کرلے، کیونکہ شوہر کے ارتداد کی وجہ سے وہ اس کے نکاح سے نکل گئی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر مرتد ہونے کی صورت میں عدت گذرنے کا انتظار کیا جائے گا۔

③ میاں بیوی میں سے صرف بیوی مرتد ہوجائے (قادیانیہ/شکیلیہ/فیاضیہ/غامدیہ/ وغیرہ بن جائے) تو نکاح ختم ہوجانے کے متعلق علمائے احناف کے تین قول ہیں:

[۱] ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ”نکاح ختم ہوجائے گا، تجدید اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اپنے اسی پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کیا جائے گا، دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت نہ رہے گی، مگر یہ مجبور کرنا حاکم وامامِ وقت کا کام رہے گا۔

”منكوحة ارتدت -والعياذبالله- حكی عن أبی النصر وأبی القاسم الصفار، أنهما قالا: لاتقع الفرقة بينهما حتی لاتصل الی مقصودها ان كان مقصودها الفرقة، وفی الروايات الظاهرة تقع الفرقة وتحبس المرأة حتی تسلم ويجددالنكاح سداًلهذاالباب عليها“(۲)

[۲] علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ بلخ وسمرقند نے معصیت کا

(۱) المغنی لابن قدامة: ۳۹/۱۰

(۲) فتاوی خانيه علی هامش الهنديه: ۵۶۲/۱

دروازہ بند کرنے کے لیے اس پر فتوی دیا ہے کہ ''مرتدہ بدستور شوہر اول کے نکاح میں رہے گی ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا'':

''وأما بعض مشائخ بلخ وبعض مشائخ سمرقند كانوا يفتون بعدم الفرقة بارتد المرأة حسما لباب المعصية'' (۱)

[۳] نوادر کی روایت ہے کہ ''وہ عورت باندی بنا کر رکھی جاوے گی، شوہر کو بدستور اس پر قبضہ رہے گا، البتہ قبضے کے لیے امام کی اجازت ضروری ہے، یعنی امام المسلمین سے قیمۃً خریدے، اگر دار الحرب میں ہے تو امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

[۴] ہندوستان میں مرتدہ کے لیے دوسری صورت پر عمل ممکن ہے، پہلی اور تیسری صورت اس ملک میں قائم کرنا دشوار و ناممکن سا ہے۔ اس لیے اسی پر فتوی دیا جایے گا، ارتداد کو بعض نے پہلے مرد سے چھٹکارے کا ذریعہ بنالیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں اسی بات کو ترجیح دی ہے (۲) نیز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''حکم الزواج فی اختلاف دین الازواج'' رسالے میں جو ''الحیلة الناجزه'' کا ضمیمہ ہے، اس میں بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

[۵] البتہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ ایسی عورت کے لیے کچھ مہر مقرر کر کے سابق شوہر سے ہی از سرِ نو نکاح کر دیا جائے، جب تک تجدید نکاح نہ ہو جماع سے رکا رہے۔ (۳)

شوہر کا بار بار مرتد ہونا

اگر شوہر بار بار مرتد ہوتا ہے اور تجدید اسلام کرتا ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول

---

(۱) فتح القدير مع الكفاية: ۲۹۶/۳

(۲) الحليلة الناجزه للتهانوى رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۲:

(۳) فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳۴۳/۸

اس کی بیوی حلالہ کے بغیر بھی محض نکاح سے حلال رہے گی، شوہر کے لیے قضائے قاضی یا عدت گذرنے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

"فلوارتد مرارا وجدد الاسلام فی کل مرة ، وجدد النکاح علی قول أبی حنفیة تحل المرأة من غیراصابة زوج ثان"(۱)

نومسلم کے نفقہ کے احکام

مرد اسلام قبول کرنے کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ مرد سے نفقہ کا مطالبہ کرے، مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ لازم ہے، اختلاف دین نفقہ سے مانع نہیں ہے۔ "اتفق الفقهاء علی وجوب النفقة للزوجة مع اختلاف الدین مالم یکن ناشزة اومرتدة"(۲)

بیوی کے علاوہ اپنے دیگر اعزہ واقارب کا نفقہ نومسلم پر لازم ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے پاس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اصول کے نفقہ کے لیے اتحاد دین شرط نہیں ہے۔ لہٰذا نومسلم پر اپنے والدین، دادا، دادی، اولاد کا نفقہ لازم رہے گا۔

اسلام میں والدین کی وقعت جس قدر بیان کی گئی ہے، دیگر مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی، کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ **"وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا"**(۳) اس لئے نومسلم اگر صاحب استطاعت ہو تو والدین کا نفقہ برداشت کرنا لازم ہے، اختلاف دین کے وجہ سے ان سے بے تعلقی ولا پرواہی درست نہیں ہے، شاید اس حسن سلوک کے نتیجہ میں وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائیں۔

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/ ۴۲۵، بحوالہ "نومسلموں کے مسائل: ۳۴۳

(۲) الفقه الاسلامی وادلته، ڈاکٹر وہبہ زحیلی: ۷/ ۷۷۰

(۳) سورۃ لقمان: ۱۵۔

نوٹ: والدین کا نفقہ واجب ہونے کے لیے فقہاء نے دو شرطیں لازم قرار دی ہیں:

پہلی شرط: نومسلم پر کافر والدین کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا جبکہ والدین محتاج ہوں، کمانے کی قدرت رکھتے ہوں یا نہ ہوں۔(۱)

دوسری شرط: جو مال نومسلم کے پاس ہے اس کی ضروریات سے زائد ہو، اگر اس کی خود اتنی ضروریات ہیں کہ اس کے لیے کافی نہیں ہو رہا ہے تو والدین کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ "ابدأ بنفسك ثم بمن تعول"(۲)

مگر موجودہ ہندوستان میں لڑکا مسلمان ہوجانے کے بعد مسئلہ کی رو سے والدین کے نفقہ سے سبک دوش ہوجائے اور انہیں کسب معاش پر مجبور کرے تو یہ حسن سلوک کے خلاف ہے، جب اولاد کی کمائی کا کوئی حصہ والدین کو نہیں ملے گا تو کس قدر تکلیف ہوگی، مسلمان ہوجانے کے بعد اپنے والدین کو کسب کے لیے پریشان دیکھنا کون گوارا کرے گا، جب ان کے بھی اسلام کی تڑپ دل میں ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ سے بچ جائیں، تو اولاد کے لیے یہ سنہرا موقع ہے کہ اپنی کمائی اور حسن سلوک سے انہیں اسلام سے قریب کرے، اس لیے بعض علماء نے یہ رائے پیش کی ہے کہ ''کافر والدین اگر محتاج نہ بھی ہوں مگر اولاد میں استطاعت ہے تو نفقہ واجب کردیا جائے''۔(۳)

اولاد کا نفقہ نومسلم باپ پر واجب ہونے کے لیے بھی فقہاء چند شرائط ذکر کئے ہیں:

① اولاد محتاج ہو ان کے پاس مال نہ ہو۔(۴)

② اولاد نابالغ ہو، البتہ لڑکیوں کا نفقہ ان کے بالغ ہونے کے بعد بھی والد کے ہی ذمہ رہے گا۔(۵)

---

(۱) فتح القدیر: ۴/ ۲۲۰ (۲) سنن نسائی، باب ای الصدقة افضل: ۱/ ۳۵۳

(۳) مستفاد: نومسلموں کے مسائل: ۷ ۳۴

(۴) فتاوی ہندیہ: ۱/ ۵۶۲ (۵) الفقه الاسلامی وادلته: ۷/ ۸۲۴

③ اولاد آزاد ہو کسی کی غلام نہ۔

④ باپ کے پاس نفقہ کی وسعت ہو۔(۱)

② بیوی کے نفقہ کے لیے بھی اتحاد مذہب شرط نہیں۔

البتہ غیر کتابیہ سے نکاح کے بعد شوہر مسلمان ہوجائے ،اور بیوی پر اسلام پیش کرنے کے بعد بیوی کے انکار کردینے پر جب تفریق کرادی جاوے گی تو نفقہ بھی واجب نہ ہوگا،اس کے برعکس عورت اسلام قبول کرلے،اور مرد اسلام لانے سے انکار کردے تو عورت کو نفقہ وسکنی دونوں ملیں گے خواہ مرد کتابی ہو یا غیر کتابی۔(۲)

نوٹ: اصول وفروع کا نفقہ اس لیے لازم ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہیں،جس طرح انسان کفر کے باوجود خود کو ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے،اسی طرح اپنے جزء کی بھی حفاظت کرنا ضروری ہے،بیوی کا نفقہ اس لئے لازم ہے کہ نفقہ کا سبب احتباس ہے جب عورت محبوس ہے تو نفقہ (مسبب) بھی واجب ہے۔

۳) مذکورہ لوگوں کے علاوہ رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہونے کے لیے اتحاد مذہب شرط ہے،گویا اس کا حکم میراث کے حکم کی طرح ہے۔

”والا یجبر المسلم علی نفقة الکفار من قرابته ولا الکافر علی نفقة المسلمین من قرابته الاالزوج والوالدان والولد“(۳)

نومسلموں کے نام کی تبدیلی

اسلام قبول کرنے کے بعد اگر نومسلم کا نام کفریہ یا شرکیہ یا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے تو بدلد یا جائے گا،جیسے ”شیوکمار،سیوک رام،ارجن،رام داس“وغیرہ ،کیونکہ

---

(۱) نومسلموں کے مسائل:۳۵۰

(۲) فتاوی تاتارخانیہ:۲۵۹/۴

(۳) الفتاوی التاتارخانیه:۲۵۸/۴

صفات الٰہی میں شرک جائز نہیں ہے، اور اگر شرعاً قباحت نہ بھی ہو تو بھی بدل دینا بہتر ہے جیسے آکاش، سمن، پونم وغیرہ تاکہ اسلامی نام سے شناخت و پہچان ہو، اور تشبہ بالکفار سے بچا جاسکے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نامناسب نام بدل دیا کرتے تھے۔ "کان یغیر الاسم القبیح "(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی کا نام عاصیہ (گناہ گار) تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام بدل کر جمیلہ (خوبصورت) نام رکھا۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ناموں کو ناپسند فرمایا ہے جن سے بدشگونی گمان ہوتا ہو، اگر کسی کا نام ''وجے'' یا ''اجے'' ہو جس کے معنی کامیابی کے ہیں، اگر کسی نے وجے پکارا اور کہا گیا کہ وجے نہیں ہے، یعنی کامیابی نہیں ہے، جس سے بظاہر بدشگونی ہوتی ہے، جیسے عربی میں "رباح، نجیح ،افلح "وغیرہ نام ہیں، اگر غیرعربی میں خدا کی طرف منسوب نام رکھا ہے تو وہ نام اللہ کے صفات پر مکمل صادق آتا ہو تو بدلنا ضروری نہیں ہے جیسے ''شیر خدا'' یہ اسد اللہ کے معنی میں ہے یا جیسے ہندی میں ''بھگوان داس'' نام رکھا ہے، مگر تشبہ بالکفار اور اسلامی امتیاز کے لیے بدلنا بہرصورت بہتر ہے، چنانچہ ایک صحابی کا نام ''ابوالحکم'' تو فرمایا: حکم تو اللہ کی ذات ہے، ''ابوشریح'' بیٹے کی طرف منسوب کرکے نام تجویز فرمادیا۔ (۳)

نام بدلنے میں دشواری ہو تو

اس ترقی یافتہ دور میں نام کی تبدیلی بعض مرتبہ کوئی دشواریوں کا سبب بن جاتی ہے، مثلاً مذہبی عصبیت کا شکار بنایا جاتا ہے، حکومتی اداروں میں اندارج شدہ نام کی تبدیلی کی وجہ سے سرکاری نوکری داؤ پر لگ جاتی ہے، معاشی تنگی کی وجہ سے بعض مرتبہ اسلام پر باقی رہنا دشوار ہوجاتا ہے، اس صورت میں شریعت میں دو طرح کا اختیار دیا گیا ہے:

---

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵۸۶

(۲) سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵۸۶

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب فی تغییر الاسم القبیح، حدیث: ۱۵۸۶

۱) شرکیہ وکفریہ نام میں تبدیلی کر کے اسی زبان میں کوئی دوسرا نام تجویز کرلیا جائے تا کہ گناہ سے بھی محفوظ ہواور کوئی پریشانی بھی نہ ہو۔"المشقة تجلب التيسير"

۲) پرانا نام تبدیل نہ کیا جائے اور اسلامی نام بھی رکھ لیا جائے ،سرکاری مواقع میں پرانا نام ہی استعمال ہواور عام حالات میں اسلامی نام سے شناخت بنائی جائے، محض نام کی وجہ سے کسی کے اسلام میں دشواری نہ پیدا کی جائے۔

"ويجوز التسمية باكثر من اسم واحد الاقتصار على اسم واحداولى لفعله ﷺ بأولاده"(۱)

نام کب بدلا جائے؟

اگر نام کی تبدیلی میں کوئی دشواری نہ ہوتو اسلام قبول کرنے کے بعد ہی نام بدل دیا جائے، اسلام قبول کرنے کا زمانہ اس کی ولادت کا زمانہ ہے ولادت کے بعد نام رکھنا ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں جب ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات میرے گھر لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام ابراہیم رکھا ہے،(۲) نیز موت کا پتہ نہیں، خاتمہ اسلامی نام پر ہونا خوش قسمتی ہے، اور چونکہ نام کا اثر انسان کی ذات وصفات پر پڑتا ہے اس لیے نام بامعنی ہو، عبدیت کے اظہار والا نام ہو، انبیاء وصحابہ کے ناموں کے مماثل ہو، اور مسلمان ہونے کے بعد حالت کفر کا بگڑا ہوا نام نہ لیا جاوے جس سے مخاطب کو تکلیف ہوتی ہو، اللہ نے برے القاب سے پکارنے کو منع فرمایا ہے، نیز ایسے نام سے بھی نہ پکارے جو کسی گناہ کی طرف اشارہ کرتا ہو جیسے چور، زانی، ڈاکو وغیرہ، البتہ اگر کوئی شخص اپنے عیب دار نام سے اتنا مشہور ہو جائے کہ اس نام کے علاوہ دوسرے نام سے جانا نہ جاتا ہو تو تحقیر وتذلیل کی نیت کے بغیر اس نام سے پکارا جاسکتا ہے جیسے محدثین میں، اعمش، اعرج، ابن حجر، ابن الفرج، ذوالیدین وغیرہ نام مشہور ہیں۔(۳)

---

(۱) الفقه الاسلامي وادلته: ۳/ ۶۴۲

(۲) سنن ترمذی، حدیث: ۲۸۳۳۔

(۳) ملخص: نومسلموں کے مسائل: ۳۵۹

غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے والے احباب کے لیے مختصر دستور العمل

- سب کا مالک ایک ہے مگر مالک کا کوئی ایک ہوتا ہے، سب کا خدا ایک ہے مگر ماننے والوں میں ایسے کم ہیں جو مالک کو ایسے مانتے ہوں اور مالک کی ایسی مانتے ہوں کہ جیسا کہ پروردگار عالم نے چاہا ہے، وحدت حق کا نظریہ ہی صحیح نظریہ ہے وحدتِ ادیان سراسر باطل ہے، یوں کہنا کہ سب مذہب صحیح ہیں، طریقے الگ الگ ہیں، سراسر شرک ہے، آسمانی کتابیں الگ، بنیادی عقیدے الگ، کوئی خدا کی بیوی مانتا ہے، کوئی کروڑوں خدا مانتا ہے، اولاد کا بھی عقیدہ رکھتا ہے سب ایک کیسے ہوسکتے ہیں؟ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری انسانیت میں افضل ترین ہیں۔
- مذہب اسلام کی دعوت دیجئے، کسی مسلک، یا خاص مذہبی نقطہ کی دعوت نہیں، جیسے بعض توحید ورسالت سے زیادہ رفع یدین، اللہ کہاں ہیں وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔
- خاموش طریقے سے افرادی سطح پر کام کیجئے، اشتہار بازی اور مارکیٹنگ پر زیادہ، صلاحیت مت لگایے۔
- دوسری دینی، ملی، رفاہی، تنظیموں سے ضرور مدد لیجئے۔
- اُس نومسلم کو کسی ربانی عالم دین کی رہبری میں کام کرنے کے لیے کہیے، جو نکاح، اولاد، خاندان اور والدین کی ذہن سازی کے مراحل قرآن وحدیث کا گہرا علم اور طویل تجربہ پائے ہیں۔
- آخرت کی بنیاد پر مذہب اسلام قبول کرنے والا زیادہ مضبوط ومستحکم ہوتا ہے۔
- قرآنی طرز استدلال کو اپنائے، مطالعۂ قرآنی داعی کا توشہ ہے۔
- دعوت اسلام کا کام کرتے ہوئے اپنی تحقیق کے مکاشفات اور ذاتی اجتہادات کے ذریعہ فتنہ میں نہ ڈالیں بلکہ علماء امت کی مسلمہ ومتواتر تشریحات ہی پیش کریں۔
- بین مذاہب مذاکرات سنجیدہ، علمی ماحول میں ہونا چاہئے لیکن اسلام ہی آخری

وسچا مذہب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی انبیاء میں سب سے افضل ہیں، ان عقیدوں سے دستبرداری کا مطالبہ ہرگز کسی حال میں قبول نہیں۔

❁ فقہیات، سیاسیات اور فروعی اختلاف میں رائے زنی نہ کریں یہ کام مفتیان کرام کے حوالہ کردیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

مسلمانوں کے درمیان دعوت واصلاح

''راقم الحروف نے آج سے تقریباً دس سال پہلے ۱۰؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۴؍جولائی ۲۰۰۹ء، دوسرا ایڈیشن ۹؍جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲؍اپریل ۲۰۱۳ء ۴۸۵ صفحات پر مشتمل تقریظات کے ساتھ ''تبلیغی جماعت اورکتب فضائل - حقائق، غلط فہمیاں'' نامی کتاب طبع کی، اسی کا ایک حصہ ''مستورات کی جماعتیں فقہ وفتاوی کی روشنی میں'' علیحدہ چھپ رہا ہے، جس سے اہل دعوت کوکافی فائدہ ہوا، مخالفین کی طرف سے کئے جانے والے پیروپیگنڈوں پر علمی ضرب پڑی، اس عالمی اورعمومی محنت پر (جو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی تھی) تشکیل نو وہ سلیم الطبع اذہان کوتشفی بخشنے میں حصہ لگا، ذیل میں ان فکری وعملی بے اعتدالیوں پر کتب اکابر کی روشنی میں نشان دہی کی گئی، جس کا نفاذ فی الفوراورارباب علم ودانش اورذمہ داران جماعت کواوّلین ترجیح دے کرکرنا چاہئے، عامیّت، سطحیّت کے ساتھ داخلی اصلاح کونظرانداز کرنا کسی بھی تحریک کوختم کرہی دیتا ہے، یا امتِ مسلمہ کے لیے ایک نئی گمراہی کا مقابلہ درپیش آجاتا ہے، کسی بھی جماعت کا اپنے آپ کوراسخین فی العلم سے بے نیاز رکھنا یامحتاج اصلاح نہ سمجھنا اجتماعی تکبر، خودفریبی اورعلامتِ زوال کے سوا کچھ بھی نہیں''۔

دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت

تبلیغِ دین ہر زمانہ میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی

الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی، اور جس جس میں جیسی اہلیت ہو اس کے حق میں اسی قدر ذمہ داری ہوگی، امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی صراحت قرآن پاک میں ہے سب سے بڑا معروف ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مؤمن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ خدائے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے موافق پہنچاتا رہے۔(۱)

فتاوی حقانیۃ میں مذکور ہے: تبلیغِ دین فرض کفایہ ہے۔ خلقِ خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور نواہی سے منع کرنا شرعاً فرض کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا انجام فارغ ہوجاتا ہے، فرض عین کی رائے رکھنا خطا پر محمول ہے تاہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک کرنا فرض عین ہے۔(۲)

کفایت المفتی میں مذکور ہے: تبلیغ فرض کفایہ ہے، فرض عین تو نہیں ہے مگر فرضِ کفایہ میں شبہ نہیں۔(۳)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ تبلیغِ دین فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر بعض لوگ کرلیں تو باقی سے ساقط ہوجائے گا، اور اگر کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے، مگر مروجہ شکل اور مروجہ ترتیب سے کرنا نہ فرض کفایہ ہے نہ واجب وسنت ہے، البتہ مروجہ ترتیب دیگر نئی ترتیبوں بمقابل نافع ضرور ہے، اگر کوئی اس ترتیب سے جڑ کر کام کرے تو بہت مبارک اور اگر کوئی کسی دوسری تنظیم وجماعت کے ساتھ مل کر اپنی ترتیب سے تبلیغ دین کی محنت میں لگا ہے تو وہ بھی مستحسن ہے، کیونکہ تبلیغ دین کی کوئی نوعیت منصوص نہیں ہے، تمام شکلیں مجتہد فیہ وتجرباتی ہیں، مجتہد فیہ شکل کو منصوص شکل کے درجہ میں رکھ کر اس پر فرضِ کفایہ کا اطلاق کرنا محل نظر وقابلِ اصلاح ہے،

---

(۱) فتاوی محمودیۃ: ۱۷/ ۲۴۶

(۲) فتاوی حقانیۃ: ۲/ ۴۳۸

(۳) کفایت المفتی: ۲/ ۳۴

ورنہ ہر تنظیم اپنی طے شدہ نظام سے ہٹ کر کام کرنے والوں پر گنہگار، گمراہ وغیرہ کے القاب سے نوازے گی جو شرعاً درست نہیں ہے، نیز یہ ضروری ہے کہ تبلیغ دین کی ہر شکل کا احترام کیا جائے ،اہلِ حق علماء کی نگرانی میں کام کرنے والی کوئی تنظیم کفر کی تبلیغ نہیں کررہی ہے، بلکہ اپنے دائرہ میں وہ دین ہی کی تبلیغ کررہی ہے۔

جماعت میں جانا فرض ہے یا واجب یا سنت؟

دین سیکھنے اور سکھانے کے مختلف طریقے اس دور میں رائج ہیں، ان میں ایک طریقہ دعوت وتبلیغ بھی ہے، بریں بناء یہ طریقہ فرضِ کفایہ کے من جملہ طریقوں میں شامل ہے، اپنے مسلمان بھائیوں کو اچھی باتوں کی دعوت دینا اور برائیوں سے روکنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اور جو شخص بھی تقریراً تحریراً انفرادی یا اجتماعی طور پر کام انجام دے وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے والا کہلائے گا، اس کے لئے کسی خاص جماعت میں شرکت کرکے ہی کام کرنا شرعاً واجب یا فرض نہیں ہے، اور نہ ہی چالیس دن وغیرہ کی ترتیب لازم ہے (لیکن موجودہ احوال اور تجربہ پر نظر کرتے ہوئے اسے مستحب کہا جاسکتا ہے) اور سفر کرکے جانا بھی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے، لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب تک آدمی اپنے دنیوی مشاغل کو چھوڑ کر دین کی فکر کرنے کے لئے اپنے کو فارغ نہ کرے، اس وقت تک اس میں اصلاح کا حقیقی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اور تبلیغی جماعت میں چالیس دن یا تین دن وغیرہ کی جو ترتیب ہے، وہ دوسروں کو سکھانے کے لئے نہیں؛ بلکہ خود سیکھنے کے لئے ہے، اور اس مقدار کی تعیین شریعت کے کسی حکم کے طور پر نہیں کی گئی؛ بلکہ تجربہ کی روشنی میں اسے متعین کیا گیا ہے، اس لئے اس پر نکیر نہیں کی جاسکتی۔(۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ’’جماعت میں جانا فرض یا واجب تو نہیں ہے؛ لیکن ہر مسلمان پر اپنی عبادت کا صحیح کرنا لازم ہے اور ہر ایک اصلاح کا

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۴/۶ ۲۳-۲۴۰ ڈابھیل، بحوالہ کتاب النوازل: ۲/۵۷۳

محتاج ہے، نیز علم دین کا بقدر ضرورت سیکھنا لازم ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت صحیح طور پر کی جاسکے، جماعت میں جانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کم پڑھے لکھے مسلمان آسانی کے ساتھ اپنی عبادت صحیح کرنے کا طریقہ سیکھ لیں اور ساتھ ساتھ اس کی مشق کریں اور اس میں صرف دین کی باتیں سیکھنے سکھانے کا مشغلہ رہتا ہے۔ اور جماعت میں جاکر کم وبیش وقت لگا کر عبادات کو درست کرنا اور کچھ دین کی باتیں سیکھنا بہت آسان ہے؛ اس لئے جس کو بھی موقع ملے جماعت میں جاکر عبادات کو درست کرلینا اور دین کی باتیں سیکھ لینا چاہئے۔ اور یہ حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ (۱)

کیا تبلیغ علم سیکھنے سے زیادہ ضروری ہے؟

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ''بغیر تبلیغ کے ایمان مکمل نہیں ہوتا، تبلیغ علم حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے'' دعوت الی الخیر کی محنت جو ''تبلیغی جماعت'' کے نام سے سارے عالم میں جاری ہے، اس کے اصول وضوابط اور طریقۂ کار پر شرعی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں ہے، مگر کسی کارِ خیر کو اس طرح پیش کرنا کہ دوسرے کارِ خیر کی تحقیر ہوجائے درست نہیں ہے، مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: ہر مسلمان پر اپنے دائرۂ اثر میں دین کی محنت ضروری ہے؛ لیکن اس کے لئے مروجہ تبلیغی جماعت میں شرکت ضروری نہیں، اور تبلیغ اور تعلیم میں کوئی تضاد نہیں ہے، دونوں کام ایک ساتھ کئے جاسکتے ہیں، اور ایمان کا مدار تبلیغ میں جانے پر نہیں ہے، تعلیم کا کام بھی اپنی جگہ نہایت اہم ہے۔ (۲)

کیا تبلیغ میں جانے کا ثواب ۷ر لاکھ گنا ہے؟

تبلیغی جماعت کے بعض مقررین کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ''جماعت میں نکلنے کے بعد ایک نماز کا ثواب ۷ر لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے'' ایک بار سبحان اللہ کہنے پر ۷ر لاکھ بار سبحان اللہ کہنے کا ثواب ملتا ہے، ایک روزہ رکھنے پر ۷ر لاکھ روزے رکھنے کا

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/۳۴۹

(۲) مستفاد: احسن الفتاوی: ۱/۴۰۱

ثواب ملتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''ایک عمل پر ۷ /لاکھ گنا کا ثواب کا وعدہ دراصل مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہے، تبلیغی جماعت میں جانے والے لوگ اس میں داخل نہیں ہیں۔(۱) باقی اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرمادے تو کوئی بعید بھی نہیں ہے۔(۲) اس لئے برملا اس طرح بیان نہیں کرنا چاہئے۔

''من أرسل نفقة في سبيل الله، وأقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: والله يضاعف لمن يشاء''۔(۳)

مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث شریف دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے نکلنے کے لئے ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے اہل مدارس اور تبلیغی جماعت میں نکلنے والوں کے بارے میں بھی فرمایا ہے''۔(۴)

جماعت میں نکلنا انبیاء کرام والا کام ہے؟

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

''دعوت کی دو قسمیں ہیں: ① دعوت ایمان یعنی غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت پیش کرنا، یہ دعوت ایمان ہے۔ ② دعوت اصلاح: یعنی مسلمانوں کو اصلاح کی دعوت پیش کرنا، فرائض وواجبات، سنن ونوافل پر عمل کرنے کا عادی بننے، جنت کی بشارت اور جہنم سے

---

(۱) مستفاد: تحفۃ الالمعی ۴/ ۵۶۴

(۲) فتاوی محمودیہ ۴/ ۳۰۰ ڈابھیل

(۳) سنن ابن ماجة، كتاب الجهاد / باب فضل النفقة في سبيل الله، رقم: ۲۷۶۱، مشکوۃ شریف ۲/ ۳۳۵، الترغیب والترہیب مکمل، ۲۹۰ رقم: ۱۹۹۰ بیروت

(۴) مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۱۲/ ۲۴۳، جدید ڈابھیل: ۴/ ۲۹۹، ۳۰۰، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۸۰

ڈرنے کی دعوت دینا یہ دعوت اصلاح ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ایمان اور اصلاح دونوں کی دعوت پیش کی ہے۔ اور تبلیغی جماعت والے دعوت اصلاح کو لے کر گلی کوچوں میں پھرتے ہیں؛ کیوں کہ دعوت اصلاح بھی نبیوں کا کام تھا؛ اس لئے تبلیغ والوں کا یہ کہنا کہ ہم نبیوں والا کام کرتے ہیں صحیح اور درست ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ ہم ایمان کی دعوت دیتے ہیں، یہ بھی درست ہے؛ اس لئے کہ ایمان کی دعوت سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا کرنے کی دعوت مراد ہے۔ اور حدیث شریف میں ایمان میں زیادتی اور ترقی پیدا کرنے کو بھی ایمان کہا گیا ہے؛ اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہے''۔(۱)

البتہ مروجہ تبلیغ کے کام کو اس انداز سے پیش کرنا کہ نبیوں والا کام صرف اور صرف اپنی صحیح شکل میں مکمل طور پر تبلیغی جماعت کا ہی کام ہے، اس کے علاوہ سب کام شکل بدل کر ہیں، تو یہ عقلاً ونقلاً محل نظر ہے، کوئی حدیث ایسی جس میں چلہ، چار ماہ، گشت کی مروجہ شکل، ایک امیر دوسرا متکلم تیسرا رہبر، مسجد میں درمیانی بات ہورہی تھی، دونمازوں کے درمیان کا وقت فارغ کیا جارہا تھا، گشت میں فلاں فلاں بات کی جاتی تھی، موضوع درجہ کی بھی نہیں ملی، عقلاً بھی غلط اس وجہ سے ہے کہ انبیاء گشت کی شکل میں کن سے ملاقات کے لئے جاتے تھے مسلمانوں سے یا غیر مسلموں سے؟ انبیاء کی ملاقات کس کے مشورہ سے ہوتی تھی؟ (العیاذ باللہ) ملاقات کا کونسا وقت تھا؟ کون کون افراد ساتھ ہوتے تھے؟ بالکل اسی نہج پر کام ہورہا ہے؟ یہ وہی بنیادی غلطی ہے کہ غیر منصوص کو منصوص کا درجہ دینا، اپنے طریقہ کار میں ہی ہدایت کو منحصر کردینا ہے، حضرت مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ:

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۱۴

’’جماعت جو کام کرتی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے کئے ہوئے کاموں میں سے ایک ہے، اس حد تک یہ بات صحیح ہے؛ لیکن اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ انبیاء والا کام تو صرف تبلیغی جماعت ہی ہے تو یہ بات بلا شبہ غلط ہوگی‘‘۔(۱)

طلبہ کا جماعت میں شرکت کرنا فتنہ کا باعث ہے؟

مدرسہ کے طلبہ خارجی وقت مثلاً جمعرات کی شام تا جمعہ تبلیغ میں جانا، ساتھ میں حسبِ سہولت اساتذہ کا بھی ساتھ ہوجانا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے، بلکہ عمدہ ترتیب ہے، البتہ مدرسہ کا تعلیمی سلسلہ موقوف کرکے اساتذہ و طلبہ کو ہر ماہ تین دن جماعت میں جانا، یا دورانِ تعلیم معلمین و متعلمین کی تشکیل کرکے مدرسہ کی تعلیم کو موقوف کرکے جماعت میں نکلنے کی ترغیب دینا قابل اصلاح عمل ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ’’تبلیغی جماعت اہل حق کی جماعت ہے، اس کے بانی اکابر علماء رہے ہیں، جنھوں نے اپنی زندگیاں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں وقف کردی ہیں، اور اس جماعت کی محنت سے اسلام اور اہل اسلام کو مسلسل فائدہ پہنچ رہا ہے؛ لہٰذا تعلیم سے فارغ اوقات میں اگر مدارس کے طلبہ اس محنت میں لگیں، تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور جو لوگ اس میں شرکت کو تفرقہ کا باعث سمجھتے ہیں یا تفرقہ کو ہوا دیتے ہیں، وہ حق پر نہیں ہیں، تبلیغی جماعت میں شرکت کو فتنہ سے تعبیر کرنا بجائے خود فتنہ میں مبتلا ہونے کی دلیل ہے، اس شرکت کو کسی ملازم کی برخواستگی کی وجہ بنانا بے بنیاد ہے، یہ صحیح ہے کہ کسی جانب بھی غلو اور تشدد نہ ہونا چاہئے؛ لیکن اس کی وجہ سے کسی دینی کام ہی کو موجب عناد بنالینا صحیح نہیں ہے۔(۲)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ’’دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتدریس دونوں

---

(۱) کتاب النوازل: ۲/ ۳۶۲

(۲) فتاویٰ محمودیہ میرٹھ: ۵/ ۱۰۲، کتاب النوازل: ۲/ ۳۶۳

کام اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اور امت کو دونوں کی یکساں ضرورت ہے؛ اس لئے دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھنے کے بجائے ایسی حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام بھی ہوتا رہے، اور تعلیم وتعلم پر بھی اثر نہ پڑے، اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ تعلیم موقوف نہ کی جائے؛ بلکہ اساتذہ وطلبہ کی باری مقرر کردی جائے، ہر ماہ کچھ اساتذہ اور طلبہ مدرسہ میں رہیں اور کچھ اساتذہ وطلبہ تبلیغ میں چلے جائیں، اور جماعت میں جانے والے اساتذہ کا مدرسہ کے نظام کے تحت تبلیغ میں جانا مدرسہ ہی کا کام سمجھا جائے گا، اوران اوقات کی تنخواہ مدرسہ سے لینا درست ہوگا۔

"قال النبي عليه السلام: المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالًا، أو أحل حراماً۔ (۱)

رمضان میں تبلیغ میں جانا بہتر ہے یا ترتیب سے قرآن سننا؟

کوشش یہی کریں کہ قرآن سننے کی سنت فوت نہ ہو، اگر فوت ہونا یقینی ہے یا غالب گمان ہے تو پھر قرآن سننے کو ہی ترجیح دینا چاہئے کیونکہ تبلیغ کے لیے سال کے ۱۱ رمہینے موجود ہیں جبکہ قرآن تراویح میں سننے کا موقع صرف رمضان میں ہے، تراویح کی برکت سے ایک قرآن مکمل سننا بھی سنت ہے۔"السنة في التراويح إنما هو الختم مرة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل"۔ (۲)

اور قاعدہ ہے کہ جس مامور بہ کے لیے وقت موسع ہو اس کا فوری کرنا ضروری نہیں جیسے زکاۃ کی ادائیگی، اور جس مامور بہ کا وقت مقید ہو اس کا وقت میں ادا کرنا ضروری ہے جیسے نماز، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں "تبلیغ بھی اہم ہے اور قرآن سننا بھی اہم ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ تبلیغ والے اپنے ساتھ ایک حافظ کو

---

(۱) سنن الترمذي: ۱/۲۵۱، کتاب النوازل: ۲/۲۷۶۳

(۲) فتاوی ہندیۃ: ۱/۱۱۷

رکھیں جو ہر جگہ ان کی ترتیب کے اعتبار سے انہیں تراویح پڑھائے، یا پھر ایک جگہ پورا قرآنِ کریم سن کر تبلیغ میں جائیں''۔

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا۔ (۱)

ائمۂ کرام پر جماعت میں جانے کے لئے زور ڈالنا؟

مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ''تبلیغی جماعت میں اس کے ضابطہ کے مطابق وقت لگانے کی کوئی خاص ایسی صورت ایسا فرض نہیں ہے کہ اس کے ترک پر آخرت میں مؤاخذہ ہو؛ بلکہ مجموعی طور پر دین کی تمام صحیح محنتیں خواہ امامت کی شکل میں ہوں یا تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کی شکل میں ہوں، یہ سب دین کے واجبی شعبوں میں داخل ہیں، اور ان میں مشغول حضرات عند اللہ عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہیں؛ لہٰذا جن حضرات کے جماعت میں وقت لگانے سے دین کے کسی دوسرے شعبہ کا نقصان ہوتا ہو، ان کو جماعت میں نکلنے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ امام اور معلم وغیرہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ تعطیل کے ایام میں حسبِ سہولت تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگا دیا کریں؛ تاکہ ان کی اصلاح ہو اور دینی فکر مندی میں اضافہ ہو۔ (۲)

اور جماعت کے احباب کو بھی چاہئے کہ امام صاحب کا وہی وقت لیں جس میں ان کے دینی کام کا حرج نہ ہو، جب ہم اپنی دنیا چھوڑ کر دین کے کام کے لیے جانے میں پس وپیش ہوتے ہیں تو یہ حضرات دینی کام چھوڑ کر کیسے چلیں گے، نیز تشکیل کرنے میں نامناسب جملہ استعمال نہ کریں جیسے جماعت میں ہر ماہ تین دن جانا ضروری ہے اس لئے

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأمر بتعهد القرآن رقم: ۷۹۱، کتاب النوازل: ۲/ ۳۶۴

(۲) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۴/ ۲۴۱ ڈابھیل، فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۲۱۸، بحوالہ کتاب النوازل: ۳۵۶

آپ بھی ہر ماہ تین دن کے لئے جماعت میں چلو اگر نہیں جاؤ گے تو قیامت میں حضرات صحابہ کو کیا منہ دکھاؤ گے، انہوں نے تو پوری زندگی اللہ کی راہ میں گذار دیا، اور تم عالم ہو کر جماعت میں نہیں جاتے ہو" یا " آپ تو صرف چند بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، جماعت میں جا کر دعوت دینا تو نبیوں والا عمل ہے، اور یہی افضل ہے" اس طرح کے جملوں سے جوڑ کے بجائے توڑ پیدا ہو جاتا ہے، عام آدمی کی جس طرح منت سماجت کی جاتی ہے اس سے کہیں زیادہ ان حضرات کی منت سماجت کرنی چاہئے، کیونکہ عام آدمی کا نکلنا اس کی اپنی اصلاح کے لیے ہے اور ان حضرات کے ہم لوگ زیادہ محتاج ہیں کہ ان سے کچھ قرآن ومسائل وغیرہ سیکھ لیں۔

علاج کو بہانہ بنا کر جماعت میں چھٹی سے زائد وقت لگانا؟

اگر کوئی شخص پرائیویٹ کمپنی یا سرکاری ملازم ہو، کمپنی سے کچھ چھٹیاں لے کر تبلیغی جماعت میں چلہ کے لیے جائے تو جتنی چھٹی لے اتنے ہی دن لگائے، چھٹی سے زائد وقت لگا کر زائد دنوں کا میڈیکل سرٹیفکٹ داخل کر دینا کہ بیمار تھا، اور علاج کرا رہا تھا، اور بیماری اور علاج کو روحانی بیماری اور روحانی علاج مراد لینا شرعاً درست نہیں ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں "تبلیغی جماعت میں جانا ایک کار خیر ہے اس کو انجام دینے کے لئے جھوٹی بہانہ بازی جائز نہیں ہے، بیماری کی رخصت ایسی جسمانی بیماریوں کے ساتھ خاص ہے، جس کی وجہ سے گورنمنٹ کی ڈیوٹی ادا نہ کی جاسکے، روحانی بیماریاں اس میں داخل نہیں ہیں: لہٰذا رخصت لیتے وقت روحانی بیماری مراد لینا استحقاقِ رخصت کا موجب نہ ہوگا؛ بلکہ دھوکہ دہی کی ایک شکل ہوگی، اس سے بہر حال احتراز لازم ہے۔ "من غشنا فليس منا، والمكر، والخداع في النار۔(۱)

---

(۱) رواه الطبراني في الكبير والصغير: ۲۶۱/۱، وابن حبان في صحيحه رقم: ۵۵۳۳، الترغيب والترہيب ۴۰۰ رقم ۲۷۴۲ بیروت، مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۳۸، بحوالہ: کتاب النوازل ۲:/ ۳۶۷۔

دعوت وتبلیغ کے ساتھ تزکیۂ نفس اور تعلیم وتعلّم کو حقیر جاننا؟

تعلیم وتعلم (۱)، تزکیۂ نفس، دعوت وتبلیغ اور درسِ قرآن وغیرہ اعمال سب اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں، ان میں سے کسی ایک کام کو اہم سمجھ کر دوسرے کی تحقیر کرنا اور اس میں حصہ لینے سے منع کرنا محض جہالت اور غلو پر مبنی ہے، سوال میں جن باتوں کا ذکر گیا ہے وہ قابل تشویش اور لائق اصلاح ہیں، ایسے لوگوں سے محاذ آرائی کے بجائے حکمت عملی کے ساتھ مثبت انداز میں افہام وتفہیم اور اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، اور ایسا ماحول بنانا چاہیے کہ دین کے سبھی شعبوں کی قدر و قیمت عوام وخواص کے دلوں میں قائم ہو، اور ایک دوسرے کی تحقیر کا سلسلہ بند ہوجائے۔ (۲)

---

(۱) حضرت مفتی اعظم فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ اس سوال کے جواب میں کہ ایک صاحب تبلیغی جماعت میں جانے کو فرض عین کہتے ہیں تحریر فرماتے ہیں ''اصل یہ ہے کہ دین سیکھنا فرض عین ہے، اس میں ایک صورت مدارس میں پڑھنا ہے اور ایک صورت تبلیغ میں جانا ہے اور بھی صورتیں ہیں، میوات کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ دین سیکھنا فرض ہے اس لیے یا مدارس قائم کرو یا دوسری صورت اختیار کرو اگر تم دوسری کوئی صورت اختیار نہیں کرسکتے تو متعین طور پر تبلیغ میں ہی نکلو! اس لیے وہاں یہی کہہ کر لوگ نکلتے ہیں کہ دین سیکھنے کے لئے چلو اتنی بات میں اختلاف نہیں (فتاوی محمودیہ: ۱/ ۵۳۴ محمود الفتاوی ۲/ ۲۱۴)

مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم (گجرات) کی یہ تنبیہ بھی بہت ضروری معلوم ہوتی ہے ''ایک بات یاد رہے کہ دین کے ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد میں اس شعبے کے کام کا غلبہ ہونا ضروری ہے، مراکزِ علوم دینیہ (مدارس) میں تعلیم وتعلم کا غلبہ ہونا ضروری ہے مراکز تزکیہ باطن میں مجالس ذکر اور اعمال تزکیہ ومجاہدات کا غلبہ اور مراکز دعوت وتبلیغ میں دعوت وتبلیغ کے کام کا غلبہ ہونا چاہیے تو انشاء اللہ یہ سارے کام آگے بڑھیں گے اور کسی پر کسی کام کا غلبہ ان اعمال کی محدودیت کے ساتھ مطلوب ہیں تاکہ کام خوب آگے بڑھے، اگر کوئی اپنی کج فہمی سے کہیں دینی کام کی تنقیص یا تردید کرتا ہے یا دوسرے کام کی تحقیر کرتا ہے تو اسے غلبہ نہیں کہا جائے گا بلکہ غلو کہا جائے گا اور دین میں غلو مذموم اور مردود ہے، اگر مدارس والے ذکر واذکار اور دعوت وتبلیغ کی تنقیص کریں یا خانقاہوں میں دعوت وتبلیغ تعلیم وتعلم کی تنقیص وتحقیر کریں تو بالیقین ان کا یہ طرز فکر وعمل مذموم اور قابل مذمت ہے (محمود الفتاوی ۲/ ۲۱۶)۔

(۲) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۴/ ۲۴۲، ڈابھیل، دعوت فکر وعمل ۲۱۹، تبلیغی جماعت: حقائق اور غلط فہمیاں ۱۳۸، کتاب النوازل: ۲/ ۳۷۳۔

لہٰذا:

① اگر کوئی کام کرنے والا ساتھی دعوت کے سارے اعمال کو پورا کرتے ہوئے ذکر کی مجلس میں شریک ہوتا ہے تو اس کو منع کرنا، نہ ماننے پر اس سے نفرت کرنا، ذکر کی مجلس سے روکنا، نفرت کا اظہار کرنا مناسب نہیں ہے۔

② مساجد میں ہفتہ واری درس قرآن میں جماعت کے اکثر ذمہ دار اور فعال ساتھیوں کا بلا عذر کبھی بھی شریک نہ ہونا بلکہ دوسروں کو بھی شرکت سے منع کرنا یا مزید برآں مسجد کے اندرونی حصہ میں درس قرآن کے وقت صحن میں بیٹھے مشورہ یا تعلیم کرتے رہنا جو سراسر درس قرآن کی مخالفت پر غمازی کرتا ہو یا نامناسب جملہ کہنا جیسے کسی نے تفسیر معارف القرآن دیکھ کر کہا" دیکھئے یہ بھی ایک لعنت ہے، جو مسجد میں گھسی ہوئی، بس یہی پڑھو فضائل اعمال" اس طرح کی نادانی درست نہیں ہے۔

③ اگر کوئی ساتھی محلہ کے امام صاحب سے تعلق قائم کر کے اپنا قرآن تجوید درست کر رہا ہو تو اسے منع نہ کرے، یا اس کی تعلیم کے وقت اسے ملاقات پر لے جانے کا اصرار نہ کرے، اس کی تعلیم کو کام میں سستی کا سبب شمار نہ کرے لہٰذا اگر کوئی شخص اعمال دعوت کے ساتھ میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھتا ہے، ذکر کرتا ہے یا ناظرہ قرآن یا تجوید سیکھنے میں وقت لگاتا ہے یا درس قرآن میں بیٹھتا ہے، یا کسی حقانی عالم یا مشائخ کی قرآن کی مجلس میں شرکت کرتا ہے، تو اس کو دعوت کے کام میں سستی کا ذریعہ نہ سمجھے۔

④ یہ تصور کرنا کہ علماء کرام اپنی صلاحیت قوم کے ان معصوم بچوں پر صرف کرتے ہیں، جن پر نماز روزہ بھی فرض نہیں ہے، جب کہ امت کے بے شمار افراد بغیر نماز روزہ کے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، اس وجہ سے دعوت وتبلیغ کا کام درس وتدریس سے افضل ہے، غلط اور غلو پر مشتمل نظریہ ہے، کسی نے حضرت مفتی

سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم سے اس طرح کا سوال کیا کہ ”ایک تبلیغی شخص یہ کہتا ہے کہ دین کا کام صرف تبلیغی جماعت کررہی ہے، مدارس کا کام دین کا کام نہیں ہے حتی کہ اس کہنا کا ہے کہ جب تک علماء جماعت میں جا کر چالیس دن نہیں لگائیں گے اس وقت تک ان کا ایمان مکمل نہیں ہوگا، اسی طرح وہ تبلیغی نصاب پڑھنے کو لازم سمجھتا ہے اور جو لوگ نہیں پڑھتے انہیں حق سے منحرف گردانتا ہے، تو آیا اس کا یہ عقائد رکھنا اور خیر کو صرف تبلیغی جماعت کے لیے خاص کرنا کیسا ہے؟ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: ”تبلیغ، تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف، اسی طرح ملی خدمات وغیرہ سب دین کے مختلف شعبے ہیں، اور ان سب شعبوں کا احیاء دینی ضرورت ہے، ان میں سے کسی ایک شعبہ کو اس طرح اہمیت دینا کہ دوسرے شعبوں کی تنقیص لازم آئے ہرگز درست نہیں؛ لہٰذا سوال میں جس تبلیغی شخص کے خیالات کا ذکر کیا گیا ہے وہ خیالات درست نہیں ہیں، بلکہ خود غرضی اور خواہشات پر مبنی ہیں اور خود اکابر تبلیغ کی صراحتوں کے خلاف ہیں؛ اس لئے اس شخص پر اپنے خیالات کی تصحیح لازم ہے۔(۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

> ”اس وقت پوری دنیا میں عالمی سطح پر تبلیغ سے جو دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے، اس کی نظیر شاید اسلامی دنیا نے کبھی نہیں دیکھی ہے، اس میں صحیح اصول اور صحیح طریقہ سے جو کام کرنے والے ہیں، ان کو یہود ونصاریٰ جیسا بتلانا نہایت خطرناک ہے، مگر سوال نامہ سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ کا اس عالم سے زیادہ قرب ہے اور دونوں میں ذاتی رنجش کی بنا پر آپ سے ایسی بات کہی ہے، نیز

---

(۱) مستفاد: کفایت المفتی: ۹/ ۲۹۴، فتاوی محمودیہ ڈابھیل: ۴/ ۲۴۱-۲۴۲، کتاب النوازل: ۲/ ۳۷۸

اصلاح کے لئے تبلیغ کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن کو اختیار کرکے ایک مسلمان بہترین دیندار بن سکتا ہے؛ اس لئے اصلاح کے واسطے صرف تبلیغ ہی میں لگنا ضروری اور لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ تبلیغ کا راستہ اس وقت اصلاح کے لئے بہت آسان راستہ ہے، مگر لازم یا واجب نہیں، نیز یہ بات نہایت ظلم اور حد سے تجاوز ہے کہ تبلیغ میں لگنے والے مدارس یا خانقاہ کی برائی کریں، یا مدارس وخانقاہ والے تبلیغ والوں کی برائی کریں، ہاں البتہ جو بات قابل اصلاح ہو اصلاح کے طریقہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، مدارس، خانقاہ، تبلیغی جماعت تینوں ہدایت اور اصلاح کی راہیں ہیں، تینوں کا احترام ضروری ہے''۔(۱)

ایک سائل نے پوچھا کہ'' کچھ حضرات کی زبان سے سننے کو یہ الفاظ ملتے رہتے ہیں: جماعت میں نکل کر دین سیکھو، دعوت کا کام کرو اور اپنا ایمان بچاؤ، علماء نے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھی اس کام کو اپنا کام نہیں سمجھا، مدرسہ میں ہر وقت پڑے رہتے ہیں، اگر کوئی مقامی عالم اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہیں ہوتے ہیں، تو ان سے بدگمانی کرنا وغیرہ کیسا ہے؟

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:'' جماعت میں جانے کا مقصد اصلاحِ نفس، اخلاصِ نیت اور شغل بذکر اللہ پیدا کرنا ہے اور اپنے اندر کے کبر وغرور، نفس کی خوش فہمی کو ختم کرنا ہے، ماشاء اللہ بہت سے لوگوں کو دیکھنے میں آیا ہے کہ جماعت میں جاکر کے عاجزی وانکساری بھی آگئی، نماز کے پابند بھی ہوگئے، لین دین اور معاملات بھی درست کرلیے، بہت سے شرابیوں نے شراب چھوڑ دی اور خرافات میں مبتلا ہونے والوں نے خرافات کو ترک کردیا، بڑوں کا احترام اور علماء کرام کا اعزاز، نیز دینی مسائل میں ان کی

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۳۳۶/۴

طرف رجوع کے عادی بھی بن گئے اور یہی جماعت میں جانے کا مقصد ہے؛ لیکن ہر اچھوں کے درمیان برے لوگ ہوتے ہیں، جو درحقیقت جماعتی نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے جماعت میں جانے سے ان کے حق میں کوئی فائدہ نہیں، نیز ایسے لوگ تبلیغی جماعت کو بدنام کرتے ہیں، جو مرکز نظام الدین کی ہدایات کی برملا مخالفت کرتے ہیں، مرکز کے ذمہ داروں کو ایسے لوگوں سے متعلق اطلاع کرنی چاہئے، تاکہ ان کی صحیح طور پر اصلاح کردیں اور ان کے غلط رویہ پر روک لگائیں"۔(۱)

دوسرے فتوی میں لکھتے ہیں: "جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے، اسے تنگ نظری سے نہ دیکھیں اور جو علماء تدریس میں مشغول ہیں وہ ہرگز اپنا مبارک مشغلہ ترک نہ کریں۔ اور جو اہل علم تدریس کے مشاغل میں نہیں لگے ہوئے ہیں، ان کی ذمہ داری زیادہ ہے، وہ اس میں شرکت کریں اور اگر شادی شدہ حضرات کو ان کی ازواج (بیویاں) چار ماہ سے زیادہ جانے کی اجازت دے دیں تو وہ بھی جاسکتے ہیں۔(۲)

ہر زمانہ میں اکابر نے اپنے اپنے طرز پر دعوت وتبلیغ کی محنت کی ہے، مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

> "ہمارے دیگر اکابر مثلا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے اعتبار سے جو تبلیغی اور علمی کام کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا اور لاکھوں افراد اس سے مستفید ہوکر دنیا کے

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۵۳

(۲) مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۱۴/ ۱۰۹، ایضاً: ۱۷/ ۴۳۲، جدید ڈابھیل: ۴/ ۲۱۳، ۱۸/ ۵۹۱، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۵۴

گوشہ گوشہ میں دین کی خدمت کرر ہے ہیں، نیز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، معروف کی ترغیب اور منکر پر نکیر فرمایا کرتے تھے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے؛ اس لئے ان میں سے کسی بھی شکل کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں شکل سنت سے ثابت ہے اور فلاں شکل سنت سے ثابت نہیں؛ بلکہ سبھی تبلیغ دین ہیں، نوعیت الگ ہے، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی جماعت کی شکل میں جو نظام بنایا ہے، جس کے ذریعہ لاکھوں مسلمان راہ راست اور شریعت کے پیروکار بنے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے، چنانچہ یہی طریقہ آج عوام میں دینی خدمت کا ذریعہ بنا، غرض یہ کہ ہمارے سبھی اکابر نے دین کی تبلیغ کی ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، حضرت قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو باقاعدہ اجتماعات میں شریک ہوا کرتے تھے اور تقریریں کرتے تھے، چنانچہ جب آس پاس کے گاؤں، دیہات کے لوگ مرتد ہوئے جارہے تھے، تو آپ نے اسی تبلیغ کے راستہ سے جس کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قائم فرمایا تھا، لوگوں کو ارتداد سے روکا اور دین وشریعت کا راستہ دکھایا اور احقر (مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم) خود بھی متعدد بار حضرت قاری صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت میں آس پاس کے دیہات میں نصف یوم سے دوسرے دن صبح تک کے لئے جماعت میں جا چکا ہے؛ اور سبھی اکابر نے اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دین کی تبلیغ واشاعت میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ دین کی تبلیغ ہے''۔(۱)

---

(۱)　فتاوی قاسمیہ: ۳۴۶/۴

فضائل اعمال کتاب کا درجہ کیا ہے؟

فضائل اعمال تو ایک ترغیبی کتاب ہے جس کو پڑھنے اور سیکھنے سے عبادات کی طرف رغبت اور دین سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، وہ تمام احادیث کا خلاصہ نہیں ہے، لیکن اس میں آسان اور موثر انداز میں دین کی بنیادی اصلاحی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، البتہ مسائل سے اس میں زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے، اس لئے جب مسئلہ کی بات آئے تو دیگر معتبر کتابوں یا علماء ومفتیان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔(۱)

مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ''اس کو اس قدر اہتمام کے ساتھ اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کے مضامین عوام الناس اور ان پڑھوں کے ذہن سے زیادہ قریب ہیں، ہرکس وناکس آسانی سے سمجھ لیتا ہے، فقہ اور اس کے مسئلے مسائل کے مضامین بہر حال اس کے مضامین سے زیادہ افضل ہیں اور اس کا سیکھنا سکھانا بھی زیادہ اہم ہے؛ لیکن فقہ کے ہر مضمون اور ہر مسئلہ کو ہرکس وناکس بآسانی نہیں سمجھ سکتا؛ بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے یا تو اہل علم ہونا چاہئے، یا پڑھے لکھے، زیادہ سمجھ دار لوگ ہونے چاہئے؛ اس لئے فقہ کی کتاب یا اعلیٰ مضمون کی علمی کتاب مسجد کے اندر عوام الناس کے سامنے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام نہیں ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فضائل اعمال ہی سب کچھ ہے اور دوسری مسئلے مسائل کی کتابیں کچھ نہیں ہیں اور نہ تبلیغ والے ایسا سمجھتے ہیں، ہاں البتہ اگر کسی مسجد میں مسئلہ مسائل کا سلسلہ شروع ہوجائے اور فضائل اعمال کا سلسلہ بھی چلتا رہے تو زیادہ اچھا ہے، ایک کا دوسرے سے معارضہ نہ کیا جائے، تاہم اگر کوئی شخص تبلیغی جماعت سے منسلک ہونے کے بعد صرف فضائل اعمال ہی کو سب سے اعلیٰ کتاب سمجھ لیتا ہے اور فضائل اعمال کی تعلیم کے ساتھ کسی وقت مسئلہ مسائل کی کتاب پڑھنے کو معیوب سمجھتا ہے، تو یہ اس شخص کی اپنی ذاتی غلطی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اور اصلاح کے لئے حکمت عملی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، معارضہ سے اصلاح نہیں ہوتی،

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۲/ ۲۷۵، ڈابھیل، بحوالہ کتاب النوازل: ۲/ ۳۷۵

نیز اس کی اس ذاتی غلطی کا ذمہ دار تبلیغی جماعت کے پورے مکتب فکر کو نہیں بنایا جا سکتا اور نہ اس کی وجہ سے پورے مکتب فکر پر الزام رکھا جا سکتا ہے، ہاں البتہ مکتب فکر کے ذمہ داروں کو اس کی اس طرح کی غلطی کی اطلاع کی جاسکتی ہے، تاکہ وہ لوگ بھی ایسے شخص کو متنبہ کر دیں۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ فضائل اعمال یا منتخب احادیث (فریقین کے حالیہ اختلافات کے تناظر میں) ایک جماعت کی نصابی کتاب ہے جس کی تاثیر وافادیت سے انکار نہیں، لیکن وہ کچھ پورے دین اور پورے دین کے شعبوں کی ترجمانی نہیں ہے، نہ ہی اُسے ہر مسجد کی نصابی کتاب قرار دینا صحیح ہے، مسجد میں درس قرآن، درس حدیث، درس عقائد اور بہت سے مضامین حسب موقعہ حسب ضرورت پڑھے جاسکتے ہیں، مقصد دین کی محنت پر کھڑا کرنا ہے، وسائل پر اس قدر زور کسی اہل حق جماعت کا نہیں ہونا چاہیے، سالہا سال کسی مسجد کو بلاشرکت غیر کے اُسی کتاب پر اصرار کرنا نہایت تنگ نظری ہے، جس سے سامعین اور قارئین کے ذہن میں دین اور دینی خدمات کا جامع اور مکمل تصور کبھی نہیں آسکتا ہے۔

دعوت وتبلیغ کی محنت میں والدین کی اجازت

① تبلیغ میں وقت لگانا کے لیے جھوٹ بولنا یا والدین کی اجازت ومرضی کے بغیر چلا جانا شرعاً درست نہیں ہے، اس کے لیے والدین کی ذہن سازی، دردمند احباب سے ملاقات کروانا، اہمیت وافادیت بتاتے رہنا، اپنے عمل واخلاق سے دل جیتنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، ورنہ بصورت دیگر گناہ لازم آئے گا۔(۲)

② اسی طرح والدین اگر تنگ دست ہوں بچوں کے سہارے اور خدمت کے محتاج ہوں تو بھی بلا اجازت تبلیغ میں جانا درست نہیں ہے، یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کام میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۳۹۲/۴

(۲) بحوالہ کتاب النوازل: ۳۷۹/۲

دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ”جب کہ والد تنگ دست ہے اور بچوں کی آمدنی پر گذارہ کرتا ہے، اس کے کسی بچے کو اس کی اجازت کے بغیر جماعت میں بھیجنا شرعاً درست نہیں ہے، اسی طرح تمام ہی نفلی اسفار میں والدین کی اجازت اور رضامندی کا لحاظ کرنا چاہیے۔(۱)

(۳) بیٹا جماعت میں جانا چاہتا ہے اور باپ اجازت نہیں دیتا جبکہ کہ گھر کی مالی حالت بفضل اللہ ٹھیک ہے تو اس صورت میں اگر باپ مذکورہ بالغ بیٹے کی خدمت وغیرہ کا محتاج نہ ہو اور بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے سے روکے تو اس کی اطاعت لازم نہیں، جیسا کہ علم دین حاصل کرنے سے روکنے میں اس کی اطاعت لازم نہیں ہے؛ لیکن حقوقِ واجبہ کو تلف کرکے تبلیغ میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت لازم ہے، اس کو چھوڑ کر بھی تبلیغ میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔ اگر حقوقِ واجبہ کا بھی انتظام ہو اور والدین کو جسمانی خدمت کی بھی حاجت نہ ہو اور سفر پُرخطر نہ ہو، تو پھر ان کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانے سے گناہ نہیں ہوگا۔(۲)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ”اگر ماں باپ کا خرچ لڑکے کے ذمہ ہے، تو ایسی صورت میں ان کے خرچ وغیرہ کا انتظام کرکے ان کی اجازت حاصل کرکے جماعت میں جائے۔ اور اگر لڑکا خرچ وغیرہ کا انتظام کردے اور ماں باپ جسمانی خدمت کے محتاج نہ ہوں، یا کوئی دوسرا بھائی وغیرہ اس ضرورت کو پورا کرنے والا موجود ہو، پھر بھی ماں باپ بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہ دیں، جب کہ دین سیکھنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھی اگر کوئی

---

(۱) کتاب النوازل: ۲/۳۸۱

(۲) فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/۲۵۵

جماعت میں چلا جائے، تو یہ نافرمان اور گنہگار نہ ہوگا؛ لیکن پھر بھی ماں باپ کو حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔(۱) (اس بارے میں ہماری مفصل کتاب ''اطاعت والدین کے حدود'' دیکھنا چاہئے)

غیر عالم کا وعظ کہنا؟

تبلیغی جماعت میں عموماً بیان کرنے والے غیر عالم ہوتے ہیں، بعض مرتبہ سبقت لسانی سے قابل اصلاح باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں، اس صورت میں حکم یہی ہے کہ اپنے اکابر سے جو باتیں سنی ہیں اچھی طرح یاد ہوں تو ان کو انھیں کے حوالے سے بیان کر دے، قرآنی آیات پڑھ کر ترجمہ کرنا، تفسیر بیان کرنا، احادیث کے تحت محدثین وعلماء کے اقوال ذکر کرنا یا اپنی فہم پیش کرنا درست نہیں ہے، مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''جاہل آدمی کا اپنی طرف سے وعظ ونصیحت کرنا اور بے سند باتیں کرنا درست نہیں، البتہ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہے؛ بلکہ کسی معتبر کتاب یا عالم کے حوالہ سے صحیح اور مستند باتیں نقل کرے تو اس کی اجازت ہے''۔(۲)

مرکز یا معتبر اکابرین سے جو دائرہ متعین ہے اسی میں رہنے میں متکلم وسامع دونوں کے دین کے لیے عافیت ہے، یہی حکم کہیں جمعہ کا بیان کرنے کا موقع ملے تو ہے، اگر بیان کے بعد کوئی عالم دین کسی بات پر تنہائی میں اصلاح کر دے تو اسے اپنے لیے سعادت سمجھے کہ ورنہ پتہ نہیں میری یہ غلط بیانی کب سے اور کب تک جاری رہتی، آج اللہ نے میری اصلاح فرمادی، کسی بھی طرح کی حجت بازی نہ کرے، اگر وہ بات کسی سے سنی ہوئی ہے تو بعد میں ان سے رابطہ کر کے دوبارہ تصدیق کر لے، فتاوی محمودیہ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ''ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ معتبر علماء کی کتابیں پڑھ کر سنایا کرے، اپنی طرف سے کچھ نہ کہے؛ لیکن اگر وہ صحیح

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۱۴/ ۱۱۴، جدید ڈابھیل: ۴/ ۲۱۴، فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۵۲

(۲) فتاوی محمودیہ میرٹھ: ۶/ ۱۱۴، فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۳۷۶

کتابوں کا مطالعہ کرے اور مضمون اچھی طرح یاد کر کے لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔(۱)

البتہ غیر عالم کے لئے درسِ قرآن یا درسِ حدیث دینا جائز نہیں۔"إن التفسیر علم نفیس خطیر، لا یلیق بکل أحد أن یتکلم فیه ولا أن یخوض فیه"۔(۲)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ "وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة۔(۳)

درمختار میں ہے: التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الأنبیاء والمرسلین۔ اور ان کے بعد ان کے وارثین علماء امت کا منصب ہے، حاصل یہ ہے کہ غیر عالم کا وعظ کہنا ممنوع ہے؛ لیکن تبلیغ جس کا دائرہ کار چھ نمبر کے اندر محدود ہے اسی کے اندر رہ کر اور اپنی طرف سے اضافہ نہ کرتے ہوئے یہ کام ہر واقف مسلمان کر سکتا ہے، اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں۔(۴)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> "بہتر تو یہی ہے کہ صرف علماء ہی بیان کیا کریں؛ لیکن اگر کوئی غیر عالم بیان کرے تو اسے صرف جماعت تبلیغ کے مقرر کردہ چھ نمبروں کے اندر ہی گفتگو کرنی چاہئے؛ تاکہ غیر معتبر بات اس کی زبان سے نہ نکلے"۔(۵)

"با قاعدہ وعظ تو واقعی غیر عالم نہیں کر سکتا؛ لیکن تبلیغ یعنی دین کی کچھ

---

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/ ۳۳۳

(۲) الفتاوی الحدیثیة: ۳۰۱، احسن الفتاویٰ ۸: ۸/ ۱۳۸، کراچی

(۳) بخاری: ۱/ ۱۴

(۴) فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۳۸۲، کتاب النوازل: ۲/ ۳۹۲

(۵) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/ ۳۳۳

معتبر اور صحیح باتیں عوام تک پہنچانے میں عالم ہی کی تخصیص نہیں ہے،
غیر عالم بھی پہنچا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ تبلیغ ہی کے دائرہ میں رہے
اور ضرورت ہوتو منبر پر بھی بیٹھ سکتا ہے''۔(۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرمایا: ''جو جاہل اور بے پڑھے مرد جماعت میں جاتے ہیں اور وہاں جا کر تھوڑی بہت دین کی باتیں یاد کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے وعظ وخطابت اور بیان ووعظ جائز نہیں ہے، اگر وہ بیان کرتا ہے تو مذکورہ حدیث کے نمبر تین میں داخل ہو کر متکبر اور ریا کاروں میں شامل ہو جائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت۔ اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ: تین ہی قسم کے لوگ وعظ وخطابت کر سکتے ہیں: ① حاکم ② عالم ③ متکبر اور غالی اور ضدی ریا کار۔ جو بے پڑھا آدمی جماعت میں جا کر تھوڑی بہت بات یاد کر لیتا ہے، نہ وہ حاکم ہے نہ ہی عالم ہے؛ لہٰذا اب وہ کون سی قسم میں داخل ہو سکتا ہے؟ علاوہ اس کے کہ وہ متکبر، ضدی اور ریا کار ہو، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا؛ اس لئے امت کے رہنما علماء نے باقاعدہ اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ہاں البتہ تبلیغی جماعت والوں کے لئے صرف دعوت وتشکیل کے چھ نمبروں کے حدود میں رہ کر بات کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی چھ نمبروں کو اپنی یاد اور دینی اصلاحی غرض سے سنانے کی اجازت ہے، اس سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لئے صرف اتنا جائز ہے کہ دینی کتابوں کو جیسے کتابوں میں لکھا ہوا ہے، ویسے ہی سنا دیں، اس سے زیادہ اجازت نہیں ہے۔(۲)

مجمع میں سنانے کے لئے جو کتابیں علماء نے لکھی ہیں، ان میں خود تشریحات موجود ہیں، غیر عالم کو کتاب سناتے وقت مزید علم کی ضرورت نہیں؛ البتہ اگر کوئی بات

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۶/ ۳۸۱-۳۸۲، کتاب النوازل: ۲/ ۳۹۴

(۲) مستفاد: معارف القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۰۴، اشرفی دیوبند ۲/ ۱۳۸، اصول تبلیغ، ص: ۳۵، ۵۶

کتاب سے سمجھ میں نہ آئے تو علماء سے مراجعت کرلیا کریں۔(۱)

تبلیغ میں عورت بیان کرنا

عورت صرف کتابیں پڑھ کر سنا سکتی ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، وہ اگر دینی باتیں کرنا چاہتی ہے تو وعظ وخطابت، جلسہ اور اجتماع کی شکل میں ہرگز نہیں کرسکتی، ورنہ حدیث مذکور(۲) کی وعید میں شامل ہوجائے گی؛ البتہ اکابر کی کتابیں اجتماع وغیرہ میں صرف پڑھ کر سنا سکتی ہے، یعنی جیسا لکھا ہوا ہے ویسا ہی پڑھ کر سنا سکتی ہے، اپنی طرف سے نہیں۔(۳)

فضائلِ اعمال پر اصرار؟

تبلیغی جماعت کے احباب چونکہ مرکز کے تابع ہوتے ہیں اور مشورہ سے تعلیم کی کتاب ''کتب فضائل، منتخب احادیث'' (علی اختلاف الفریقین) وغیرہ طے ہے تو دورانِ جماعت اسی کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر کسی کی کتاب کا مطالعہ کررہا ہو یا گھر میں فضائل اعمال کے علاوہ بہشتی زیور یا کسی عالم دین کی کتاب تعلیم کے طور پڑھتا ہو تو اسے منع نہیں کرنا چاہئے، اگر مسائل کی کتاب پڑھی جائے تو کسی عالم کی رہبری ضروری ہے، بعض مرتبہ مسئلہ غلط سمجھ لیا جاتا ہے، کسی بھی کتاب کو اس طرح لازم کرلینا کہ دوسری کتابوں کی تحقیر لازم آئے یا دوسری دین کے بنیادی مسائل سے محرومی ہوجائے درست نہیں ہے، یہ ایک محرومی کے علاوہ مبالغہ آرائی بھی ہے، جس سے تفرقہ پیدا ہوجاتا ہے، انسان کی لکھی ہوئی کوئی بھی کتاب ہو وہ نافع ہوسکتی ہے مگر کافی نہیں ہوسکتی۔(۴)

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/۴۴۱

(۲) عن عوف بن مالك الأشجعي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقص إلا أمير أو مأمور أو مختال۔ (سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندية: ۲/۵۱۶، دار السلام، رقم: ۳۶۶۵)۔

(۳) فتاوی قاسمیہ: ۴/۴۱۲

(۴) مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل: ۴/۲۸۳، کتاب النوازل: ۲/۳۹۵

فضائلِ اعمال کی تعلیم کے ساتھ قرآن کا حلقہ لگانا

اگر کسی مسجد میں نماز کے بعد فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی ہو اور اسی وقت مسجد کے دوسرے حصہ میں مکتب کا نظام ہو خواہ بچوں کا ہو یا بڑوں کا اور آواز ٹکرانے کا مسئلہ بھی نہ ہو تو دونوں کو جاری رکھنا چاہئے، دونوں کام دین کے ہی ہیں، البتہ اگر الگ الگ وقت نظام بن سکتا ہے بہت بہتر ہے، قرآن کے حلقہ والے یہ نہ سمجھیں کہ فضائل اعمال کی تعلیم کی وجہ سے لوگ قرآن نہیں سیکھ رہے ہیں اور تعلیم کے حلقے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ قرآن کی تعلیم کا حقلہ چلے گا تو تعلیم کے حلقے میں لوگ کم ہوجائیں گے، یہ سوچ بازاری لوگوں کی ہوتی ہے کہ اس کی دکان سے میرے گاہک کم ہوجائیں گے، مسجد میں آنے والا ہر شخص اللہ کی خاطر آرہا ہے ہمیں اپنی دکان چمکانا نہیں ہے، اپنے عمل کی کمیت سے زیادہ کیفیت پر نظر رکھیں، کوئی کسی حلقہ کی تحقیر نہ کرے، دین کے ہر کام میں رفیق بنے فریق نہ بنے، معاون بنے معاند نہ بنے، شریک بنے شریر نہ بنے، بڑی عمر کے لوگوں کے لئے قرآن پاک پڑھنا ایک اہم دینی ضرورت ہے، اسی طرح فضائلِ اعمال کی تعلیم میں شرکت بھی عوام وخواص کے لئے بہت مفید ہے، اس لئے باہم مشورے سے ایسی ترتیب بنائی جائے کہ دونوں کام بھی ہوجائیں، اور کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے... اشکال کی سب سے بڑی وجہ دونوں کاموں کا ایک وقت میں انجام دینا ہے، اس کا حل یہ ہے کہ دونوں کاموں کا وقت الگ الگ کردیا جائے، اور ایک تدبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فضائلِ اعمال کی تعلیم کا وقت آدھا گھنٹہ کے بجائے ۱۵ منٹ کردیا جائے؛ تاکہ بیک وقت دونوں کام ہونا آسان ہو۔(۱)

تبلیغی گشت فرض ہے یا واجب؟

محنت وجذبات کے جوش میں کوئی ایسا جملہ نکل جائے شرعاً درست نہیں ہے تو اس کی فوری اصلاح کرلے، جیسے یہ کہہ دینا کہ ''گشت فرض ہے اور نہ کرنے والے گنہگار

(۱) فتاوی رحیمیہ:۶/۱۰۱، کتاب النوازل:۲/ ۳۹۷

ہیں'' یہ کوئی بات مناسب نہیں ہے، کتاب النوازل میں ہے کہ ''تبلیغ دین فرض علی الکفایہ ہے، مگر تبلیغ کی کوئی معین و مشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں ہے کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے؛ لہٰذا مروجہ گشت کو فرض یا واجب نہیں کہا جاسکتا، اور اس کا تارک ہرگز گنہ گار نہیں ہے''۔(۱)

گشت سے پہلے دعا کی شرعی حیثیت

گشت کا مقصد لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہے، اور دعوت دینے سے پہلے دعا کرنا روایات سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی: {رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي} (۲) اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا آدابِ دعا میں سے ہے؛ لہٰذا گشت سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن یہ ایسا لازم نہیں کہ نہ کرنے والے پر نکیر کی جائے۔(۳)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ دعا برائے تربیت اور تعلیماً ہوتی ہے، مگر یہ بیان نہ کرے کہ ''دین میں ہر عمل کے بعد دعا مگر گشت میں عمل سے پہلے ہی دعا ہے، یہ گشت کی بہت بڑی فضیلت ہے'' کیونکہ دین میں عمل سے پہلے اور عمل کے بعد بھی دعا ہے، کھانے سے پہلے کھانے کے بعد، سونے سے پہلے سونے کے بعد، مسجد میں آنے سے پہلے اور جاتے وقت، قضائے حاجت سے پہلے قضائے حاجت کے بعد وغیرہ دعا منقول ہے۔

مشورہ کی دعا کی حیثیت

مشورہ کے وقت عام طور پر یہ دعا پڑھی جاتی ہے: **اللّٰهم ألهمني رشدی**

---

(۱) کتاب النوازل: ۲/۳۹۷

(۲) طٰہٰ: ۲۵-۲۶-۲۷-۲۸

(۳) کتاب النوازل: ۲/۳۹۸

وأعذني من شر نفسي ۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حصین رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی؛ لیکن وہاں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے کہ یہ دعا مشورہ کے ساتھ مخصوص ہے؛ البتہ اس دعا کو مشورے کے وقت پڑھنا معنی کے اعتبار سے صحیح ہے؛ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے اصابت رائے کو طلب کیا گیا ہے۔(۲)

بے نمازی کو نماز کی دعوت دیں یا چلہ چار مہینہ کی؟

بے نمازی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر بلا عذر شرعی نماز چھوڑ دے، بے نمازی کو نماز اور چلہ چار مہینہ دونوں کی دعوت دی جائے، ایک کی دعوت دوسرے کی دعوت کے معارض اور مخالف نہیں ہے؛ بلکہ چلہ چار مہینہ کی دعوت نماز کی دعوت کو بھی شامل ہے؛ کیوں کہ جب کوئی شخص اپنی گھریلو الجھنوں کو چھوڑ کر چلہ وغیرہ کے لئے جماعت میں نکلتا ہے تو نماز وغیرہ دینی امور کا بجالانا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے، اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی آجاتا ہے، اور چالیس دن مسلسل جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے طبعیت نماز کی عادی ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ چالیس دن کو طبیعت اور عادت کے بدلنے میں بڑا دخل ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔(۳)

جماعت میں مشتبہ مال والے کی دعوت قبول کرنا؟

جماعت میں اصول یہی ہے کہ اپنے جان و مال سے چلیں، اس لیے کسی کی دعوت قبول کرنے کی امید نہیں ہوتی ،مقامی احباب دعوت کرنا چاہیں تو وہ مشورہ سے طے کرتے ہیں کہ کب کس کی طرف سے جماعت کی خدمت کریں گے، طے کرنے میں حلال وحرام آمدنی والے کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے، مقامی احباب کے مشورہ کے بغیر براہِ راست

---

(۱) ترمذی شریف: ۱۸۶/۲

(۲) کتاب النوازل: ۳۹۹/۲

(۳) کتاب النوازل: ۴۰۱/۲

کوئی دعوت کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو پہلے مقامی متحرک ساتھیوں سے ملوادے، اگر کوئی ساتھی نہ ہو تو ان سے اس طرح حکمت سے خیر خیریت دریافت کرلے جس سے آنے والے کی کمائی کا اندازہ ہو جائے، بلاوجہ شک بھی نہ کرے اور حرام ہونا معلوم ہو جانے کے بعد کسی مصلحت کو بہانہ نہ بنائیں کہ "حکمت کے طور پر دعوت قبول کرلیں اور کھانے کی قیمت صدقہ کردیں، کھانے والا یہ نیت کرلے کہ میں حلال کمائی سے کھارہا ہوں" ورنہ ساتھی ٹوٹ جائے گا، کیونکہ حرام لقمہ پیٹ میں جانے کے بعد حکمِ الٰہی سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، مصلحت وحکمت کا تقاضہ اور شرعی حکم یہی ہے کہ حرام آمدنی والے کی دعوت قبول نہ کریں، اگر ان کی اصلاح مقصود ہو تو دعوت قبول کئے بغیر ان کی فہمائش کا راستہ اختیار کیا جائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ سے مراد

اللہ تعالیٰ کے فرمان: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں "لِلنَّاسِ" عام ہے مسلمان اور کفار سب کو شامل ہے، یہ آیت مسلمانوں میں اور غیر مسلموں دونوں میں تبلیغ پر دلالت کرتی ہے، تبلیغ بین المسلمین کی برکت سے غیر مسلموں کو بھی دولت ایمان نصیب ہو رہی ہے، گو کہ ضمناً ہو، اور جو حضرات غیر مسلموں میں تبلیغ کررہے ہیں وہ بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہو کر خیر امت شمار ہوتے ہیں، لہٰذا ہر گروہ اپنے دائرہ میں اصول کے تابع کام کرے، دوسرے گروہوں پر کسی طرح کا الزام نہ لگائے، علاوہ ازیں کوئی جماعت کسی کو شاید منع بھی نہیں کرتی ہے، مثلاً اہل تبلیغ غیروں میں کام سے منع نہیں کرتے ہیں اور غیروں میں کام کرنے والے اہل تبلیغ کو منع نہیں کرتے ہیں، اعتدال بھی یہی ہے۔

کیا عہد صحابہ میں تبلیغ بین المسلمین ثابت ہے؟

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، صحابہ کی جماعت کوفہ کی طرف گئی مسلمانوں کی دعوت کے لئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی جماعت کے ساتھ اپنی خلافت کے زمانے میں کوفہ کی طرف روانہ فرمایا، معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ

اورعمران بن حصین رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف تشریف لے گئے، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اورابو الدرداء رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے اُن حضرات کا یہ سفر اہلِ اسلام اور مسلمانوں کی دعوت کے لئے تھا، ان جیسی دیگر روایات سے تبلیغ بین المسلمین کا ثبوت کافی ہے۔

(۲) مروجہ تبلیغ اپنی تمام شکلوں و جزئیات کے ساتھ ثابت ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ تبلیغ دین کی جتنی بھی شکلیں رائج ہیں کوئی شکل منصوص نہیں ہے، اور کوئی منصوص ہونے کا دعوی بھی نہ کرے، نفسِ تبلیغ مقصود ہے نوعِ تبلیغ نہیں، پانی مقصود ہے رسی اور ڈول نہیں، منزل مقصود ہے سفر اور مسافت نہیں، علاوہ ازیں کسی شکل کے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں خصوصی دلیل کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کہ کسی کام کو سنت ومنصوص سمجھا جاتا ہے اگر سنت ومنصوص نہ سمجھے مصلحت سمجھے تو اس کے لئے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

حیاۃ الصحابہ کی جلد اول میں متعدد واقعات موجود ہیں جس میں صحابہ کو مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، فرائض واعمال سکھلائے گئے، نازل ہونے والے نئے احکام سے واقف کردیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعا انبیاء کی دعا کی طرح

بعض مرتبہ تبلیغ میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ اللہ کے راستے میں جانے والوں کی دعا انبیاء علیہم السلام کی دعا کی طرح قبول ہوتی ہے، اس طرح کی بات کسی حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں ملی، اگر یہ کسی کا قول ہے تو بھی بلا دلیل عام کرنا درست نہیں ہے، بعض لوگ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔" **اتقوا اذی المجاهدین فی سبیل الله فان الله یغضب لهم کما یغضب للرسل ویستجیب لهم کما یستجیب لهم**"(۱)

---

(۱) أخرجه الدار قطنی فی الأفراد کما فی أطراف ابن طاهر: ۱/ ۲۱۲/ ۳۰۱ والدیلمی ۱/ ۹۵/ ۳۰۹

مگر یہ استدلال محلِ نظر اس وجہ سے ہے کہ اس روایت کی سند میں کافی کلام ہے،جس سے روایت قابل استدلال نہیں رہتی ،مجاہد فی سبیل اللہ سے غازی مراد ہے مطلق مجاہد مراد نہیں ہے ورنہ گھر سے وضو بنا کر جانے والا بھی مجاہد ہے ، رفاہی کام کی تنظیموں کے نوکر بھی مجاہد ہیں،وغیرہ پھر غازی کی کوئی اہمیت وخصوصیت باقی نہیں رہے گی۔

قیامت کے دن سورج سوانیزے کا صحیح مطلب؟

سوانیزا کی کیا حقیقت ہے؟ حدیث میں صراحت سے نہیں ملا،البتہ اتنی بات ہے کہ ''قیامت کے دن سورج کو انسانوں سے قریب کردیا جائے گا،جس کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی بداعمالیوں کے سبب پسینہ میں غرق آب ہوگا ، یہ قرب حدیث شریف کے بیان کے مطابق ایک میل یا دومیل شرعی ہے،جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے، باقی نیزہ کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں اور حدیث شریف میں میل سے مسافت مراد ہونا ہی راجح ہے،جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے۔''(۱)

کونے پکڑ لینے سے کیا ہوگا

بعض مرتبہ بیان کے دوران یہ جملہ نکل جاتا ہے کہ:''اس دور میں دین کا سب سے بڑا دشمن وہ عابد ہے، جو گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہو''۔ظاہر ہے اس طرح کے جملہ امت کو جوڑنے سے زیادہ توڑنے کا کام کرتے ہیں،اس سے ذکراللہ ،اہل اللہ اور خانقاہی محنت کی تحقیر لازم آتی ہے،اگر مقصود اہلِ ذکر کو بھی تبلیغ دین پر آمادہ کرنا ہے تو ان کی مشغولیت کو تعظیم کے ساتھ قریب کرنا چاہئے ،حضرت مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: گھر میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے کو دین کا مطلق دشمن قرار دینا بھی غلط ہے، ہر شخص اپنے دین کی حفاظت کا پابند ہے،اب اگر کوئی شخص اس پرفتن زمانہ میں اپنے دین کی حفاظت اور معاصی سے بچنے کے لئے کنارہ کشی کرکے سنت کے مطابق

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۳۸/۴

عبادت میں مشغول رہتا ہے، تو اسے قابلِ ملامت قرار نہیں دیا جا سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فتنوں کے دور میں گھروں میں زیادہ وقت گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔

نوٹ: علماءِ حق پر تنقید بھی انتہائی خطرناک ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو اپنی حرکتوں سے باز آنا چاہئے، دوسرے لوگوں کو بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ وفي الخلاصة: من أبغض عالماً من غير سبب ظاهرٍ خيف عليه الكفر۔(۱)

تَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ کی وضاحت

یہ بعض صحابہ کا مقولہ ہے اور روایت صحیح ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت محض رسماً نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ کامل ایمان ویقین کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہئے، یعنی جب ہی تلاوت کا صحیح نفع ظاہر ہوگا اور ایمان کی کیفیت میں اضافہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں لوگ ایمان کیفیات کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے، آج بے حسّی و بے فکری کے ساتھ بغیر تأثر کے پڑھتے ہیں۔(۳) مایدري ما أمره ولا زاجره، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید توضیح فرماتی ہیں کہ ابتدائً جنت وجہنم والی آیات نازل ہوئیں، اگر پہلے ہی دن حلال وحرام والی آیات نازل ہوجائیں تو ہم عمل نہیں کر پاتے۔(۴)

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہیکہ ایک داعی سالہا سال صرف دعوتِ ایمان میں لگا رہے، اور تصحیح وتجوید یا شریعت سیکھنے کی فکر نہ کرے، اس جملہ کا استعمال قرآن سے دوری پر پردہ ڈالنے کے لیے نہیں ہونا چاہئے۔ مقصد صرف اتنا

---

(۱) شرح الفقه الأكبر، فصل في العلم والعلماء ۱۷۳ قدیمی
(۲) کتاب النوازل: ۳۱۸/۲
(۳) مستدرک حاکم: ۳۵/۱
(۴) صحیح بخاری: ۴۹۹۳

ہے کہ ایمانیات کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی تعلیم میں بڑی قوت رہتی ہے ایمانیات کے بغیر عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کا ذکر کرنا ایسا ہے جیسا کہ توا (روٹی پکانے کا) گرم کیے بغیر روٹی ڈال دینا۔

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کا مطلب

تبلیغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس طرح بیان کرنا کہ ''جب حجۃ الوداع میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" فرمایا، تو صحابہ حج کو چھوڑ کر چلے گئے، کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات کا حکم کریں، تو امتی کے لئے نماز توڑ کر اس حکم کی تعمیل کرنا فرض ہے، اور یہ ایمان کے لئے ضروری ہے، ورنہ کفر لازم آئے گا چناں چہ حج میں جب حکم دیا تو حج چھوڑ کر جانا ضروری ہوگیا؛ لہٰذا حج چھوڑ کر چلے گئے''۔ قابل اصلاح اور مبالغہ آرائی پر مشتمل بات ہے، احادیث میں تفصیلی روایات میں موجود ہے کہ حجۃ الوداع میں شریک صحابہ تمام ارکان ومناسک سے فارغ ہوکر طوافِ وداع کے بعد ہی مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، الا یہ کہ کوئی عذر ہو؛ لہٰذا یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" کہتے ہی سب صحابہ حج کو چھوڑ کر چلے گئے، یہ بات بے دلیل ہے ... اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہر امتی پر فرض ہے، تو یہ اس وقت ہے جب کہ کسی حکم کی صراحت کردی جائے، اس مطلق بات سے یہ دلیل پکڑنا کہ "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" کہتے ہی حج کو چھوڑ کر جانا ضروری تھا، یہ محض غلط ہے۔(۱)

کیا قیامت میں بے نمازی کو خنزیر بنادیا جائے گا؟

نماز ترک کرنے کی وعید بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ''قیامت کے دن بعض آدمیوں کی شکل کو بدل کر خنزیر کی شکل کا بنا دیا جائے گا، لوگ پوچھیں گے الٰہی آدمیوں کے اور جنات کے علاوہ سبھی جانور تو مٹی بنا دئے گئے یہ خنزیر کہاں سے آگئے، جواب ملے گا کہ یہ بے نمازی ہیں دنیا میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے خداوند کریم

---

(۱) کتاب النوازل: ۲/ ۳۳۸

ان کی شکل کو بدل کر خنزیر کی شکل بنا دے گا۔" ایسی کوئی صریح حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں بے نمازی کو خنزیر کی طرح بنا دینے کی وضاحت ہو"۔(۱)

نوٹ: "ہمارے علم میں نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ بیان کرنے والے کو کسی صحیح سند سے یہ حدیث ملی ہے تو بیان کرسکتا ہے، اگر صحیح سند سے یہ حدیث نہیں ملی تو نبی کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا اپنی آخرت کا خسارہ کر لینا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کا ایک مدلل و مفصل فتوی

کارِ نبوت ایک کلی ہے، اس کی بے شمار جزئیات ہیں اور سب ہم رتبہ نہیں، ان میں اہم اور غیر اہم کا فرق ہے، سب کی تفصیل دشوار ہے اور ضروری بھی نہیں؛ البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام سالم کوہِ نور کی مثال تھا، وہ بیک وقت معلم و مرشد، مبلغ و داعی، محدث و مفسر، مجاہد و فرماں روا اور فقیہ و مجتہد تھے، پھر بعد کے زمانوں میں دینی کاموں کی تفصیل عمل میں آنی شروع ہوئی، مگر دین کی دعوت وتبلیغ کا کام ہر دینی کام کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، اس سے صرف نظر نہیں کی گئی، کیوں کہ یہ دین کا بنیادی کام تھا، مگر آہستہ آہستہ اس ضمنی مگر اہم کام میں سستی پیدا ہوئی، جیسے اولیاء کی دعوت سے بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، مگر ان کی تعلیم وتربیت کی طرف بادشاہوں اور علماء نے کما حقہ توجہ نہیں دی، تو جہالت عام ہوگئی اور نو مسلم برائے نام مسلمان ہو کر رہ گئے، پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دارالعلوم دیو بند قائم ہوا اور اس کی شاخیں پھیلنی شروع ہوئیں اور انھوں نے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور اس سے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابر دیو بند کی راہ نمائی میں دعوت وتبلیغ کی داغ بیل ڈالی اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے دونوں سلسلوں میں برکت عطا فرمائی اور دنیا کی کایا پلٹتی نظر آئی، پس یہ پرندے کے دو پر ہیں، یا سالم کوہِ نور کے دو ٹکڑے ہیں، دونوں کو پوری اہمیت دینی

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۸۶/۴

چاہئے، اگر ایک کام میں غلو ہوگا اور دوسرے کونظر انداز کیا جائے گا، تو دین کا نقصان ہوگا، لہٰذا مسلمانوں میں ایمان واعمال کی مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) اور موجودہ طریقۂ دعوت وتبلیغ پر کارِ نبوت کے مفہوم کو منحصر کرے تو شرعاً یہ صحیح نہیں ہوگا۔

دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے، جوفرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے، جوفرض کفایہ ہے اور جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینا مستقل کام ہے۔ اور موجودہ طریقۂ تبلیغ تعلیم بالغان کی ایک صورت ہے، جو نہایت مفید ہے۔

دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں، جیسے نفس علاج سنت ہے، مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں، دعوت وتبلیغ کے لئے کوئی بھی نہج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں اور رائج طریقہ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابرین دار العلوم کے مشورہ سے چلایا ہے، پس دورِ اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں، مگر اس کو بعینہٖ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے، یہی حال تعلیم کا ہے، اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اور صحابہ کے طریقہ سے صرف استناد کر سکتے ہیں۔ مقصدِ تخلیق عبادت ہے اور دعوت اس کا ذریعہ ہے، غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے: ① چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر تمرین کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے ② دین کی باتیں بیان کرنا افادہ کے لئے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔ (۱)

مکتب کی تعلیم یا گشت؟

دین کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اگر کوئی شخص امور تبلیغ میں حصہ نہ لے تو اس پر اعتراض کرنے کے بجائے محبت سے اس کے قریب ہونے اور اسے اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، دینی امور میں شریک احباب بھی وقتاً فوقتاً اس کارِ خیر میں

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۳۲۵/۴

بھی حصہ لے لیا کریں، قرآن کریم کی تعلیم بیان میں بیٹھنے سے زیادہ اہم ہے۔اورقرآن کی تعلیم تبلیغ کا اہم اور بنیادی شعبہ ہے،تبلیغی جماعت کے اکابروسربراہ تبلیغی بیان میں بیٹھنے کے لئے تعلیم وتدریس چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے ہیں؛ اس لئے جولوگ اعتراض کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناواقف ہیں اور ایسے حضرات کی وجہ سے حضرات اکابر کا قائم کردہ تبلیغی مشن بدنام ہورہا ہے۔(۱)

''اگرگشت والے عمل کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اسی عمل کوقرآن سے اونچا کہا ہےاوراس کی مراداس سے گشت والاعمل تلاوت قرآن سے بہتر ہونا ہے،توکوئی بات نہیں ہے،مگرایسی بھونڈی تعبیرکسی طرح مناسب نہیں ہے۔اوراگرفی نفسہٖ گشت والےعمل کو مطلق قرآن سے اونچا کہنا مراد ہے،تو یہ کہنا غلط ہےاورنہایت بھونڈی تعبیر ہے؛لہٰذاان کواپنی اس حرکت سے بازآجانا چاہئے اورایسی گفتگو سے توبہ کرلینی چاہئے؛ کیوں کہ نفس قرآن سےاونچی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔(۲)

اصلاح مدرسہ میں ہے یا تبلیغی جماعت میں؟

بعض مرتبہ عقیدت وعظمت میں اس طرح کے جملے کہتے ہیں کہ''جماعت میں نکلنے ہی سے دین وایمان بنتا ہے،خواہ کیسا ہی بگڑا ہوا آدمی ہو،جماعت میں ٹھیک ہوجاتا ہےاورجماعت کا بگڑا ہوا کہیں بھی ٹھیک نہیں ہوسکتا'' جبکہ''اس دورمیں اصلاح کے تین طریقے مشہورومعروف ہیں:(۱)مدارس(۲)خانقاہیں(۳)تبلیغی جماعت،اب آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان تین طریقوں میں سے جس طریقے کو چاہے اختیار کرےاورعوام الناس جولوگ کاروبار اور دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے ہیں،ان کے لئے سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ وہ تبلیغی جماعت میں وقت لگائیں اور اس کے ذریعہ اپنی اصلاح کریں اور یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جوآدمی بہت بگڑا ہوا ہوتا ہے، جب اس کاتعلق

---

(۱) فتاوی قاسمیہ:۳۵۹/۴

(۲) مستفاد: کفایت المفتی قدیم:۱/ ۱۲۳،جدیدزکریا:۱/ ۱۷۱، ۱۷۲،بحوالہ فتاوی قاسمیہ:۳۷۰/۴

تبلیغی جماعت سے ہوجاتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں کافی حد تک تبدیلی آجاتی ہے، مثلاً اگر شرابی ہے تو شراب چھوڑ دیتا ہے، چوری ڈکیتی میں مبتلا رہا ہے تو اس سے تائب ہوجاتا ہے۔ اور اسلام پر عمل کرنے کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہوجاتا ہے۔

اور مدارس اور تبلیغی جماعت کے درمیان موازنہ کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ موازنہ ایک نوع کی دو چیزوں میں ہوا کرتا ہے، مثلاً دو مدرسے ہیں، کس میں تعلیم بڑھیا ہوتی ہے، دو استاذ ایک کتاب پڑھاتے ہیں، کون بڑھیا پڑھاتا ہے، اس طرح کا موازنہ کسی حد تک درست ہے؛ اس لئے کہ ایک ہی نوع کی دو چیزیں ہیں، مگر تبلیغ اور مدارس دونوں انداز تربیت کے اعتبار سے دو بالکل الگ الگ طریقے ہیں، ایسی دو چیزوں کے درمیان موازنہ درست نہیں؛ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح اور بہتر چیزیں ہیں، ہاں البتہ تبلیغ کی دو جماعتوں میں دو امیر الگ الگ ہیں، دونوں میں سے کس سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اس اعتبار سے دو جماعتوں اور دو امیروں کے متعلق موازنہ کیا جاسکتا ہے، مگر تبلیغ اور مدارس کے درمیان موازنہ بے محل ہے، تبلیغی جماعت میں نکلنا اپنی اصلاح اور تربیت کے واسطے ہوتا ہے، دشمنانِ اسلام سے جہاد کے لئے نکلنا نہیں ہوتا، اسی طرح مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے دور دراز علاقہ میں سفر کرکے پہنچنا دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے جانا نہیں ہوتا۔(۱)

کیا جماعت میں نکلنے والے کو طالب علم یا عالم کہہ سکتے ہیں؟

① ’’تبلیغی جماعت میں نکل کر ان ہی چیزوں کی مشق کرائی جاتی ہے جو چھ نمبر کے دائرہ میں ہوتی ہیں۔ اور چھ نمبر کے دائرہ میں جو باتیں ہوتی ہیں، ان کو سیکھنے اور ان کی طلب میں نکلنے والوں کو ان ہی چیزوں کا طالب کہا جائے گا اور اس درجہ کا طالب ان کو کہا جاسکتا ہے؛ لیکن عرف واصطلاح میں جس کو طالب علم کہا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو علوم شرعیہ کے حصول میں: فقہ، حدیث، تفسیر کے علماء

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۸۰

کے پاس جا کر علم دین سیکھتے ہیں، جس میں نحو، صرف، بلاغت، بدیع، معانی، اصول فقہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ سب شامل ہیں، ان کے حصول میں محنت کرنے والے کو علوم شرعیہ کا طالب علم کہا جاتا ہے۔(۱)

(۲) اصطلاح میں عالم دین اس کو کہا جاتا ہے، جس نے علوم دینیہ کے تمام مراحل طے کر کے فقہ، حدیث، تفسیر اور حدیث میں بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ پڑھ کر کے ان کی سند حاصل کر لی ہو، ان کتابوں کے پڑھے بغیر کسی کو عالم نہیں کہا جاتا ہے۔(۲)

تبلیغ میں بھیجے گئے اساتذہ کو تنخواہ دینا

"اگر تبلیغی کام بھی مدرسہ کے پروگرام میں شامل ہو تو جو مدرسین جماعت میں جاتے ہیں، ان کا منجانب مدرسہ تنخواہ لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ بانیان مدرسہ نے تبلیغ کو اغراض مدرسہ میں شامل کرلیا ہے؛ لہٰذا منجانب مدرسہ تنخواہ دے کر جماعت میں بھیجنے کا سلسلہ جائز اور درست ہے"۔(۳)

مساجد میں تبلیغی نصاب سنانے کا موزوں وقت

نمازیوں، وظیفوں، مطالعہ کتب وغیرہ کرنے والوں کو خلل ہو تو ایسی صورت میں ایسا طریقہ نکالا جائے کہ دونوں سلسلے قائم رہ سکیں، مثلاً تعلیم کسی گوشہ، برآمدہ یا صحن میں کی جائے، یا آنے والے نمازی کسی گوشہ میں نماز ادا کریں اور تعلیم محراب کے سامنے ہو جس کا لحاظ دونوں فریق کو کرنا ضروری ہے۔(۴)

نیز مساجد میں فجر کی نماز کے بعد کتاب کی تعلیم عام طور پر تسبیح ودعا کے بعد ہوتی ہے،

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۸۵

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۸۵

(۳) مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم: ۳/ ۲۱۹، جدید زکریا: ۳/ ۱۴۴، مکتوبات شیخ الاسلام: ۱/ ۳۵۶، فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۸۷

(۴) مستفاد: رحیمیہ قدیم: ۶/ ۱۰۱، ۳/ ۱۶۴، جدید زکریا: ۹/ ۱۰۸، ۹۴

اس درمیان مسبوق اپنی نماز بآسانی مکمل کر لیتے ہیں، اب جولوگ نماز کے مکمل ہونے کے بعد مسجد میں آئیں وہ اپنی نماز ذرا دور ہٹ کر ادا کرلیا کریں، تو اس طرح نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا۔(۱)

فجر کی نماز کے بعد دعا سے قبل تبلیغی نصاب پڑھنے کا اہتمام بہت اچھا ہے، اس سے عام مسلمانوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچتا ہے اور جن لوگوں کو سخت ضرورت ہو وہ دعا میں شرکت کیے بغیر جا سکتے ہیں، تسبیح پوری ہونے تک مسبوق بقیہ نماز پوری کر سکتے ہیں، نیز اگر کسی مقتدی کو یوں ہی جانے کا ارادہ ہے، کوئی سخت ضرورت بھی نہیں ہے، تو تبلیغی نصاب سن کر جانا بہتر ہے۔(۲)

تبلیغی اصول کی شرعی حیثیت

تبلیغ کے یہ اصول قرآن وحدیث کے مقرر کردہ اصول نہیں ہیں؛ بلکہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول ہیں، ان کی پابندی کرنا لازم اور ضروری نہیں، بشرط گنجائش اور بیوی، بچے، ماں، باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بھی نہ ہو تو ان اصولوں کی پابندی میں بڑے فوائد ہیں؛ لیکن بیوی، بچوں کے حقوق کو پامال کر کے اس میں لاپرواہی کر کے تبلیغ کے اصول کی پابندی بھی خیر وبرکت کا باعث نہیں بن سکتی، اللہ کے یہاں بیوی کے حقوق کے بارے میں سوال ہوگا؛ لہٰذا بیوی، بچوں اور گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ جتنی گنجائش ہو سکے تبلیغ کے اصول پر عمل کرے۔(۳)

اصل یہ ہے کہ دعوت شریعت تو زندہ کرنے کے لیے ہے، ایسا کوئی دعوتی کام انجام دینے کی ضرورت نہیں جس میں حدودِ شریعت پامال ہوتے ہوں۔

بیرون سفر کے لیے زکوۃ کی رقم دینا

مرکز میں ایک شخص کے نام پر چاہے وہ مستحق زکوۃ ہو یا نہ ہو، زکوۃ کی رقم جمع ہوتی

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۶۷، جدید میرٹھ ۵: ۱۸۰/، فتاوی قاسمیہ ۴: ۳۹۸/

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم: ۱۲/ ۱۴۵، جدید ڈابھیل: ۴/ ۲۲۹

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۴۱۸

ہے اور بسا اوقات وہ نصاب کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے؛ لیکن رقم اس شخص کو ادا نہیں کی جاتی، پھر یک مشت ایک لاکھ یا سوا لاکھ روپے کی رقم سفر کے وقت ادا کی جاتی ہے، تو کیا یہ شکل جائز ہے؟ اگر نصاب سے زیادہ رقم جمع ہوجائے اس کے بعد زکوۃ کی رقم دینا جائز ہوگا؟

مفتی شبیر احمد صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''صاحب نصاب آدمی کا بیرون ملک دعوت وتبلیغ کے لئے جانے والے کو زکوۃ کا پیسہ فراہم کرکے دینا جائز نہیں ہے اور ایسی صورت میں زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، ان کو اپنی زکوۃ کی خیر منانی چاہئے، جتنا پیسہ دیا گیا ہے اتنی مقدار زکوۃ اپنے مال میں سے دوبارہ نکالنا لازم ہے؛ اس لئے کہ جان بوجھ کر کے غیر مصرف میں اپنی زکوۃ کا پیسہ دیا ہے اور اس طرح عمل کرنے والوں کے ذریعہ سے تبلیغی مکتبِ فکر کی بدنامی ہے اور مرکز نظام الدین کے اکابر علماء کے مشورہ کے بغیر جہاں جہاں یہ عمل ہورہا ہے، یہ تبلیغی جماعت کے لئے خطرناک بدنما داغ ہے، یہ بنیادی غلطی مرکز نظام الدین کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر اور اصول کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہورہی ہے، اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔(۱)

جو شخص اس قسم کی زکوۃ کو جمع کررہا ہے، مرکز نظام الدین کے اکابر کو اس کے بارے میں نام زد کرکے ضرور اطلاع کرنا چاہئے، تاکہ مرکز نظام الدین کے ذمہ داران حضرات اس پر روک لگائیں اور زکوۃ کا جتنا پیسہ اس طرح جمع کیا ہے، اس کا وہ خود ضامن ہوگا، وہ سب مالکان کو واپس کردینا لازم ہے۔(۲)

تبلیغی اجتماع کے پنڈال میں جگہ چھوڑ کر نماز پڑھنا

بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات میں جب پنڈال میں جماعت ہوتی ہے، تو کبھی کبھی

(۱) مستفاد: کفایت المفتی، زکریا: ۴/ ۲۹۰، قدیم: ۴ / ۲۶۴، جدید زکریا مطول: ۶/ ۲۴۹، ۲۶۸، محمودیہ ڈابھیل جدید: ۹ / ۵۴۶، معارف القرآن: ۴ / ۴۰۷، فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۴۳۴

(۲) مستفاد: آپ کے مسائل اوران کا حل غیر مبوب: ۳ / ۴۰۴، ۵ /۱-۱۷۸، مکتبہ نعیمیہ، فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۴۳۴

درمیان میں کئی صفوں کی جگہ چھوڑ کر پیچھے صف بنالی جاتی ہے، چونکہ تبلیغی اجتماعات میں جو پنڈال ہوتا ہے وہ وقتی طور پر مکان واحد کے حکم میں ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اگر اس میں دو تین صفوں کا فاصلہ درمیان میں رہ جائے تب بھی اقتدا درست ہوجائے گی؛ لیکن کئی کئی صفوں کو خالی چھوڑنے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔(۱) یاد رہے کہ راستہ وغیرہ کی ضرورت کی وجہ سے جگہ چھوڑی جاسکتی ہے کتب فقہ میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

تبوک کی آیات کوالیاسی تبلیغ پر منطبق کرنا

① جو تبلیغی علماء ان آیات و احادیث کو جو قتال کے ساتھ خاص ہیں ان آیات واحادیث میں بیان کئے گئے فضائل یعنی جہاد بمعنی قتال کے فضائل دیگر دینی جد وجہد اور کوشش پر ملے گا۔ بعض علماء کا یہ کہنا کہ لفظ جہاد قتال کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی آیا ہے اس لئے قتال کا ثواب تمام دینی جدو جہد میں ملے گا۔

② کیا فضائل کا مدار شرعی معنی پر ہے یا لغوی معنی پر جس طرح نماز، زکاۃ، صوم اور حج وغیرہ بھی اپنے اصطلاحی معنی کے علاوہ لغوی اعتبار سے دیگر معانی میں استعمال ہوا ہے؟ کیا کسی نے یہ نظریہ بنایا؟ کہ نماز کا ثواب درود پر۔ زکاۃ کا ثواب صفائی پر۔ روزے کا ثواب تھوڑی دیر بھوکا رہنے پر۔ اور حج کا ثواب نیت وارادہ پر ملے گا؟ اگر یہ نظریہ درست ہے کہ وہ آیتیں اور حدیثیں جو قتال کے ساتھ خاص ہیں ان کا ثواب تبلیغی جماعت یا دیگر جدو جہد پر ملے گا تو صریح دلیل قرآن پاک سے۔ یا حدیث پاک سے۔ یا اجماع صحابہ سے۔ یا مجتہدین سے پیش کیجئے گا (آپ کا شکر گزار رہونگا)۔ مثال کے طور پر انفروا خفافا وثقالا الخ قتال کے ساتھ خاص ہے اس آیت کو دیگر دینی جدو جہد پر فٹ کرنا تحریف معنوی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

①② قرآن وحدیث میں مختلف عبادات اور دینی کاموں کے جو فضائل آئے ہیں، ان

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/۴۳۹

کا مدار محض لغوی معنی پر نہیں ہے؛ بلکہ شرعی معنی اور شرعی حقیقت پر ہے اور قرآن وحدیث میں جو نصوص جہاد بمعنی قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہیں، انہیں قتال فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی اور دینی خدمت پر فٹ کرنا یا اس کے لیے بھی قتال فی سبیل اللہ کے فضائل ثابت کرنا درست نہیں۔

(۳) انفروا خفافاً الآیۃ کی آیت قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہے، یہ غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ اس لیے اس آیت کو کسی اور دینی جد وجہد یا خدمت پر فٹ کرنا صحیح ودرست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

تبلیغ میں گئے بغیر مر جائے تو ایمان سیکھے بغیر مرے گا

ہمارے تبلیغی بھائی اکثر یہ کہتے ہیں کہ چار مہینے لگاؤ، اگر کسی نے چار مہینے نہ لگائے ہوں تو وہ اس کو کہتے ہیں کہ یہ اگر مر گیا تو ایمان سیکھے بغیر مرے گا۔ کیا کسی کو اس طرح کہنا درست ہے؟

ایمان اور اس کے مقتضیات (نیک اعمال کو اختیار کرنا گناہوں سے اجتناب کرنا) کا سیکھنا یعنی بقدر ضرورت دین حاصل کرنا ہر شخص کے ذمہ واجب ہے، اگر کوئی شخص ایسے ماحول ومشاغل میں گھرا ہوا ہے کہ علاوہ جماعت تبلیغ میں نکل کر دین سیکھنے کے اس کو موقعہ ہی میسر نہیں، اگر اس نے وقت فارغ نہ کیا اور اسی حالت میں موت آگئی تو دین سیکھے بغیر موت کا آجانا ظاہر ہے، البتہ جو شخص دیگر ذرائع سے علم حاصل کرتا رہتا ہے اور دین سیکھنے کے دوسرے طرق اختیار کیے ہوئے ہے اس شخص کے متعلق اس قسم کا قول درست نہیں ہے اگر چہ اس قسم کا قول کفریہ بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

کچھ اور اہم مسائل

☆ روحانی بیماری اور علاج کو بہانہ بنا کر تبلیغی جماعت میں ضابطہ سے زیادہ چھٹی لینا

---

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، Fatwa:965 -1027/N=10/1438

(۲) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتوی: 1039ھ=1025ھ

دھوکہ ہے، بیماری جب عرفِ عام میں بولی جاتی ہے تو جسمانی امراض ہوتے ہیں۔(۱)

☆ جاہل آدمی کا اپنی طرف سے نصیحت کرنا اور بے سند باتیں کرنا دوست نہیں، البتہ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہئے، بلکہ کسی معتبر کتاب یا عالم کی حوالہ سے صحیح اور مستند باتیں نقل کرے تو اس کی اجازت ہے۔(۲)، بہت کم عامی ایسے ہیں جو بات نقل کرنے کا سلیقہ اور احتیاط رکھتے ہوں۔

☆ معلوم ہونا چاہئے کہ زکوۃ اور صدقات واجبہ میں مالک بنانا ضروری ہے، اس لیے بغیر تملیک کے اس قسم کی رقومات اجتماعات اور جماعتوں کی ضیافت میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں، البتہ صدقات نافلہ یا ہدایا وعطایا اجتماعات میں لگا سکتے ہیں، باقی آنے والی جماعتوں میں ہر قسم کا آدمی ہوتا ہے، ان کی اعداد کرتے ہوئے مستحق غیر مستحق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

❁❁❁❁❁❁

---

(۱) کتاب النوازل: ۲/ ۳۶۷

(۲) فتاوی محمودیہ، کتاب النوازل: ۲/ ۳۹۵

سفرِ تبلیغ کے فقہی احکام

ایک ہی شہر کے مختلف محلوں میں چلہ لگانے والی جماعت مقیم ہے یا مسافر؟

اگر شہر کے حدود کے اندر پندرہ بیس دن یا ایک مہینہ قیام کا پہلے سے ارادہ ہے، تو شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ جماعت مقیم بن گئی ہے، چاہے شہر کے مختلف محلوں ومسجدوں میں نماز پڑھی جارہی ہو، ایک مسجد میں نماز پڑھنا شرط نہیں۔ ”ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوي الإقامة في بلدة أو قریة“ (۱)

دعوتی مراکز کے مقیمین کی نیت اقامت معتبر ہے یا نہیں؟

مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں رہنے والوں کی مختلف قسمیں ہیں، ایک قسم ان حضرات کی ہے، جنہیں مکان ملا ہوا ہے اور وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں، دوسری قسم ان حضرات کی ہے جنہیں رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ ملا ہوا ہے اور وہ یہاں تنہا رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان حضرات کی ہے، جو دو ماہ یا ایک ماہ کے لئے یہاں آتے ہیں اور حال یہ ہے کہ یہاں چاروں طرف سے دعوت کے تقاضے آتے رہتے ہیں، اندرون ملک سے اور بیرون ملک سے بھی؛ اس لئے ان رہنے والے حضرات کو مشورہ سے طے کرکے تقاضہ پورا کرنے کے لئے یہاں سے بھیجا جاتا ہے۔ اور جس کا جہاں جانا طے ہوجاتا ہے، وہ وہاں چلا جاتا ہے، تینوں قسم کے رہنے والوں کا حال یہی ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں، گویا مرکز میں رہنے والا ہر فرد مشورہ کے

(۱) ہندیۃ، زکریا: ۱/ ۱۹۹۔

تابع ہے، یہاں تک کہ مرکز کے اکابر میں سے بھی ہر ایک کا یہی حال ہے، یہ تینوں قسم کے حضرات اگر اقامت کی نیت کریں تو معتبر ہوگی یا نہیں؟

سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں قسم کے افراد میں سے اول الذکر حضرات جو اپنی فیملی کے ساتھ مرکز نظام الدین میں مقیم ہیں، ان کے لئے مرکز نظام الدین وطن تأہل ہے، جو وطن اصلی کے حکم میں ہے؛ اس لئے وہ حضرات ہمیشہ ہر حال میں وہاں نمازوں کا اتمام کریں گے، ان کے لئے قصر جائز نہ ہوگا، اگر چہ وہ حضرات بھی مشورہ ہی کے تابع ہوں۔(۱)

اور مؤخر الذکر دونوں قسم کے حضرات جو بغیر فیملی کے وہاں مقیم ہیں، چاہے ان کو کمرہ ملا ہو یا نہ ملا ہو، مرکز نظام الدین ان کا وطن اصلی یا وطن تأہل نہیں ہے؛ لہٰذا ان کے وہاں پر شرعی مقیم ہونے کے لئے مستقل بالرائے ہونا شرط ہے اور چونکہ جو لوگ جماعت کے کام کے لئے وہاں قیام کرتے ہیں، وہ وہاں کے مشورہ کے تابع ہوتے ہیں اور اس تابعیت کا علم بھی پہلے سے سب کو ہے؛ لہٰذا وہ لوگ مستقل بالرائے نہیں ہیں؛ اس لئے اقامت کے بارے میں مشورہ کے تابع ہوں گے؛ لہٰذا اگر مشورہ کمیٹی نے پندرہ روز سے زائد قیام کا فیصلہ کر دیا ہے، تو مقیم ہوں گے، نمازوں کا اتمام کریں گے اگر چہ پندرہ روز مکمل ہونے سے قبل پھر مشورہ کمیٹی نے سفر میں روانہ کر دیا ہو۔(۲)

عمر بڑھنے سے گناہ معاف ہونے کے حدیث

''جتنی عمر بڑھتی جائے گی اس سے دس سال کے معاصی کی مغفرت ہوتی جائے گی''۔ اس مضمون کی کوئی حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری، البتہ بڑی عمر کی فضیلت میں یہ حدیث مروی ہے کہ "من شاب شيبة في الاسلام كانت له نورا يوم القيامة(۳)

(۱) بحوالہ امداد الاحکام: ۲/ ۳۰۹

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۴۳

(۳) الجامع الصغير: ۱۷۳۔

کہ جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوگیا ہوتو بڑھاپے کی سفیدی اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اور ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں "لا تنتفوا الشیب فانه نور المسلم، من شاب شیبة فی الاسلام کتب اللہ له بها حسنة و کفر عنه خطیئة و رفعه بها درجة" رواه ابو داؤد (۱) کہ سفید بالوں کو مت نوچو کیونکہ وہ مسلمان کا نور ہے، جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی بناء پر ایک نیکی لکھے گا، اور ایک خطا معاف کرے گا اور ایک درجہ میں اضافہ فرمائے گا۔(۲)

❁❁❁❁❁❁

(۱) مشکاۃ کتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۲

(۲) فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۲۲۵

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مفصل فتوی

دنیا چاہتی ہے کہ پورے عالم اسلام ہی نہیں انسانی معاشی نظام میں حضرت شیخ الاسلام کا کیا مقام ہے، اسلامی قانون، خاندانی نجابت، اکابر کی طویل صحبت، دعوتی واصلاحی عالمی اسفار، قدیم وجدید علوم پر نظر، ان سب کے ساتھ جمہورِ امت کے افکار کی پابندی اور امتِ مسلمہ کا آپ پر اعتماد، یہ سب ایسے اوصاف ہیں جن میں حضرت بے مثال رہے ہیں، ذیل کا فتوی (پوری صراحت کے ساتھ نہایت علمی انداز میں دینی محنت کی قدر کرتے ہوئے) فکری وعلمی اغلاط کی نشاندہی کرتا ہے، پوری کتاب کے بجائے ایک طالب حق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے باوجود ان ممنوعہ باتوں کو دُھرانا شریعتِ اسلامی میں تحریف یا جماعتی جانبداری میں مداہنت ہے، اس مریضانہ ذہنیت کے ساتھ کوئی عند اللہ مقبول نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

سیدی حضرت اقدس حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مزاج گرامی! دل سے دعائیں ہیں کہ اللہ تعالی حضرت کو ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت! اس ناکارہ کے دل میں حضرت کی جو محبت وعظمت ہے اس کے اظہار میں طوالت ہو جائے گی۔ مختصراً عرض ہے کہ حضرت کے لیے دل و جان سے، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعائیں نکلتی رہتی ہیں، حضرت کی مصروفیات تو واقعی ہوتی ہیں، تاہم ایک مسئلہ میں حضرت کی رائے مطلوب ہے۔ دوسری کسی جگہ سے حضرت جیسی تسلی متوقع نہیں تھی۔ امید ہے جواب سے بہرہ مند فرمائیں گے۔

حضرت اکابر کی کتابوں میں اور حضرت کے ایک مستقل وعظ ''دین کی حقیقت تسلیم ورضا'' میں یہ بات دل میں بیٹھ گئی ہے کہ دین شوق پورے کرنے کا نام نہیں بلکہ اس وقت جو حکم اور وقت کا تقاضا ہو اس کے پورے کرنے کا نام دین ہے، لیکن دوسری طرف اپنے اکابر تبلیغی جماعت والوں کے ہاں دین کی حقیقت کو ''قربانی'' کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے تردد ہوتا ہے کہ صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے۔

مثلاً ہمارے پاکستان کے سابقہ امیر .... صاحب مدظلہم کا جس ہفتہ کا سہ روزہ متعین تھا اسی ہفتہ ان کے سسر کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ اس سوچ میں تھے کہ کیا کریں؟ تسلیم ورضا کے پیش نظر تو سہ روزہ کو اس ہفتہ مؤخر بھی کیا جا سکتا تھا تا کہ غمزدہ بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنے سے تسلی ہو، لیکن امیر صاحب پاکستان نے سہ روزہ کو مقدم رکھا اور چلے گئے۔ واپسی پر فکر مند تھے کہ بیوی خفا ہو گی لیکن بیوی خلاف توقع بہت محبت سے پیش آئی۔ اور عرض کیا کہ رات اباجی خواب میں ملے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ...... آئے تو اس پر خفا نہ ہونا۔ اس کے سہ روزہ پر جانے سے اللہ تعالی نے میری مغفرت فرما دی ہے۔ اب تسلیم ورضا کے تحت نہ نکلتے تو یہ مغفرت کا بہانہ کیسے بنتا؟

اکثر اکابر تبلیغ والوں سے سنتے ہیں کہ انتظامی چلوں اور سالوں سے ثواب تو ہوتا ہے لیکن کفر نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اس کیلئے''قربانی'' شرط ہے کہ گھر میں بیوی بیمار ہے، کھیت میں فصل تیار ہے، جیب میں رقم نہیں، حالات خراب ہیں، تب نکلے گا تو ہدایت عام ہو گی۔ اب تسلیم ورضا کے پیش نظر جب بیوی بیمار ہے تو اس کی دلجوئی ضروری ہے۔ فصل

تیار ہے تو کٹائی ضروری ہے۔ اب اس میں تسلیم ورضا کو دیکھا جائے یا قربانی کو۔ غالباً غزوۂ تبوک میں کھجور بالکل پکی ہوئی تھیں لیکن دین کی حقیقت قربانی کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے راستے میں نکل گئے۔

ایک صاحب نے ایک عالم سے پوچھا کہ ایک شخص اللہ کے راستے میں نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا بوڑھا والد نابینا ہے، جوان بیوی ہے اور آس پاس ماحول بھی سازگار نہیں، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ اس عالم نے کہا کہ صورت مسئولہ میں یہ شخص اگر نکلتا ہے تو بڑا ظالم ہے۔ اس عالم کو بتایا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی یہی حالت تھی جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے، اب تسلیم ورضا کے تحت تو نہ نکلنا سمجھ میں آتا ہے لیکن بزرگ کہتے ہیں کہ جب اسی حالت میں نکلے گا تو جہاں کفر ٹوٹے گا، وہاں اس کا یقین بھی بنے گا اور گھر والوں کا یقین بھی بنے گا کہ حقیقی محافظ اور رازق تو اللہ ہے۔

بعض لوگوں سے یہ بھی سنتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت چونکہ بلوغ اسلام نہیں ہوا تھا، اس لئے ان پر یہ ذمہ داری بڑھی ہوئی تھی۔ اب تو بلوغ اسلام ہو گیا ہے اب ویسی ذمہ داری نہیں جبکہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ جب بے دینی اور دین سے دوری اسی دور کے مثل عود کر آئی ہو تو کیا حکم وہی عود کر نہیں آئے گا؟

اکابر اہل علم، تبلیغ میں نکلنے کی شرعی حیثیت کو فرض کفایہ کہتے ہیں جبکہ تبلیغ کے بزرگ کہتے ہیں کہ کفایہ کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ فرض کی ادائیگی میں کفایت بھی کر جائے۔ اب اربوں انسان دین سے دور ہیں۔ تو کیا سینکڑوں اور ہزاروں کا نکلنا اس فرض کی ادائیگی میں کفایت کر رہا ہے؟

بعض ساتھیوں سے یہ بھی سنتے ہیں کہ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے تو افطار کروا دیئے تھے لیکن تبلیغی سفر موقوف نہیں فرمایا۔ اسی طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جب غسل جنابت کی حاجت تھی، وقت کا تقاضا تو غسل تھا، لیکن انہوں نے اسی ناپاکی کی حالت میں اللہ کے راستے کو مقدم رکھا۔

حضرت! امید ہے میں نے اپنے اشکال کی وضاحت کافی حد تک کردی ہے۔ مزید طوالت مناسب نہیں لگتی۔ حضرت اپنی فقیہانہ بصیرت وخداداد فہم کے تحت اس بات کی کسی قدر تفصیل سے وضاحت فرمادیجئے کہ بعض اوقات جب دین کا تقاضا تبلیغ والے پیش کرتے ہیں تو اس وقت کوئی نہ کوئی شرعی تقاضا بھی درپیش ہوجائے تو تسلیم ورضا کے تحت اس تقاضے کو پورا کیا جائے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح قربانی کر کے ان تقاضوں کو مؤخر کردیا جائے؟

حضرت! مذکورہ اشکال کے ساتھ ایک بات ضمناً عرض کرتا چلوں کہ بعض امور میں اکابر اہل علم اور اکابر اہل تبلیغ کے زاویۂ نگاہ میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً عام اہل علم تبلیغ میں نکلنے کو فرض کفایہ اور تبلیغ والے فرض عین بتلاتے ہیں، جیسے آج سے نصف صدی قبل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت اہل اللہ کے فرض عین ہونے کا فتوی دیا تھا۔ کیونکہ بدون صحبت اہل اللہ اس وقت اصلاح ظاہر وباطن قریب قریب ناممکن تھی۔ اب یہ بات بھی مشاہدہ ہے کہ نکلنے سے نہ صرف عوام بلکہ علماء کرام کی دینی حالت میں جو انقلاب آتا ہے اس کا خود مشاہدہ ہے اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ تو اگر مقدمۃ الواجب واجب کے تحت نکلنے کو فرض عین بتلایا جائے تو اس کی کیا شرعی حیثیت ہوگی؟

والسلام

بندہ محمد راشد

جواب: مکرمی ومحترمی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲) تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کا تفصیلی فتوی اسی جلد کی "فصل فی الدعوۃ والتبلیغ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر عفی عنہ)

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ آپ احقر ناکارہ کے لیے جس طرح دعائیں کرتے ہیں، اس پر کس زبان سے شکر ادا کروں، اللہ تعالی آپ کو اس کا بہترین صلہ دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں، آمین۔

آپ نے تبلیغی جماعت کے بارے میں جو باتیں پوچھی ہیں، ان کے بارے میں چند اصولی باتیں عرض کرتا ہوں، خدا کرے کہ وہ باعث اطمینان ہوں۔

[۱] جب جہاد فرض عین ہو جائے تو اس وقت ایک ایمرجنسی کی حالت ہوتی ہے، اس وقت نہ تجارت جائز ہے، نہ بیوی بچوں کے عام حقوق اس طرح باقی رہتے ہیں جیسے امن کی حالت میں ہوتے ہیں اور نہ جہاد کے سوا کوئی اور ایسا کام جائز ہوتا ہے جو جہاد کے منافی یا اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والا ہو(۱)۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک کی جتنی مثالیں پیش کی ہیں، وہ سب اسی حالت سے متعلق ہیں، غزوۂ تبوک میں جہاد کے فرض عین ہونے کا اعلان خود قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا تھا (۲) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوٹوک الفاظ میں واضح فرما دیا تھا، لہٰذا پکی ہوئی کھیتیاں یا گھر والوں کے مسائل اس فرض عین کی ادائیگی میں مانع نہیں ہوسکیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جانباز صحابی کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منوہ میں رہ کر کمزوروں کی دیکھ بھال کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ جہاد کی فضیلت حاصل کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی وجہ سے تسلیم ورضا کی خاطر مدینہ منورہ میں رہے، اور کمزوروں کی دیکھ بھال کی (۳) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ایسے ہی وقت کا ہے جب

---

(۱) تفصیل کے لیے حضرت والا دامت برکاتہم کی تصنیف "تکملہ فتح الملھم" کتاب الامارة، مسئلة فرضية الجهاد: ۳/ ۴۷/ ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ما كان لاهل المدينة و من حولهم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله و لا يرغبوا بانفسهم عن نفسه، الآية (سورة التوبة ۱۲۰)

(۳) و فی صحيح البخاری علیہ السلام باب من حبسه العذر عن الغزو: ۱/ ۳۱۸ حدثنا احمد بن يونس ثنا زهير ثنا حميد ان انسا حدثهم قال رجعنا عن غزوة تبوک مع النبی ﷺ ح و ثنا سليمن بن حرب ثنا حماد هو ابن زيد عن حميد عن انس ان النبی ﷺ كان فی غزوة فقال ان اقواما بالمدينة خلفنا ما سلكنا شعبا ولا واديا الا وهم معنا فيه حبسهم العذر الخ۔ و كذا فی صحيح مسلم: ۲/ ۱۴۱ (طبع قديمی کتب خانه)۔

دشمن حملہ آور ہو چکا تھا اور جہاد فرض عین تھا (۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت فرض ہو چکی تھی، اور انہوں نے اسی فریضے کو ادا فرمایا ورنہ عام حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم قرار دیا، اور ایسے صحابہ رضی اللہ عنہ کو لوٹا دیا جو والدین کو روتا چھوڑ کر جہاد کے لیے آئے تھے (۲)۔

اگر سہ روزہ یا چلے پر نکلنا اسی درجے میں فرض عین قرار دیا جائے جس درجے میں جہاد نفیر عام کے وقت فرض ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ تجارت، صنعت، زراعت کچھ جائز نہ ہو، بلکہ ہر انسان ہر وقت تبلیغی سفر پر ہی رہے، جیسا کہ جہاد کے فرض عین ہونے کے وقت دوسرا کوئی کام جائز نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر سہ روزہ یا چلہ لگانا فرض عین ہے تو اس کی حد کیا ہے؟ کیا قرآن وحدیث کا کوئی حکم اسکی تعیین کرتا ہے؟ دوسرے سہ روزہ لگانے کے بعد جب آدمی پورے مہینے تجارت یا زراعت میں مصروف ہوگا تو کیا اس وقت تبلیغی سفر فرض عین نہیں ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا تو وہ فرض عین کہاں رہا؟ اور ہوگا تو تجارت اور کسب معاش کیسے جائز ہوا؟

[۲] آپ نے لکھا ہے کہ ''ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے تو افطار کرا دیئے،

---

(۱) وفی المغنی لابن قدامة: ۹/ ۱۷۴ (طبع دار الفکر بیروت) مسئلة قال وواجب علی الناس اذا جاء العدو ان ینفروا المقل منهم والمکثر ولا یخرجوا الی العدو الا باذن الامیر الا ان یفجاهم عدو غالب یخافون کلبه فلا یمکنهم ان یستاذنوه ان النفیر یعم جمیع الناس ممن کان من اهل القتال حین الحاجة الی نفیرهم لمجیء العدو الیهم ولا یجوز لاحد التخلف الا من یحتاج الی تخلفه لحفظ المکان والاهل والمال ومن یمنعه الامیر .... وذلک لقول الله تعالی انفروا خفافا وثقالا، التوبة، وقول النبی ﷺ اذا استنفرتم فانفروا .... وقال بعد اسطر وقد نفر من اصحاب رسول الله ﷺ وهو جنب یعنی غسیل الملئکة حنظلة ابن الراهب الخ۔

(۲) دیکھئے: الصحیح لمسلم: ۲/ ۳۱۳ (طبع قدیمی کتب خانہ) وجامع الترمذی: ۱/ ۲۰۰ (طبع فاروقی کتب خانہ)۔

لیکن تبلیغی سفر موقوف نہیں فرمایا'' اولاً تو یہ تبلیغی سفر نہیں تھا، فتح مکہ کے جہاد کا سفر تھا۔(۱) دوسرے روزے مشقت شدیدہ کی وجہ سے افطار کرائے گئے۔ موقوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ شدید گرمی تھی، مگر صرف اتنی بات سے جہاد کو ترک کرنا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ اس مشقت کا اثر زیادہ سے زیادہ اپنی ذات پر تھا، کسی کا حق یا مال تلف نہیں ہو رہا تھا۔

[۳] آپ نے فرض کفایہ کا جو مطلب لکھا ہے اگر کفایہ کا یہی مطلب ہے تو پوری تاریخ اسلام میں جہاد کو کبھی ''فرض کفایہ'' نہ ہونا چاہئے تھا، کیونکہ غیر مسلموں کی تعداد تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کے تین گنے سے بھی ہمیشہ زائد رہی ہے، کروڑوں انسان ہر دور میں دین سے دور رہے ہیں، لہٰذا جب فقہائے امت نے جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا تو کیا اس وقت دنیا کی اکثریت مسلمان ہوگئی تھی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ جو ظاہر ہے کہ اس وقت کی دنیا کی آبادی کا بہت مختصر حصہ تھا۔ لیکن کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغی سفر کو فرض عین قرار دے کر کبھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ سب اپنے حقوق واجبہ ترک کر کے

---

(۱) وفی الترمذی ج ۱ ص ۸۹ (طبع فاروقی کتب خانہ) باب ما جاء فی کراھیۃ الصوم فی السفر، عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ خرج الی مکۃ عام الفتح فصام حتی بلغ کراع الغمیم و صام الناس معہ فقیل لہ: ان الناس شق علیھم الصیام، وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب و الناس ینظرون الیہ، فافطر بعضھم و صام بعضھم........الخ۔
وفی جامع الترمذی، ابواب فضائل الجھاد باب فی الفطر عند القتال ج ۱ ص ۲۰۱ و ص ۲۰۲ (طبع مذکور) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: لما بلغ النبی ﷺ عام الفتح مر الظھران فآذننا بلقاء العدو فامرنا بالفطر فافطرنا اجمعین، ھذا حدیث حسن صحیح۔ مزید احادیث اور تفصیل کیلئے دیکھئے: درس ترمذی ج ۲ ص ۵۵۵۔
(محمد زبیر حق نواز)

دوسرے شہروں اور ملکوں میں جائیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ''فرض کفایہ'' کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر مسلمانوں کی معتد بہ جماعت یہ کام کر رہی ہے تو اس کا یہ عمل دوسروں کے فریضے کی ادائیگی کیلئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔

[۴] تسلیم و رضا اور قربانی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالی کے حکم کی اطاعت قربانی چاہتی ہے، کبھی یہ قربانی جان کی ہوتی ہے۔ کبھی مال کی، کبھی خواہشات کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تبوک جانے سے روکا اور انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا تو یہ تسلیم و رضا بھی تھی اور خواہش کی قربانی بھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شرکت سے روکا اور انہوں نے اطاعت کی تو یہ بھی خواہش کی قربانی تھی، جب جہاد فرض عین ہو جائے اس وقت جان، مال اور دنیوی خواہشات کی قربانی دی جاتی ہے، اور جب فرض کفایہ ہو اور انسان کے لیے شرعاً جائز ہو تب بھی وہ انہی چیزوں کی قربانی پیش کرتا ہے، لیکن جب تک فرض عین نہ ہو، یہ قربانی اپنی ذات کی حد تک محدود رہتی ہے، دوسرے اصحاب حقوق کی قربانی نہیں کی جاتی، ہاں اگر اصحاب حقوق اپنے حقوق خوشی سے چھوڑ دیں تو ان کے لیے باعث اجر ہے، اور اس صورت میں جہاد یا دعوت کے کام میں شرکت باعث اجر عظیم ہے۔ آپ نے جن بزرگ کی مثال دی کہ ان کے سسر کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ سہ روزہ پر چلے گئے، ان کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر ان کی اہلیہ کو ان کے جانے سے کوئی نا قابل برداشت تکلیف نہیں ہوئی تو شرعاً ان کا یہ عمل ناجائز نہیں تھا۔ البتہ افضل ہونے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اور خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہے جس سے کسی حکم شرعی پر استدلال کیا جائے۔

[۵] یہ بات احقر کی فہم ناقص سے بالاتر ہے کہ تبلیغ میں نکلنے پر ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد کے واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن عملاً جہاد کے بارے میں

طرز عمل یہ ہے کہ گویا جہاد کوئی شرعی فریضہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسے عملاً منسوخ سمجھا جاتا ہے اور جہاد کی بعض اوقات مخالفت بھی کی جاتی ہے۔

[۲] مذکورہ بالا گذارشات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تبلیغی جماعت کا مخالف ہوں، یا یہ کہ تبلیغ کے کام کو اہمیت نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ کا کام نہایت اہمیت کا حامل ہے، خاص طور پر تبلیغی جماعت نے بفضلہ تعالیٰ مجموعی حیثیت سے بڑا قابل تعریف کام کیا ہے اور اس سے امت کو بہت فائدہ پہنچا ہے، لیکن کسی کام کی اہمیت واضح کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے ہر قیمت پر فرض عین قرار دیا جائے۔ دوسرے، جہاں تبلیغی جماعت کے ساتھ تعاون وتناصر ضروری ہے، وہاں بعض غلوآمیز باتوں کی اصلاح بھی ضروری ہے جو بعض نووارد یا حدود کی رعایت نہ رکھنے والے حضرات سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، اور اب بعض اوقات احکام شرعیہ میں تصرف کی حد تک پہنچ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔(۱)

مسجد میں بلند آواز سے فضائل کی کتاب پڑھنا

مسجد میں فضائل کی کتاب پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مفید ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑے، لہٰذا اگر نمازی نماز میں مشغول ہوں تو ان سے دور ہٹ کر کتاب پڑھی جائے یا ان کے فارغ ہونے کا انتظار کیا جائے، نمازیوں کو دوسری جگہ نماز پڑھنے کو کہنا درست نہیں۔

"کما یفهم من عبارة الشامیة تحت قول الدر: و رفع صوت بذکر الا للمتفقه، وفی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری"۔

(۱) فتاوی عثمانی: ۱/ ۲۴۷

خلاصہ اور مقصود یہ ہے کہ کسی بھی اجتماعی تعلیم، درس تفسیر وحدیث کو منبر ومحراب سے کرتے ہوئے لاوڈ اسپیکر کے یا اپنی آواز کے استعمال میں ضرورت کا خیال رکھنا چاہئے، مسبوق نمازی حضرات کی نماز میں خلل نہ ہو، یہ اصلاح مقصود ہے۔

تبلیغی چندہ کا حکم

دینی وتبلیغی اجتماعات وغیرہ کے انتظام کے لیے صرف نفلی صدقات سے امداد جائز ہے، نذر کی اشیاء، سود کا پیسہ اور زکوۃ کی رقم کا ان اجتماعات میں صرف کرنا جائز نہیں، اور ان تمام رقوم کو مستحق زکوۃ فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔(۱)

جو چندہ اور عطیہ تبلیغی اجتماعات یا کسی خاص دینی مجلس کے لیے ہی آیا ہوا ہے اس کو اسی مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے اگر مصرف بدلنا ہو تو دینے والوں کو مطلع کرنا چاہئے۔(۲)

❁❁❁❁❁❁

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۵/ ۴۳۴

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۵/ ۴۳۷

مساجد و مدارس کا دعوتی کردار

مساجد دعوتِ دین کے مراکز

مساجد مسلمانوں کے لئے ایک عظیم نعمت ہیں، ان کے ذریعہ جہاں مسلمان آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں، وہیں دُنیاوی مسائل بھی حل کر سکتے ہیں، مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر پر توجہ فرمائی، اس لئے کہ مسجد اسلامی معاشرہ کی اولین ضرورت ہے، مساجد کے بغیر اسلامی معاشرہ کا تصور ناممکن ہے، مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے منصوبہ بند طریقہ سے دعوت کا کام مشکل تھا، جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منتقل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منصوبہ بند طریقہ پر دعوتی کام کا آغاز کرنے کے لئے مسجدِ نبوی کی تعمیر فرمائی، مدینہ منتقل ہونے کے بعد مسلمانوں کو کئی ایک مسائل درپیش تھے، جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل تھے، لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سارے مسائل کو روک کر سب سے پہلے مسجد کی طرف توجہ فرمائی، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ مسجد کے بغیر دعوتی کام کا باقاعدہ آغاز ممکن نہیں، موجودہ دور میں مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مساجد کی دعوتی اہمیت کو نظر انداز کر دیا ہے، مساجد کو صرف عبادات ہی تک محدود کر دیا گیا ہے، مساجد کے اجتماعی معاشرتی اور دعوتی پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو اس سے اچھنبا سا محسوس ہونے لگتا ہے، عہدِ نبوت اور خلفاءِ راشدین کے دور میں مساجد اسلامی معاشرہ کا اٹوٹ حصہ تھیں، مسلمانوں کے دینی اجتماعی اور معاشرتی امور مساجد ہی میں

طے پاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر مقدمات سماعت فرماتے تھے، حدود وتعزیرات نافذ فرماتے تھے، جنگِ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں اختلافات تھے، اس سلسلہ کا آخری فیصلہ مسجد نبوی ہی میں طے ہوا، اسی طرح خلافت اور اجتماعی معاملات سے متعلق غور وخوض بھی مسجد ہی میں کیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ''الصلاۃ جامعۃ'' کی ندا لگواتے جس کے ساتھ سب صحابہ مسجد میں جمع ہوجاتے تھے۔

مساجد کا علمی کردار

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مسجد تعلیم گاہ بھی تھی، مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا جس کو صفہ کے نام سے جانا جاتا تھا، اس جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اپنی تمام تر مصروفیتوں سے الگ ہوکر حصولِ علم میں لگی رہتی تھی، جن کو اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرہ کی یہ پہلی درسگاہ تھی جہاں سے بیک وقت مصلح، مجاہد، سپہ سالار تیار ہوتے تھے، علاوہ ازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ روزانہ فجر کے بعد حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم فرماتے اور انہیں دین کی باتیں بتاتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مختلف مسائل کے سلسلہ میں استفسار کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کا جواب مرحمت فرماتے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور دریافت کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''**قتال فی سبیل اللہ**'' کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے وہی اللہ کی راہ میں ہے۔'' (۱)

جب اسلام پھیلنے لگا تو مختلف علاقوں کے لوگ مسلمان ہوکر مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رخ کرتے اور بنیادی تعلیم حاصل کرکے اپنے علاقوں کو لوٹتے تھے، احادیث وسیرت کی

---

(۱) مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ (بخاری باب مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا رقم: ۲۸۱۰، مسلم: بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ رقم: ۱۹۰۴

کتابوں میں ایسی کئی وفود کا تذکرہ ملتا ہے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ آئے اور مسجد نبوی کی درسگاہ سے فیض یاب ہو کر اپنے وطن لوٹے۔

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان علم حاصل کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، یہاں ہم نے بیس دن قیام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ ہم لوگ گھر جانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ ہم نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> اپنے بیوی، بچوں میں واپس جاؤ اور جو کچھ تم نے سیکھا ہے انہیں سکھاؤ اور نیکی کی باتیں سناؤ اور فلاں نماز فلاں وقت اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو، جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور تم میں جو علم وعمل کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو امامت کرے۔(۱)

مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرماتے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے، چنانچہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اچانک ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے نماز کی حالت میں اس کی چھینک پر **يَرْحَمُكَ اللهُ** کہا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے بہتر تعلیم وتربیت کرنے والا نہ تو اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا، صرف اتنا کہا کہ یہ نماز ہے، اس میں بات چیت مناسب نہیں، نماز تو اللہ کی پاکی بیان کرنے، اس کی بڑائی کا اظہار اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے۔(۲)

---

(۱) أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلیَ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةَ (مسلم: باب من احق بالامامة رقم: ۶۷۴، نسائی باب اجْتِزَاءُ الْمَرْءِ بِأَذَانِ غَيْرِهِ فِي الْحَضَرِ: رقم: ۶۳۵)

(۲) إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شيءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ (مسلم بَابُ تَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ، وَنَسْخِ مَا كَانَ مِنْ إِبَاحَتِهِ رقم: ۵۳۷)

غرض کہ عہد نبوی میں مسجد مسلمانوں کی دینی دعوتی اور اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

دورِ حاضر میں مساجد کے دعوتی کردار کو زندہ کیا جائے تو مسلمانوں کے کئی ایک مسائل حل ہو سکتے ہیں، مساجد کے سلسلہ میں پہلا کام جو فوری توجہ کا طالب ہے یہ کہ مساجد کو عہد نبوی کا مقام دیا جائے، اس کے لئے مسلمانوں کے مساجد سے رابطہ کو مستحکم کیا جائے، آج یہ امت مساجد سے اپنا تعلق منقطع کرتی جارہی ہے، جب کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً مسجد اور نماز کی طرف متوجہ ہوتے، سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا، سخت سردی یا گرمی کی لہر ہوتی یا آندھی چلتی تب بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے۔(۱)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبر گیری کرتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے: اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد سے لگاؤ ایمان کی علامت ہے، اسی طرح اسلام سیکھنے کے لئے آنے والوں کا ٹھکانہ بھی مسجد ہی ہوا کرتی تھی، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوثقیف کے وفد کو مسجد میں قیام کرایا اور بعض روایات میں اس کی مصلحت یہ بتائی گئی "لیکون ارق لقلوبھم" تاکہ مسجد میں ٹھہرنا ان کے دلوں میں رقت کا باعث بنے۔(۳)

---

(۱) كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ، صَلَّى (ابو داؤد باب وَقْتِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ رقم: ۱۳۱۹)

(۲) إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ المَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ (ترمذی بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ رقم: ۲۶۱۷ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب حسن ہے)۔

(۳) سنن ابی داؤد بَابُ مَا جَاءَ فِي خَبَرِ الطَّائِفِ رقم: ۳۰۲۶، مسند احمد: ۱۷۹۱۳ مسند عثمان بن ابی العاص عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

ان سارے حقائق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ کے معاشرہ کا مساجد سے گہرا ربط تھا، مسجد ان کی زندگی کا اٹوٹ حصہ تھی، اس لئے موجودہ حالات میں بھی مسلمانوں میں مساجد سے گہری وابستگی پیدا کرنی ہوگی اور یہ حضراتِ علماءِ کرام اور دینی و دعوتی تحریکوں سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نکتہ پر خاص توجہ دیں اور اس کو اپنے پروگرام میں شامل فرمائیں۔

مساجد اجتماع کا بہترین ذریعہ

مساجد کا دوسرا اہم پہلو اجتماعیت و یکجہتی کا ہے، مسلمان دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہیں، دعوتی کام کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کا مسئلہ بڑا اہم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مساجد کی شکل میں اجتماعیت کی ایک قدرتی شکل پیدا فرمائی ہے، داعی کو مختلف افراد سے ملنے اور ان سے اصلاحی بات کرنے کے لئے زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں رہتی، ایک محلہ یا پورے گاؤں کے تمام مسلمانوں سے دن میں پانچ مرتبہ ربط رکھا جاسکتا ہے، اس دوران جہاں مسلمان بھائیوں کو دنیوی مسائل سے آگہی ہوتی ہے وہیں دعوتی و اصلاحی کام میں تعاون بھی ملتا ہے، اصلاحی کام کرنے والے نماز کے موقعہ پر اپنے کام کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

مؤثر خطابت کی جائے

مساجد کی اس اجتماعی اہمیت کو دعوت و اصلاح کے لئے دو طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے: ایک تو یہ کہ جمعہ کے خطبوں کو موثر بنایا جائے، ایسے ائمہ اور خطباء رکھے جائیں جو دعوتی اور اصلاحی ذہن کے حامل ہوں، مسلکی اختلافات اور مسلکی تشدد سے دور ہوں، ان کے اندر داعیانہ روح پائی جاتی ہو، انہیں وارثینِ انبیاء ہونے کا شدت سے احساس ہو، وہ خطبوں کا انتخاب معاشرہ کے حالات کے مطابق کیا کریں، اختلافی اور متنازعہ مسائل سے گریز کریں، ایسے گوشوں پر زور دیں جن سے اُمت میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو، کتاب وسنت سے ان کا گہرا ربط ہو، یہ کام اُس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ خطباء حضرات

خطابت کے اس زرین موقعہ کو ایک امانت تصور کریں اور اس کے استعمال میں حد درجہ احتیاط برتیں، ہر خطیب سال بھر کے خطبوں کا ایک اصلاحی خاکہ مرتب کرے اور باقاعدہ اس کی تیاری کرے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کے علاوہ سیرتِ رسول ﷺ کا گہرا مطالعہ کرے اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ اس کی گفتگو قرآن وحدیث، سیرتِ نبوی، تاریخ اسلامی اور آثار صحابہ سے ہٹ کر نہ ہو، وہ اپنی ہر بات کو مدلل انداز میں پیش کرے، الحمدللہ علماء کی خاصی تعداد ہے جو اپنے خطبوں میں ان اُمور کا خیال کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی ایسے خطیبوں کی بھی کمی نہیں جو یا تو باقاعدہ علم دین سے آراستہ نہیں یا ہیں تو ایک منظم پروگرام کے ساتھ دعوتی نقطۂ نظر سے خطابت کا استعمال نہیں کررہے ہیں، بہت سی مساجد کے ذمہ داروں کو خطیب کی اہمیت کا اندازہ نہیں، قریوں اور قصبوں سے ہٹ کر شہروں میں بھی ایسی مساجد ملتی ہیں جہاں قابل اور صحیح امام وخطیب کا نظم نہیں ہے، کمیٹی کے افراد کا عموماً یہ عذر ہوتا ہے کہ مسجد اچھے خطیب یا امام کی متحمل نہیں ہے۔

جمعہ کے خطبات عوام کی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان خطبات سے اصلاحِ معاشرہ کا زبردست کام لیا جاسکتا ہے، یہ ایک مسئلہ ہے جس پر ملت کے عمائدین کو اجتماعی طور پر غور وخوض کرنا چاہیئے، جن اضلاع یا بستیوں میں ذمہ داران مساجد اچھے امام وخطیب کا نظم نہ کرسکتے ہوں ان کا سروے کرکے وہاں ائمہ اور خطباء کا انتظام کیا جانا چاہیئے، مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی تنظیمیں دینی محاذ پر کام کررہی ہیں وہیں ایک ایسی تنظیم بھی ہونی چاہیئے جو مساجد اور ائمہ مساجد کے مسائل پر غور کرے اور یہ کام ملت کے لئے کچھ دشوار نہیں ہے، ملک کی راجدھانی دہلی میں ''ادارہ امور مساجد'' نام سے ایک ادارہ ہے جو اس سلسلہ میں سرگرم ہے اور شمالی صوبہ جات میں اس کی شاخیں بھی ہیں، اسی نوعیت کے ادارے اگر ریاستی سطح پر قائم کئے جائیں تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں بعض دیہاتوں میں دعوتی کام کی اہمیت اس لئے

بڑھ جاتی ہے کہ وہاں کی اکثریت عموماً دین کی مبادیات تک نہیں جانتی، ایسے ماحول میں اگر جانکاری رکھنے والے صحیح امام کا نظم ہوجائے تو وہ پوری بستی کی اصلاح کرسکتا ہے۔ ہمارا دین دار طبقہ شہروں کی دینی حالت کو دیکھ کر مطمئن ہوجاتا ہے، لیکن یہ حقیقت اس کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت دیہاتوں اور قصبوں میں پائی جاتی ہے جو دین سے نابلد ہیں، معقول مشاہرہ دے کر اگر قابل علماء کا نظم کیا جائے تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی، اس سلسلہ میں شہر کے علماء کا بھی فرض ہے کہ وہ مواضعات کی دینی صورتِ حال کا جائزہ لے کر امت کے سامنے کوئی لائحہ عمل پیش کریں۔ دیہی علاقوں کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہاں قادیانیت جڑ پکڑتی جارہی ہے، عوام الناس کو حقیقتِ حال کا علم نہیں رہتا، وہ قادیانیوں کو بھی مسلمان سمجھ لیتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر دین سے محروم ہوتے ہیں، بعض دیہاتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ مساجد میں قادیانی امام منصبِ امامت پر فائز ہیں اور امامت کے بھیس میں سارے مسلمانوں کو قادیانیت سے قریب کررہے ہیں اور منظم پروگرام کے تحت قادیانی علماء کو دیہاتوں میں پھیلایا جارہا ہے، وہ بلا معاوضہ امامت کرتے ہیں، اس طرح مسلمانوں میں تیزی سے ارتداد پھیلتا جارہا ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہورہا ہے کہ وہاں صحیح علم رکھنے والے ائمہ کی کمی ہے۔

ہفتہ واری اجتماعات

جمعہ کے خطبوں کے علاوہ ہفتہ واری اجتماعات اور قرآن وحدیث کے درسوں کے ذریعہ بھی اصلاحی کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے، شہر کی بہت سی مساجد میں ہفتہ واری درسِ قرآن کا نظم ہے، اکثر مساجد میں ائمہ ہی درسِ قرآن دیا کرتے ہیں اور بعض مساجد میں معروف عالم دین سے استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن یہ کام بہت محدود پیمانے پر ہورہا ہے، ہمیں اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ مسلمانوں کی قوت کا حقیقی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس عظیم کتاب سے وابستگی جتنی گہری ہوگی مسلمان اسی قدر

کامیابی کی راہ پر گامزن ہونگے، مسلمانوں کا ایک طبقہ عجیب ذہنیت کا شکار ہے، وہ قرآن کا حق صرف اتنا سمجھتا ہے کہ اس کی تلاوت کرلی جائے، قرآن فہمی کی طرف توجہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو شجرِ ممنوعہ سمجھتا ہے، جب کہ دوسرا طبقہ زبان دانی سے محرومی کے سبب قرآن کو سمجھنے سے قاصر ہے، اُمت کو قرآن سے قریب کرنے میں تفسیر قرآن کے حلقے اہم کردار ادا کرسکتے ہیں، اس سے لوگوں کو قرآن سے لگاؤ پیدا ہوگا، اس طرح اس کے درس کو سلسلہ وسعت دینے کی ضرورت ہے، جن مساجد میں اسکا نظم نہیں ہے وہاں مساجد کے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فکر کریں، اگر اجتماعی طور پر مہم چلائی جائے تو قرآن فہمی کا ایک ماحول بن سکتا ہے، ساتھ ہی درسِ تفسیر کے حلقوں کو موثر بنانے کی بھی ضرورت ہے، بہت سے افراد وہ ہیں جو نماز کے ساتھ ہی مسجد سے نکل پڑتے ہیں، انہیں قرآن فہمی کی اہمیت سمجھائی جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ اس سے مستفید ہوسکیں، مساجد کے دعوتی کردار کے احیاء کی راہ میں جو چیز رکاوٹ بن رہی ہے، وہ مسلکی تشدد ہے، مساجد جو اتحاد واتفاق اور اخوتِ اسلامی کا مظہر ہوتے ہیں آج مسلکی اختلافات کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہیں، مساجد کو اختلاف سے دور رکھنا موجودہ دور کا اولین تقاضہ ہے، اس کے لئے ملت کے عمائدین اور مختلف مسالک کے علماء کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔

❁❁❁❁❁

مسلمانوں میں دینی محنت کرنے والے حضرات کے لیے مختصر دستور العمل

- جماعت مقصود ہے نہ جمعیت، نہ ہی مجمع اور بھیڑ اکٹھا کرنا، صرف رضاء الٰہی کے لیے کام کریں۔
- ہر قدم پر اپنے مستند علماء کرام کی ہدایات پر عمل پیرا رہیں۔
- ایسا بول یا طرز عمل ایسی ذہن سازی نہ کریں کہ مدارس خانقاہیں اور دیگر دینی محنتیں زد میں آجائیں، سننے والے دوسری محنتوں کو ہلکا یا کم ضروری، یا حقیر سمجھنے لگ جائیں، یا ان سے کسی بھی طرح استفادہ کرنے تیار نہ ہیں۔
- غیر مستند باتیں نہ چلائیں، غیر معتبر باتیں سُنانا بہت بڑا مذہبی جرم ہے۔
- اپنے نظام، نصاب، وسائل تربیت (چلہ، چار ماہ جیسی چیزیں یا کسی بھی تنظیمی طریقۂ کار) کو شریعت پر ترجیح نہ دیں۔
- ہر ایمان والے کی عظمت اور تمام خدام دین کا احترام کرنا ضروری سمجھیں۔
- مسائل، قضاء، مالی معاملات وغیرہ علماء کرام کے حوالہ کریں، اُس میں عوام مداخلت نہ کریں۔
- مدارس، مکاتب، مجلس تحفظ ختم نبوت، مخلص سیاسی، تنظیموں کا ہر ممکنہ جائز تعاون فرمائیں۔

- ٹکراو، تناؤ کے بغیر تعاون کی فضا بنائے رکھیں۔
- اپنے معاملات ومعاشرت کی اصلاح کے لیے کسی عالم دین کو اپنا مشیر بنائے رکھیں، اور اپنے اندر مکمل دین لانے کی کوشش کرتے رہیں۔
- قربانی اور دینی تقاضوں کی کثرت کی وجہ سے بیوی کے حقوق، اولاد کی تربیت، ملازمت کے حقوق ماتحتوں کی ذمہ داریوں میں کوتاہی ہونے نہ دیجیے۔
- عہدے اور مناصب کے بجائے اپنی ذات کی اصلاح چھُپ کر کرنے پر بھرپور توجہ دیجیے، چھپنے اور نمائش کی کوشش مت کیجیے۔
- اپنے ساتھیوں کی غیبت، عہدوں کی رسہ کشی، چالبازی سے ترقی کے راستہ جانے کا خواب مت دیکھیے، خاصانِ خدا، اور مقبولین کی سیرت پر عمل کیجیے۔
- کسی مدعو سے کوئی مادی، دنیوی غرض وابستہ نہ کیجیے۔
- اجتماعی مال میں کبھی خیانت نہ کریں، دینی نسبتوں کو یا تنظیمی تعلقات کو سیاسی مفادات، تجارتی تعلقات بڑھانے، کاروبار میں شریک تیار کرنے وغیرہ کے لیے استعمال نہ کیجیے۔

❁❁❁❁❁

دینی مدارس کا دعوتی کردار

مدارس کی تاریخی اہمیت

ملک کے طول وعرض میں دینی مدارس کی جال پھیلی ہوئی ہے، عام آدمی کی نگاہ میں ان مدارس کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ یہاں چند بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، لیکن یہ ایک سطحی خیال ہے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کی بقا اور شریعت کے تحفظ کے سلسلہ میں ان مدارس کا اہم رول رہا ہے، آزادی سے قبل کے مایوس کن حالات کے پس منظر میں جب کہ مسلمان ہر لحاظ سے مایوسی کا شکار تھے اور باطل قوتوں نے اسلام کو مٹانے کا تہیہ کرلیا تھا، اس وقت کے دور اندیش علماء نے نہایت غور وفکر کے بعد طے کیا تھا کہ ہندوستان میں دین وشریعت کی بقاء کا واحد راستہ یہاں مدارس کا جال پھیلانا ہے۔

انتہائی نامساعد حالات میں ان مدارس نے امت کی کشتی کو ہر قسم کے تھپیڑوں سے بچاتے ہوئے جس طرح ساحل پر لگایا ہے وہ ایک طویل داستان ہے، گذشتہ نصف صدی کے دوران ملتِ اسلامیہ سے کیسے کیسے طوفان ٹکرائے اور خرمنِ اسلام کو پاش پاش کرنے کے لئے کیسی تند وتیز آندھیاں چلیں، اس کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دین وشریعت پر کسی ایک جہت سے حملہ نہیں کیا گیا بلکہ ہر محاذ سے یورش کی گئی، لیکن مدارس سے فارغ ہونے والے علماء نے ان حملوں کو ناکام بنایا۔ دار العلوم دیوبند کے قیام کے ابتدائی دور میں ہر طرح کے فتنے سر اٹھا رہے تھے، باطل

طاقتیں عروج پر تھیں، ایک طرف عیسائیت کا زور تھا تو دوسری طرف قادیانیت پیر پھیلا رہی تھی، داخلی سطح پر مسلمانوں میں ایسے نام نہاد محققین پیدا ہوگئے تھے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے اور اسلامی احکام کو نامعقول اور ناقابل عمل قرار دینے میں مصروف تھے، پھر ان سب سے ہٹ کر مسلمانوں کے اعمال وعقائد میں ہر طرح کا بگاڑ آچکا تھا، غرض یہ کہ چاروں طرف سے یلغار تھی، ایسے میں علماءِ مدارس نے پوری قوت کے ساتھ ان فتنوں کا مقابلہ کیا، عیسائی پوپوں سے زبردست مناظرے کئے گئے اور دلائل کی روشنی میں انہیں لاجواب کردیا گیا، قادیانیت کی تردید میں مضبوط لٹریچر تیار کیا گیا، مسلمانوں کی عام اصلاح کے لئے عوامی سطح کی محنت کی گئی، الغرض ہر اٹھنے والے نئے فتنہ کی سرکوبی کی گئی، پھر ان مدارس سے نکلنے والے علماء کا حال یہ تھا کہ دفاعِ اسلام کے لئے مطلوب ہر صلاحیت ان میں موجود تھی ، ملک میں پائے جانے والے تمام قدیم مدارس کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی عمارتیں اگرچہ پختہ نہ تھیں، لیکن ان سے تیار ہوکر نکلنے والے افراد پختہ صلاحیتوں کے حامل ہوتے تھے، ان مدارس کے ذمہ داروں کے ذہنوں میں عمارت کی پختگی سے کہیں زیادہ افراد کی پختگی اہم تھی۔

مدارس کے نصاب میں اس بات کو خوب ملحوظ رکھا گیا تھا کہ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو، چوں کہ اس دور میں منطق وفلسفہ اور بحث ومناظرہ کی شدید ضرورت تھی، اس لئے نصاب میں اس کی پوری رعایت کی گئی، اس دور میں مضامین کی کتنی ضرورت تھی اس کا اندازہ اس وقت کے حالات سے لگایا جاسکتا ہے، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ وغیرہ کے بارے میں مشہور ہے کہ پنڈتوں اور پادریوں کے ساتھ بارہا ان کے مناظرے ہوئے، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے شاگردوں نے شدت کے ساتھ قادیانیت کا تعاقب کیا، استشراق اور مغرب زدہ ذہنیت کے خلاف اسلام کی حقانیت اور شریعتِ اسلامی کی معقولیت میں علامہ شبلیؒ،

مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے علمی لٹریچر تیار کیا، ان حضرات کی تحریروں نے مغرب پرستوں کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کیا۔

غرض یہ کہ دین وشریعت اور خدمتِ اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس کو مدارس کے علماء نے تشنہ چھوڑا ہو، انہوں نے دعوتِ دین کے ہر شعبہ کو سیراب کیا، ان حضرات کے نزدیک دعوت واصلاح کا کوئی محدود مفہوم نہ تھا بلکہ حالات وضرورت کے اعتبار سے جس وقت خدمتِ دین کا جو تقاضہ سامنے آتا اس پر فوراً لبیک کہتے۔

مدارسِ اسلامیہ کو متحرک ہونے کی ضرورت ہے

موجودہ دور کے مدارس کی خدمات سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا، بہت سارے قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود وہ اس پرفتن دور میں امتِ مسلمہ کی اہم ترین ضرورت پوری کرر ہے ہیں جو حضرات ان مدارس کے بعض جزوی حالات کو لے کر ان کی افادیت کا سرے سے انکار کردیتے ہیں وہ دراصل علماء کے سلسلہ میں ذہنی تحفظ کا شکار ہیں یا پھر وہ جانتے ہوئے حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ان مدارس کو مزید موثر بنانے کی ضرورت ہے، اب انہیں پہلے سے کہیں زیادہ متحرک ہونے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ سائنس وتحقیق کے اس دور نے اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کے لئے نت نئے چیلنج کھڑے کردیئے ہیں، اسلام کے خلاف اب بہت سے نئے محاذ کھل گئے ہیں، جن کا پچھلے زمانوں میں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا اب فتنوں نے نیا روپ دھار لیا ہے، دعوت واصلاح کے نئے تقاضے پیدا ہوچکے ہیں، گذشتہ زمانہ میں جن اسلام مخالف کوششوں کا ظہور نہایت محدود پیمانے پر ہوتا تھا اب جدید مواصلاتی دور نے انہیں لامحدود بنادیا ہے، پچھلے زمانہ میں بہت کم سننے میں آتا تھا کہ فلاں علاقے کے مسلمان قادیانی ہوگئے یا انہوں نے عیسائیت قبول کیا، لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں دیہات قادیانیت سے متاثر ہورہے ہیں، خصوصاً آندھرا پردیش کے بعض دیہاتوں سے متعلق جو اطلاعات پہنچ رہی ہیں وہ ہمیں خوابِ غفلت

سے بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں، مختلف بستیوں میں قادیانی ائمہ خفیہ طور پر قادیانیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں اور بے شعور عوام ان کے دامِ فریب میں آ کر ایمان واسلام کو خیر آباد کہہ رہے ہیں اور یہ سب خاموشی کے ساتھ نہایت منظم طریقہ پر انجام پا رہا ہے، ادھر مدارس سے نکلنے والے علماء کا حال یہ ہے کہ ہر شخص شہر میں خدمات انجام دینے میں عافیت سمجھ رہا ہے، حتیٰ کہ دیہات سے تعلق رکھنے والے علماء بھی شہروں کا رخ کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں ان کی کچھ مجبوریاں بھی مانع بن رہی ہیں۔

ہر شعبہ میں کام کی ضرورت

مدارس کے سلسلہ میں فکر مندی کی بات یہ ہے کہ اربابِ مدارس ہر سال سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں علماء کو فارغ کر رہے ہیں، لیکن فراغت کے بعد ان کا استعمال کہاں ہو رہا ہے؟ اس پر سوچا نہیں جاتا، سوال یہ ہے کہ آخر اتنی بڑی تعداد کہاں جا رہی ہے؟

بہت سے نوجوان فارغین اُونچے عزائم لے کر نکلتے ہیں، لیکن عملی میدان میں جب بڑوں کی طرف سے ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی نہیں ہوتی تو وہ بجھ جاتے ہیں، پھر یہ کہ خدمتِ دین کا ایک محدود تصور ہمارے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے، مسجد یا مدرسہ سے ہٹ کر دیگر شعبوں میں کام کرنے کا جیسے رواج ہی ختم ہو گیا ہے، درس وتدریس اور امامت وخطابت بلاشبہ ایک عظیم خدمت ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان سے ہٹ کر خدمتِ دین کے دیگر تقاضوں پر توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکالیں اور مختلف قریوں اور بستیوں کا جائزہ لے کر وہاں ہونے والی اسلام دشمن سرگرمیوں کا مقابلہ کریں اور عوام الناس کو حقیقت سے واقف کرائیں، دوسری شکل یہ ہے کہ اربابِ مدارس ایسے مبلغین کا نظم کریں جو مستقل طور پر اسی کام میں لگے رہیں، اتنی بڑی تعداد میں دینی مدارس کے ہوتے ہوئے اگر مسلمانوں میں ارتداد پھیلتا رہے اور لوگ قادیانیت کا شکار

ہوتے رہیں تو ہمارے لئے بڑے افسوس کا مقام ہوگا، اس کے لئے تمام ذمہ دارانِ مدارس کا ایک متحدہ وفاق ہو، جس کے تحت مختلف علاقوں کا سروے کیا جائے اور نئے فارغ ہونے والے علماء کا ان علاقوں میں صحیح استعمال ہو، اس پروگرام کے زبردست نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، قریوں میں دعوتی سرگرمیوں کا تیز کرنا وقت کا اولین تقاضہ ہے، اس سلسلہ میں علماء کو تھوڑی قربانی دینی پڑے گی، اس وقت سب سے بڑا مسئلہ قریوں میں علماء کے قیام کا ہے، منظم طریقہ سے اس کا کوئی حل نکالا جائے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ علماء آمادہ ہوجائیں۔

علماء دینی تحریکوں کی سرپرستی کریں

مدارس کے دعوتی کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ علماء دعوت وتبلیغ کی تحریکات میں روح پھونکیں، ان سے تحریکوں کو صحیح رُخ مل سکتا ہے، علماءِ مدارس کی تاریخ شاہد ہے کہ علماء نے ہمیشہ دینی تحریکوں کی سرپرستی فرمائی ہے اور اپنی بصیرت کے ذریعہ انہیں ہر طرح کے فتنوں سے بچایا ہے، بالخصوص ایسی دعوتی تحریکات جن سے عوام کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے، علماء کے تعاون کی محتاج ہیں۔

دعوت کا ایک اور میدان جس کی موجودہ حالت میں بڑی اہمیت ہے وہ برادرانِ وطن میں دعوتِ دین کا میدان ہے، اس کام کے لئے علماء سے زیادہ موزوں کوئی اور جماعت نہیں ہوسکتی، یہ دینی مدارس کے ہمہ جہت دعوتی مقاصد کا اہم حصہ ہونا چاہئے ماضی میں ہمارے علماء نے اس کام کو بڑی اہمیت دی ہے، اس کے لئے فارغ ہونے والے طلبہ کی باقاعدہ تربیت کی جانی چاہئے، علومِ اسلامیہ میں گہرائی کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر مذاہب کا تعارف بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں خوش آیند بات یہ ہے کہ مختلف مدارس میں اب اختصاص فی الدعوۃ کے شعبہ قائم کئے جارہے ہیں، جن میں مذاہبِ عالم کا مطالعہ کرایا جاتا ہے، ان شعبوں میں اگر غیروں میں دعوت کی عملی تربیت دی جائے تو نور علی نور ہوگا۔

مدارس کے دعوتی کردار کو مزید موثر بنانے کے لئے دعوتی نہج پر طلبہ کی ذہن سازی کی بھی شدید ضرورت ہے، مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دعوتی ذہن لے کر نکلیں، وہ جہاں بھی رہیں دین کے داعی کی حیثیت سے رہیں اور دعوت واصلاح کے ہمہ جہت پروگرام میں حصہ لیتے رہیں، نیز ان کی دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو، اس کے لئے مدارس کے موجودہ نصاب میں ایسا مواد شامل کیا جائے جو ان میں دعوتی روح پیدا کرسکے، دعوتی نقطۂ نظر سے اگر سیرتِ رسول کا مطالعہ کرایا جائے تو بہت مفید ہوسکتا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی سراپا دعوت ہے، اس میں ایک داعی کے لئے بہترین نمونہ ہے، مگر بدقسمتی سے ہمارے مدارس کے نصاب میں سیرت پر کم توجہ دی گئی ہے۔(۱)



(۱) دعوت دین اہمیت وطریقۂ کار، مولانا احمد ومیض ندوی صاحب دامت برکاتہم۔

غیر معتبر رویات اور بے سند باتیں

دین کی بات سنانا بڑی ذمہ داری کا کام ہے، نیت، الفاظ، معلومات، اسلوب، اور حسب موقعہ سنانا ایک فن ہے، کسی بات کو حدیث کہنا اُس سے بڑی ذمہ داری ہے، صحابہ کرام وعلماء امت کیسے ڈرتے تھے کسی کلام کو حدیث کہتے ہوئے، اس فرق کا معلوم ہونا ضروری ھیکہ کہی جانے والی بات آیت قرآنی، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قول صحابی، قول تابعی، تاریخی روایت، اسرائیلی روایت سے یا خلاصہ مضمون قرآن ومضمون حدیث ہے، کسی عمل کی فضیلت سُنانے کے لیے مستند احادیث کا ذخیرہ سامنے ہونا چاہیے، کسی بات کو من گھڑت، بے اصل، موضوع کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کسی دینی محنت کا انکار کیا جارہا ہے، یا کسی بزرگ پر سے اعتماد اُٹھایا جارہا ہے، یا اُس عمل کو بے وزن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے گہرے مطالعہ، دیگر محدثین کی آراء کے تتبع کے بعد بہت ذمہ داری کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ فلاں بات نہیں کہی جانی چاہیے، تکلیف دہ بات یہ ہے کہ دینی تنظیموں میں قربانی، قدامت (سینیر ٹی) یا قرابت کو زیادہ اہمیت دی جارہی ہے، علمی تقاضوں کو کافی حد تک نظر انداز کردیا جاتا ہے، خطباء اور مقررین مجمع کو ان کے ذوق کے مطابق بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بہت کم وہ ہیں جو یہ احساس اور طرز عمل رکھتے ہوں کہ اپنی بات کسی بڑے کو سنا کر یا دکھا کر اصلاح کراوئیں۔

اگر کسی روایت کا واقعہ من گھڑت، بے اصل اور غیر معتبر ثابت ہوجائے یا فن حدیث کے ماہرین اصحاب افتاء بالاتفاق بھی لکھ رہے ہوں، یا بیان کرنے والے کے

پاس قابل اعتبار ثبوت بھی نہیں تو کسی مشہور خطیب یا بزرگ کے بیان کرنے سے وہ معتبر نہیں ہوجاتی ، اصول یہ ہی ھیکہ اصول حدیث کے معیار پر اُسے پرکھا جائے گا، غلطی تو بڑے بڑے محدث اور عالم سے بھی ہوسکتی ہے مشہور ہونا بھی کسی بات کے حدیث ہونے کے لیے کافی نہیں ہے ، محدثین بعض اکابر صوفیا وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو سعادت سمجھتے تھے مگر ان کی ذکر کردہ روایات کے بارے میں بے لاگ فیصلہ کیا کرتے تھے ان کا حدیثی مقام طے کرنے میں ان کے بھولے پن یا اس فن میں کم مہارت کا پورا لحاظ کیا جاتا ، من گھڑت روایات کی نشاندھی کرنا ایک علمی فریضہ ہے، پورا کتب خانہ پایا جاتا ہے اس خدمتِ دین پر، ہر زمانے میں علماء کرام نے یہ کام انجام دیا ہے، احادیث کی تحقیق کا کام نہایت نازک کام ہے ، ذرا بھی بے احتیاطی ، نقصان دہ ہے ،ہمّت اور بصیرت دونوں ملحوظ رہے، حضرات اکابر جن سے اس سلسلہ میں تسامح اور تساہل یا غلط فہمی ہوگئی ، تحقیق کا موقع نہیں مل سکا، یا اُن کے پاس وہ کتابی ذخیرہ موجود نہیں تھا جو اس زمانہ میں مُیسّر آچکا ہے،ان سے متعلق کوئی بدگمانی نہ ہو، ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جائے گا ، امت کے درمیان ان پر سے اعتماد نہیں اُٹھایا جائے گا ، یہی سمجھا جائے کہ اس روایت کا من گھڑت ہونا اور درجۂ حدیث ان کے سامنے نہیں تھا اس لیے انہوں نے ذکر کیا، ورنہ کوئی مؤمن کسی حدیث کے بے اصل ہونے کو جانتا بھی ہو، اور اس کو نقل کرے ایسا نہیں ہوسکتا۔

سننے والے حدیث یا مفہوم حدیث دھیان سے نہیں سنتے ، اصل ماخذ کی طرف مراجعت کرنا اصل میں اہل علم کی ذمہ داری ہے، اکابر پر اعتماد کے ساتھ ممکنہ تحقیق کرنا محتاط طرز عمل ہے،شہرت اور انفرادیت پیدا کرنے کا جذبہ بھی بے اصل روایات بیان کرنے کا جرم کرواتا ہے، دلچسپ اور رنگین مضامین جو من گھڑت روایات پر مشتمل ہوں ان کا سننا دین کی بات سننا نہیں ہے بلکہ وہ ذکرِ موضوع (من گھڑت کا سُننا ہے) یہ زبان کا گناہ ہے اور کان کا بھی، سچی بات یہ ہے کہ گھڑی ہوئی روایات میں نور نہیں ہوتا نارِ جہنم

ہوتا ہے، غلط روایتوں اور جھوٹے فضائل میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔

ذیل میں جو کچھ صحیح اور غیر صحیح روایات کے بارے میں نقل کیا گیا وہ سب کچھ ایسی مستند کتابوں اور اصحاب افتاء کے فتاوی سے ماخوذ ہے، جنہوں نے سینکڑوں صفحات تلاش کئے سینکڑوں صفحات لکھ دئے، ہم نے خلاصہ تخریج نقل کرنے کی کوشش کی، ایک سے زائد حوالہ جات بھی پیش خدمت ہیں، جن روایات کے بارے میں مثبت یا منفی فیصلہ اطمینان بخش انداز میں شرح صدر تھا اُسی کو لکھا گیا، پھر بھی۔ ''**وفوق کل ذی علم علیم**'' محتاج اصلاح ہیں اور قبول اصلاح کے لئے تیار ہیں، لیکن صاحب نظر علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اس مہم میں حصہ لیں۔

جب اس قسم کی اصلاحات پیش کی جاتی ہیں تو بعض کہنے والے کہتے ہیں کہ امت ارتداد میں ہے اور آپ یہ چھوٹی چیزوں میں الجھے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ دینی کاموں میں ترجیحات کا تعین ہونا چاہیے، اہم، کم اہم، بے اہم کا فرق ملحوظ رہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موضوعات (گھڑی ہوئی روایات) کو چلایا جائے، کیا صحیح مواد نہیں مل سکتا ہے، صحیح کام کی تبلیغ کے لیے صحیح مواد کا ہونا بھی ضروری ہے، فتنۂ ارتداد کا بھی مقابلہ ہو اور کارکنوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے مواد پر کڑی نظر بھی ہو، مسئلہ یہ ہے کہ تصحیحِ مواد کے مسئلے کو بالکل اہمیت نہیں دی جاتی، بعض مرتبہ توجہ دلانے پر بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ (والی اللہ المشتکیٰ)

① "تفکر ساعة خير من قيام ليلة" "يا من عباده سبعين سنة"

جیسے الفاظ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہرگز نہیں کہے جاسکتے ہیں البتہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال میں منقول ہیں، اس موضوع پر محمد یاسین خان قاسمی استاذ حدیث وفقہ جامعہ مسیح العلوم بنگلور نے اپنی کتاب ''مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ'' نامی کتاب میں بھی بہت مفصل گفتگو فرمائی ہے، وضاحت کی ہے کہ فکر سے مراد اس قسم کی روایات میں کیا ہے، چنانچہ علامہ مناوی نے فتح القدیر میں، کتاب العظمہ

اور نوادر الفقہ میں شیخ یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ''غور وفکر کی کئی قسمیں ہیں، اللہ کے حضور کھڑے ہونے جواب دینے، قدرت کی نشانیوں میں سوچنا مراد ہے۔(۱)

(۲) اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو اس حالت میں پاؤں کہ میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوں اور سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہوں اسی دوران میری والدہ مجھے پکار کر کہے: اے محمد! تو میں جواب میں اپنی والدہ سے کہوں گا حاضر ہوں۔ (اس موضوع پر ہماری کتاب ''اطاعتِ والدین کے حدود'' دیکھی جاسکتی ہے۔(۲)

والدین کی اطاعت جائز امور میں ضروری ہونی چاہیے، فقہا نے صاف لکھا ہے کہ اگر والدین کی جان کا خطرہ نہ ہو تو والد کے بُلانے پر فرض نماز نہیں توڑ سکتے ہیں، شدید ضعیف روایت ہے، حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے من گھڑت قرار دیا، جمہور علماء کے نزدیک فضائل کے بارے میں ایسی روایت بیان کرنا فضائل میں بھی جائز نہیں۔(۳)

(۳) نورِ محمد سے اندھیرے میں گمشدہ ہوئی کی چمک۔

یہ روایت حافظ ابن عساکر کے علاوہ علامہ اسماعیل بن محمد فضل بن علی القرشی رحمۃ اللہ علیہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں اپنی سند سے تخریج کی ہے، علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو من گھڑت قرار دیا ہے (الآثار المرفوعہ) یہ قصہ اگرچہ ''معارج النبوۃ'' وغیرہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔(۴)

---

(۱) مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص:۵۱۸، غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ ص ۱۳۴، اس روایت پر مزید مفصل کلام دیکھنے کے لیے رجوع کیجئے ''مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص:۵۰۵

(۲) شعب الایمان، حدیث ۷۴۹۷: دکتور عبدالعلی، مکتبۃ الرشید، الطبعۃ الاولی۔ الخامس والخمسون من شعب الایمان۔

(۳) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۱/۱۵۲۔

(۴) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۱/۱۵۶

④ تہمت کی جگہوں سے بچ کر رہو۔ "**اتقوا مواضع التهم**" کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا صحیح نہیں، البتہ "**من اقام نفسه مقام التهمة فكما يلومن من اساء به الظن**" کا ملفوظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جو اُسی مضمون پر مشتمل ہے۔(۱)

⑤ **الدنيا جيفة وطلابها كلاب** "دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں"۔

یہ روایت انہیں الفاظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں، اس روایت کے ملے جلے الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں، اس مضمون پر مشتمل دوسری روایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معتبر سند سے ثابت ہے۔(۲)

⑥ **كنت كنزا مخفيا لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقاً فعرفتهم بي، فعرفوني** "میں ایسا چھپا ہوا خزانہ تھا کہ جسے کوئی پہچانتا نہیں تھا، لہٰذا میں نے یہ چاہا کہ مجھے پہچانا جائے، تو میں نے ایک مخلوق پیدا کی چنانچہ انہیں میری معرفت حاصل ہوگئی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرکشی، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ احمد بن عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراق رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کے نزدیک یہ روایت بے اصل ہے البتہ ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت لفظوں کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے ثابت ہے معنی درست ہونے سے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہونا لازم نہیں آتا شیخ اکبر کا اُسے کشف سے صحیح قرار دینا محدثین کے نزدیک حجت نہیں۔(۳)

---

(۱) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۱۷۶۔

(۲) غیر معتبر روایت کا فنی جائزہ ۱: /۲۸۷۔

(۳) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ ۱: /۲۷۷

⑦ جب ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اس کے جواب میں لوگوں نے تلبیہ کہا، چنانچہ جس نے ایک مرتبہ تلبیہ کہا تو وہ ایک بار حج کرے گا اور جس نے دو بار کہا وہ دو مرتبہ حج کرے گا، اور جس نے دو سے زائد مرتبہ تلبیہ کہا وہ اسی حساب سے حج کرے گا۔

اس کو بطورِ حدیث بیان کرنا صحیح نہیں البتہ موقوف روایت یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اور حضرت مجاہد کا قول قرار دے سکتے ہیں۔(۱)

⑧ حضرت ابو شحمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹے ہیں حقیقت واقعہ صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ نے نبیذ جائز سمجھ کر پی لی ہو اور بے اختیار نشہ میں آچکے ہوں اور ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹے تو آپ نے بطور تادیب ان کو کوڑے لگائے نہ کہ حد نافذ کرنے کے لیے، اس کے بعد ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ قضاء الٰہی سے بیمار ہو گئے، یہ نہیں کہ کوڑے لگنے سے بیمار ہو گئے اور ایسی طبعی حالت میں انتقال کر گئے، باقی باتیں قصہ گو لوگوں نے اضافہ کر دیا، امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ابن عراق کنانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ دارقطنی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی طرح واضح فرمایا ہے۔(۲)

⑨ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، "**علماء امتي كأنبياء بني اسرائيل**" کو حدیث قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد بن درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے، البتہ **العلماء ورثة الانبياء** جیسی صحیح روایات علما امت کے فضائل میں کہی جاسکتی ہیں۔(۳)

---

(۱) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۳۵۵ (۲) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۸۷

(۳) غیر معتبر رویات کا فنی جائزہ: ۱/۲۱۷

(۱۰) مجھے آسمان اور زمین نہیں سما سکے، البتہ مؤمن بندے کا دل مجھے اپنے من میں سمو لیتا ہے: ”ما وسعنی أرضی و لا سمائی، بل یسعنی قلبُ عبدِی المؤمن“۔

دل رب کا گھر ہے ”القلب بیت الرب“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان نہیں کرسکتے ہیں، اسرائیلیات کے طور پر ذکر کرسکتے ہیں۔(۱)

(۱۱) مؤمن کے جھوٹے میں شفا ہے، مؤمن کے تھوک میں شفا ہے۔ ”سوء المومن شفاء، ریق المؤمن شفاء“۔

احمد بن عبد الکریم غزی عامری رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد امیر کبیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو حدیث نہیں مانا ہے، البتہ اس کے معنی صحیح ہیں کہ جب کسی انسان کو کوئی شکایت ہوتی یا کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھتے پھر اُٹھا لیتے اور یہ دعا پڑھتے۔ ”بِسمِ اللهِ، تُربةُ أرضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا“ (۲) اکابر علماء فرماتے ہیں کہ تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا جھوٹا پیئے۔

(۱۲) اے علی رضی اللہ عنہ! آپ کے ذریعہ یا آپ کی وجہ سے ایک آدمی بھی راہ راست پر آجائے تو آپ کی نجات کے لیے کافی ہے“ یہ روایت نہیں ملتی ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کسی مشرک کو اللہ تیرے ذریعے سے ہدایت دیدے تو تیرے لیے یہ سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ ”یا معاذ! أنْ يهْدِيَ اللهُ على يديك رجُلًا واحِدًا خيرٌ لكَ من حمرِ النّعم“ (۳)

---

(۱) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/ ۳۲۲

(۲) غیر معتبر رویات کا فنی جائزہ: ۱/ ۳۴۰۔

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۰۷۴

ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اوران کے لئے جھنڈا تیار کیا، جب وہ چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابورافع! ان سے جا کر ملو، اور انہیں پیچھے سے نہ پکارو وہ وہیں کھڑے رہیں، انہیں ادھر اُدھر نہ جائیں، یہاں تک کہ میں آجاؤں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، انہیں کچھ باتوں کی وصیت کی اور کہا: اے علی! اگر ایک شخص کو اللہ نے تیرے ذریعے سے ہدایت دی تو یہ تیرے لیے ان چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔(۱)

⑬ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ ۱۰ / مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسے اپنے گھر آنے کی توفیق دیتا ہے اور جسے چالیس مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُسے حج کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور جسے ستر مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُسے اپنے راستہ کے لیے قبول کرتے ہیں۔(۲)

یہ روایت متخصصین اور ماہرین کو نہیں ملی، ثواب کی تعیین صرف صاحبِ شریعت کر سکتے ہیں۔

⑭ ایک روایت بہت ذکر کی جاتی ہے کہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کچرا پھینکتی تھی، اور راستے میں کانٹے بچھاتی تھی ایک دفعہ کانٹے اور کچرے نہیں ڈالے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیادت کی وہ متاثر ہو کر مسلمان ہوگئی۔

⑮ ایک اور روایت نقل کی جاتی ہے کہ ایک ضعیفہ کا سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے راستے میں سنبھال کر اس کے گھر تک پہونچا دیا، اُس نے بتادیا کہ ایک جادوگر سے بچنے وہ جنگل کی طرف جارہی ہے، تاکہ آباء واجداد کا دین محفوظ رہ جائے، جب پتہ چلا کہ یہ جوان ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبوت کا دعویدار ہیں تو وہ حسن اخلاق

---

(۱) مجمع الزوائد، باب فیمن یسلم علی یدیہ احد، حدیث نمبر: ۹۷۱۴، غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲/۳۴۵۔

(۲) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲/۳۸۸

سے متاثر ہو کہ مسلمان ہو گئی۔

تا حال ان واقعات کی سند نہیں مل سکی۔(۱)

⑯ "أطلبوا العِلمَ مِنَ المهدِ إلَی اللّحْدِ، أطلبو العلم ولو بالصين"

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، بہت سے فضائل احادیث میں موجود ہیں مگر "گود سے گور تک علم حاصل کرو" اور "علم حاصل کرو چاہے چین جانا ہی پڑے" محاورہ اور لوگوں کی کہاوت تو ہے مگر اُسے ہر گز، بطور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کرنا درست نہیں، کئی محدثین نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔(۲)

⑰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ احادیث سے ثابت ہے "سایہ نہیں تھا" بیان کرنے والی روایت نا قابل بیان ہے"۔(۳)

⑱ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور باری تعالیٰ کی طرف سے ان پر سلام کا مفصل واقعہ ذکر کیا جاتا ہے، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود بھی ہے، لیکن حافظ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔(۴)

⑲ ابو جہل کے دروازے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت دینے کے لیے سو دفعہ جانا، اور طوفانی رات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلے والوں کو دعوت دینا، مشرک مہمان کے پاخانے کے بستر کو صاف کرنا، اس طرح کی روایات نہیں مل سکی ہیں۔

البتہ یہ موجود ہے کہ ایک اِراشی شخص نے ابو جہل کے ہاتھ اپنا مال فروخت کیا، ابو جہل اس کا حق دینے ٹال مٹول کرنے لگا، وہ شخص قریش کے سرداروں کے پاس گیا،

(۱) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲/ ۴۰۰

(۲) غیر معتبر رویات کا فنی جائزہ: ۲/ ۹۲

(۳) غیر معتبر رویات کا فنی جائزہ: ۲/ ۱۰۹

(۴) غیر معتبر رویات کا فنی جائزہ: ۲/ ۲۶۹

اور ابوجہل کی شکایت کی، انہوں نے استھزاءاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ تمہارا حق دلوائے گا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اِراشی کو لے کر ابوجہل کے دروازے پر گئے، اُس نے حق دے دیا، قریش نے اس پر ابوجہل کو ملامت کی، تو اس نے کہا خدا کی قسم! جب انہوں نے میرا دروازہ کھٹ کھٹایا تو ایک رعب دار آواز آئی، جب میں باہر آیا تو سامنے ایک بڑا اونٹ کھڑا تھا، اگر میں حق دینے سے انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا ہے۔(۱)

فیاضی اور دریا دلی پر یہ روایت مستند موجود ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک کافر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضیافت فرمائی، ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، وہ سب پی گیا، پھر دوسری تیسری مرتبہ اس طرح سات بکریوں کا دودھ پی گیا، اگلے دن وہ مسلمان ہو گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ منگوایا، وہ اُسے پی گیا، مگر دوسری بکری کا دودھ پورا نہیں پی سکا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں سے پیتا ہے''۔(۲)

(۲۰) یہ روایت نہیں ملی کہ سکرات کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ''میری امت کی نزع کی تمام تکلیف مجھے دیدو اور انہیں موت کی تکلیف نہ دینا''۔

البتہ یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی۔ ''رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ''(۳)

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، تحقیق مصطفی السقاء: ۱/ ۳۸۹

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۶۳، مع تحقیق فؤاد عبد الباقی

(۳) ابراہیم: ۳۶

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی: ''إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ''(۱)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اُٹھایا اور کہا: اے اللہ! میری امت میری امت اور رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے کہا! اے جبرئیل علیہ السلام! محمد کے پاس جاؤ، اور تیرا رب زیادہ جاننے والا ہے، اور پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں رو رہے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ ساری بات بتادی جو انہوں نے کہی تھی، حالانکہ باری تعالیٰ خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد کے پاس جاؤ، اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔ ''اِذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ: إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوؤُكَ ''(۲)

(۲۱) یہ ارشاد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرکے انہیں بیان کیا جاتا ہے، مگر تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہدایت اپنے ہاتھ میں رکھی، اگر ہدایت آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو نہ جانے میری باری کب آتی؟''۔(۳)

(۲۲) یہ بات نہیں کی جاسکتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان نہیں دی تو صبح نہیں ہوئی، یا ان کی زبان میں لکنت تھی، البتہ یہ روایت کہی جاسکتی ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک رات سفر میں تھے کسی نے کہا یارسول اللہ! بہتر ہوگا کہ ہم رات کے آخری پہر کچھ آرام کرلیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ڈر ہے کہ کہیں نماز سے سوتے نہ رہ جاؤ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا، چنانچہ لیٹ گئے، بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ اپنی

---

(۱) مائدہ:۱۱۸

(۲) صحیح مسلم، رقم:۲۰۲ مع تحقیق فؤاد عبدالباقی (غیر معتبر روایت کا فنی جائزہ:۳۸۶/۲)

(۳) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۴۴۹/۲

سواری سے لگائی، انہیں بھی نیند آ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج نکل چکا تھا فرمایا! اے بلال! تم نے کیا کہا تھا؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے ایسی نیند کبھی نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری روحیں قبض کر لیا ور جب چاہا لوٹا دیا، بلال اُٹھو اور اذان دو...اذان وضو، اور سورج کی بلندی کے بعد نماز پڑھا دی۔(۱)

(۲۳) یہ روایت نہیں کہی جا سکتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری تناول فرما رہے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہے جاتے تھے صبح ہو چکی ہے، تیسری دفعہ ان کے یہ کہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے اور فرمایا: صبح تو نہیں ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے کی وجہ سے صبح کر دی، اس کے بالمقابل یہ روایت درست ہے:

حکیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری تناول فرما رہے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہے کہ کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نماز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے رہے، تیسری مرتبہ انہوں نے اس طرح کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نماز، اللہ کی قسم صبح ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائے، اگر بلال نہ ہوتے تو ہمیں امید تھی کہ ہمیں طلوع شمس تک کی رخصت مل جاتی۔(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کے رجال کو ثقہ کہا ہے(۳) معلوم ہوا کہ سورج کے طلوع ہونے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی، صرف ان کا کلام سحری کے وقت میں مزید رخصت سے مانع بن گیا۔(۴)

(۲۴) لوگ کہتے ہیں کہ جب قیامت کے دن ایک عورت کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو گا تو وہ اور چار مردوں کو بھی اپنے ساتھ بھیجنے کی درخواست کرے گی: باپ، بھائی، شوہر، بیٹا۔ ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ یہ چار مرد بھی ان کی گنہگاری کے ذمہ دار ہیں وہ خود

(۱) صحیح بخاری، باب الاذان بعد ذھاب الوقت، تحقیق محمد زہیر بن ناصر
(۲) مصنف عبدالرزاق: ۴/ ۱۲۳ رقم ۷۶۰۸ مع تحقیق حبیب الرحمن اعظمی
(۳) فتح الباری: ۴/ ۱۳۵ مع تحقیق بن باز
(۴) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲/ ۴۵۱

عورت بھی اور اس عورت کی ماں وغیرہ سرپرست خواتین بھی ذمہ دار ہیں۔
البتہ تفسیر ابن جریر طبری میں ۷۔ ۳۲۔ ۳۳ میں اور تفسیر ابن ابی حاتم میں معتبر سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ قیامت کے دن حساب ہوگا تو بندے کا ہاتھ پکڑ کر یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ایک ندا لگانے والا فرشتہ تمام اولین واخرین کے سامنے ندائے لگائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس پر جس کسی کا حق ہے وہ آئے اور اپنا حق وصول کر لے یہ سنتے ہی عورت چاہے گی کہ کسی طرح اس کا حق نکل آئے، چاہے باپ ہو یا بھائی و یا شوہر پر ہو۔(۱)

(۲۵) یہ روایت کہی جاتی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ محبوب ہیں یا دین؟ بعض مرتبہ طویل وسوال وجواب بھی نقل کیا جاتا ہے اس کی کوئی سند نہیں ملی، یہ موازنہ ہی نامناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازم وملزوم ہیں۔(۲)

(۲۶) یہ روایات نہیں مل سکی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ پیتا بچہ لائی اور کہا آپ اسے جہاد میں ساتھ لے جائیں، لوگوں کے یہ پوچھنے پر کہ یہ بچہ جہاد میں کیا کرے گا تو اس عورت نے جواب دیا کچھ نہ ہو تو اپنے لیے ڈھال بنا لینا۔
اس کے بجائے مندرجہ ذیل روایت سنائی جاسکتی ہے کہ حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک عورت نے احد کے دن اپنے بیٹے کو ایک تلوار دی، لیکن بیٹا نہیں اُٹھا سکا، عورت نے تلوار بازو کے ساتھ تسمہ سے باندھ دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ میرا بیٹا آپ کے دفاع میں قتال کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! یہاں سے پکڑو! (دومرتبہ) اسی دوران اُسے چوٹ لگی اور گر گیا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لگتا ہے

---

(۱) مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص ۴۳۵
(۲) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲۹ / ۴۳۲

گھبرا گئے ہو؟ لڑکے نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرا نہیں رہا۔(۱)

۲۷ **إن العالم أو المتعلم إذا مر على قرية، فإن الله يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوما**" بے شک جب کوئی عالم یا طالب علم کسی گاؤں سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُس گاؤں کے قبرستان والوں سے چالیس دن عذاب ہٹا دیتے ہیں (جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات صغری میں فرمایا: "**لا أصل له**" اسی طرح داعی کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔(۲)

۲۸ ایک نابینا بڑھیا کے بیٹے کا مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ واقعہ ثابت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ایک نوجوان انصاری کی عیادت کے لیے گئے، ان کے پاس ان کی بوڑھی ماں بیٹھی ہوئی تھی جو کہ نابینا تھی، تھوڑی دیر میں اس نوجوان کی روح پرواز کر گئی، ہم نے اس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور ان کی والدہ سے کہا اپنی مصیبت پر اللہ کے یہاں ثواب کی اُمید رکھو، اس عورت نے کہا کیا میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! اس نے دعا کی اے اللہ اگر تو جانتا کہ میں تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف پہنچے، اس امید پر ہجرت کی ہے کہ آپ ہوں گے کہ ہر مصیبت کے کافی ہو گی تو آج مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ اُس نوجوان نے کپڑا اُٹھایا اور کھانا کھایا اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا۔

اس واقعہ کی دوسری سند بھی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے۔(۳)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۰۷۹۷، مع تحقیق محمد دعوامہ غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ

(۲) پچاس غیر ثابت روایات مفتی مبین الرحمن صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ دار العلوم کراچی، متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ، کراچی

(۳) **دلائل النبوة للبيهقي، باب ماجاء في المهاجرة الى النبي ﷺ التي أحيا الله تعالى بدعائها ولدها بعد ما مات۔**

(۲۹) عالم کو دیکھنا یا عالم کا سونا عبادت ہے" یہ حدیث نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص کسی عالم کو علم دین کی نسبت پر عظمت کی نظر دیکھتا ہے تو یقیناً اس کے لئے باعث اجر ہوگا۔ "النظرة الى وجه العالم عبادة و كذا الجلوس معه و الكلام و الأكل لا يصح" (۱)

اس طرح کسی عالم کا مشغلہ ہی تعلیم و تعلم ہو اور وہ صرف اس لیے سوتا ہو تا کہ اپنی نیند پوری کر کے دوبارہ اپنی دینی و علمی مصروفیات میں لگ سکے تو اس عالم کا سونا عبادت بن جائے گا۔

"نوم العالم عبادة" لا أصل له، في المرفوع هكذا بل ورد نوم الصائم عبادة وصمته تسبيح، وعمله مضاعف ودعاءه مستجاب وذنبه مغفور" رواه البيهقي بسند ضعيف عن عبدالله بن أبي أوفى (۲)

(۳۰) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی غربت اور فقر کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر آئے تو پردہ کے لیے ان کے پاس کپڑا نہیں تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر اندر بھیجی، یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

عن عمران بن حصين ان فاطمة مريضة فهل لك ان تعودها، قال: قلت فداك أبي وأمي وأي شرف اشرف من هذا؟ قال: انطلق فانطلق رسول الله ﷺ، وانطلقت معه حتى أتى الباب، فقال: السلام عليكم! أأدخل؟ فقالت: وعليكم السلام أدخل، فقال رسول الله ﷺ

---

(۱) المقاصد الحسنة: ۶۹۶

(۲) الاسرار المرفوعة: ۱/ ۳۷۴۔ ۳۷۵، تحقیق روایات وواقعات، سلسلہ نمبر: ۲۷

انا ومن معی ؟ قالت ومن معك ؟ قال معی عمران بن حصین ، الخزاعی، قالت والذی بعثك بالحق ، ماعلی الاهذا، العباءة قال، ومع رسول ﷺ ملاءة خلقة، فرمی بها الیها ، فقال لها، شدیها علی رأسك، ففعلت" (۱)

(۳۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال سے پہلی رات کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑوسی سے چراغ کے لیے بطور قرض تیل لیا اس لیے کہ گھر میں تیل نہیں تھا، یہ روایت ثابت ہے ۔''طبقات بن سعد میں ہے: فأرسلت عائشة رضی اللہ عنہا الی امرأة من النساء بمصباحها ، فقالت أقطری لنافی مصباحنا من علیتک السمن فان رسول الله ﷺ أمسی فی جدید الموت" (۲)

(۳۲) ''میزبانی کے کھانے پر حساب نہیں ہوگا" اس کو بطور حدیث کے نہیں بیان کرنا چاہئے ، امام عراقی ، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع قرار دیا۔"ثلاثة لایحاسب علیها العبد، أكله السحور، وأما أفطر علیه، وما أكل مع الاخوان" (۳)

(۳۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کو پوری منھ میں رکھ کر تناول فرماتے تھے ، خصوصاً تر کھجور اور اس کی گٹھلی نکالنے کے سلسلہ میں تین طریقے احادیث میں وارد ہیں:

پہلا طریقہ: منھ سے نکال کر بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی دونوں کو ملا کر، دونوں کی پشت پر رکھنا۔

دوسرا طریقہ: مذکورہ دونوں انگلیوں کے درمیان میں رکھنا۔

تیسرا طریقہ: بائیں ہاتھ میں گٹھلیاں جمع کرنا۔حوالہ جات کی تفصیل دیکھئے۔(۴)

(۱) فضائل فاطمۃ ، لا بن شاہین: ۲۶/۱، شرح مشکل الآثار ا: ۴۱/۱، سند ضعیف ہے،، شیخ طلحہ منیار

(۲) ۲۳۹/۲، مجمع کبیر طبرانی: ۱۹۸/۶

(۳) شیخ طلحہ منیار۔

(۴) الترغیب والترھیب ، احادیث مشہورہ کی تحقیق ، از طلحہ بلال منیار، ٹیلیگرام چینل ۔

۳۴ "رَجَعْنَا مِنَ الجِهَادِ الاَصْغَرِ اِلَی الجِهَادِ الاَکْبَرِ"

یہ حدیث ان کے الفاظ سے وارد نہیں ہے، مرفوعا، نہ موقوفاً ومقطوعاً:

مرفوع روایت کے الفاظ ہیں: "قدمتم من الجهاد الأصغر الی الجهاد الأكبر"۔

مقطوع کے الفاظ ہیں: "قدجئتم من الجهاد الأصغر الی الجهاد الأكبر"۔

"رجعنا" متکلم کے صیغہ سے کہنا روایت بالمعنی ہے، روایات میں غزوۂ تبوک کا ذکر نہیں بعض تفسیروں میں بلاحوالہ ذکر ہے، مذکورہ الفاظ کو حدیث کہنا غلط ہے، البتہ حدیث کا مفہوم یعنی جہاد نفس زیادہ مشقت والا ہے کہنا صحیح ہے۔(۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتاویٰ ۱۱/ ۱۹۷) تبوک کے موقعہ سے اس روایت کو جوڑنا بے اصل ہے کسی محدث نے ایسا نقل نہیں کیا ہے، أما الحديث يرويه بعضهم انه قال فی غزوة تبوك "رجعنا من الجهاد الأصغر ای إلی الجهاد الأكبر" فلا أصل له، ولم يروه أحد من أهل المعرفة بأقوال النبی ﷺ وأفعاله"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابراہیم بن ابی عبلۃ کا یہ کلام ہے اور حدیث نہیں ہے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ پوچھا گیا جہاد اکبر کیا ہے فرمایا: جہاد قلب۔

---

(۱) الترغیب والترہیب، شیخ طلحہ منیار
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحاح ستہ کی نہیں ہے، اصل فتح القدیر نے نقل کی ہے، اس سے علامہ شامی اور صاحب مرقات نے نقل کی ہے، احیاء العلوم میں ص ۶: ج ۳: پر بھی ان ہی الفاظ سے نقل کی گئی ہے، اس کے مخرجین نے لکھا ہے کہ رواہ البیہقی فی الذہد من حدیث جابر وقال اسنادہ ضعیف اور اسی کے ہم معنی دوسری حدیث کنز العمال: ۳/ ۳۲۷ پر ہے۔ (مکتوبات علمیہ، مرتبہ مولانا سید شاہد سہارنپوری، ص: ۱۳۸)

خطیب بغدادی نے نقل کیا "مجاهدة العبدهواه" بندہ کا اپنے ہویٰ ونفس سے مقابلہ کرنا۔

۳۵ معجزہ شق القمر کے سلسلہ میں یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دوٹکڑے ہوگیا اس کا ثبوت ابھی تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، وقدشاع ان النبی ﷺ أشار الی القمر بسبابته الشريفة فانشق، ولم أره فی خبر صحیح ۔(۱) علامہ تورپشتی، نے یہ ہی نقل کیا۔(۲) ہاں کفار ومشرکین کے مطالبہ پر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے دوٹکڑے کردیئے اس سلسلہ میں واعظین سے بڑی بے احتیاط پائی جاتی ہیں۔

۳۶ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیروں کی طرف زمزم کا چشمہ نکلا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پر مارنے سے نہ کہ حضرت اسماعیلؑ کے زمین پر پیر رگڑنے سے۔

۳۷ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خندق کے موقعہ پر ضیافت کرنا ثابت ہے، مگر ذبح کی ہوئی بکری کا زندہ ہوجانا ضعیف ہے، مشہور روایت میں نہیں۔(۳)

۳۸ صحیح یہی ہے کہ ناخن کاٹنے کا کوئی طریقہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن کاٹے جائیں پھر بائیں ہاتھ کے۔ اور دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرنا چاہیے۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرنے کی، تو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کے مکمل ناخن پہلے کاٹنے چاہئے، پھر بائیں ہاتھ کے مکمل ناخن۔ حافظ ابن حجر،

---

(۱) روح المعانی

(۲) الميسر فی شرح مصابيح السنة:۲/۵۸۱

(۳) شیخ طلحہ منیار حفظہ اللہ، الترغیب والترہیب، ٹیلی گرام چینل

ابن دقیق العید، علامہ سیوطی اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہم جیسے محققین نے یہی لکھا ہے کہ ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا کسی طریقے سے بھی کاٹ سکتے ہیں، تاہم بہتر طریقہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔(۱)

(۳۹) نماز پڑھنے یا پڑھانے کے وقت بطور خاص عمامہ پہننا سنت نہیں ہے ایسی روایات قابل استدلال نہیں ہیں، شیخ محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاں میں اپنے ذوق سے کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ ''صلوۃ فی عمامہ'' کی فضیلت کی روایت واہی ہے، اس لیے اس کو کوئی فضیلت کا کام سمجھ کر کرنا تو بہت مشکل ہے اور اگر اس نیت سے عمامہ باندھا جائے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد مواقع پر عمامہ کا باندھنا ثابت ہے اور آپ نے عمامہ پہن کر خطبہ دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس تو یہ ایک امر مستحسن ہوگا اور قرب کا سبب بنے گا۔(۲)

(۴۰) ایک صحابی گھر سے تنگی کی وجہ سے نکل گئے اور کسی کی مزدوری نہیں کی مگر نماز پڑھتے رہے شام کو گھر آئے تو چکی گھوم رہی تھی گھر کے برتن بھر گئے، پھر چکی اُٹھا کر دیکھا کہ آٹا کہاں سے آتا ہے چکی چلنا بند ہوگئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر چکی نہ اُٹھاتے تو قیامت تک چلتی رہتی۔

یہ واقعہ صحیح ہے پورا واقع اس طرح ہے۔

''عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال :دخل رجل على أهله، فلما رأى مابه من الحاجة،خرج الى البرية ،فلمارأت أمارته، قامت الى الرحى فوضعتها والى التنور سجرته،ثم قالت اللهم ارزقنا ،فنظرت فاذا الجفنة قد امتلات، قالت: وذهبت الى التنور فوجدته ممتلئا،قال: فرجع،

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔

(۲) کتب فضائل اور تبلیغی جماعت اور اعتراضات کے جواب، مفتی محمد زید مظاہری ۳۷

الزوج، وقال: أَصبتُمْ بعدی شیئا، قالت امرأته: نعم من ربنا وقام الی الرحی، فذکر ذلک للنبی ﷺ فقال: أما أنه لو لم یرفعها لم تزل تدور الی یوم القیامة" (١)

اس کے علاوہ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مرچ مسالہ ہے احتیاط کرنا چاہئے۔

(٤١) جو طالب علم یا جماعت قبرستان سے گزرتی ہے تو اس پر عذاب اُٹھالیا جاتا ہے، یہ روایات موضوع من گھڑت ہیں، نہیں بولنا چاہئے۔

"قال التفتازانی فی شرح العقائد١٢٣:'قال علیه السلام:"إن العالم والمتعلم إذا مرا بقریة فإن الله یرفع العذاب عن مقبرة تلك القریة أربعین یوما" انتهی، قال علی القاری فی الموضوعات الکبیر٢٤:،قال الحافظ جلال الدین السیوطی لاأصل له (٢)

(٤٢) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا اس طرح کی روایت ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں اس امت کے بہت سے فضائل دیکھے تو یہ خواہش کی کہ یہ امت ان کی امت بنادی جائے ارشاد ہوا "تلك أمة محمد" جب بار بار یہی جواب ملا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ "یارب اِجْعَلْنِیْ من أمة محمد" اس کی سند میں جبارہ المغلس الحمانی الکوفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

---

(١) مسند احمد، وکذا رواه البزار، والطبرانی، فی الأوسط، ورجاله رجال الصحیح غیر شیخ البزار، وشیخ الطبرانی وهما ثقتان کذا قاله الهیثمی

(٢) شیخ یونس جونپوری کا من گھڑت روایات پر تعاقب، از طارق امیر خان، متخصص بالحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی، دیکھیے: نوادر الفقہ۔

ابن معین سے منقول ہے:

"کذاب لکن قال ابن المنیر ھو صدوق یوضع له الحدیث فیرویه ولا یدری، وقال ابو نعیم ھذاالحدیث من غرائب حدیث سھیل ،لاأعلم أحد،رواہ مرفوعاً الا من ھذا الوجه تفرد به الربیع بن نعمان وبغیرہ من الأحادیث عن سھیل وفیه لین۔(۱)

(۴۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ملک الموت نے آ کر حسب حکم اجازت لے کر داخل ہوئے اور سلام کیا "السلام علیکم یا أھل النبوۃ" اور کہا کیا ہم کو اجازت ہے کہ میں آؤں، سلامتی ہو تم پر اللہ تعالیٰ کی، حضرت فاطمہ الزہراء سرہانے بیٹھے ہوئی تھیں، دوسری بار پھر اجازت طلب کی اور یہی جواب ملا، تیسری دفعہ اجازت چاہی اس ہیبت ناک آواز سے تمام گھر کے آدمی کانپ اُٹھے اور ان حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بیدار ہو گئے۔

"فنادی فی الثالثة صوتا،اقشعر منه جلدی، وارتعدت منه فرائصی، فقال لھا النبی ﷺ یافاطمة!أتدرین من بالباب؟ ھذا ھاذم اللذات ومفرق الجماعات، ھذا مرمل الأزواج ومؤتم الأولاد، وھذامخرب الدور وعامر القبور"(۲)

(یہ روایت بیان نہیں کرنی چاہئے، مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے حضرت مولانا شیخ یونس جون پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا من گھڑت پر تعاقب از مفتی طارق امیر خان صاحب)۔

---

(۱) نوادر الفقہ ص:۲۴۸

(۲) معجم الکبیر الطبرانی ،قال الھیثمی فیه، عبد المنعم بن ادریس، کذاب وضاع، انتھی، علامہ سیوطی نے اللآلی میں، علامہ عراقی نے تخریج احیاء میں موضوع قرار دیا ہے۔ (نوادار الفقہ :۳۱۰)

۴۴　"دل اللہ کا گھر" حدیث کے طور پر نہیں بیان کرنا چاہیے، "القلب بیت الرب" موضوع ہے، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابن لعراق رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا۔(۱) حدیث کے طور نہیں صوفیاء اور اولیاء کے ملفوظ کے طور پر یہ سنایا جا سکتا ہے۔

۴۵　مسجد میں دنیا کی باتیں بہت بری حرکت ہے، لیکن ان جملوں کو حدیث کے طور پر نہیں بیان کیا جا سکتا ہے، مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ "الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تأکل النار الحطب" متعدد محدثین کا یہی فیصلہ، یہ جملہ حدیث نہیں ہے۔(۲)

۴۶　صوفیاء کرام اس طرح کی روایت نقل کرتے ہیں: "کنت کنزا مخفیا فأحببت ان أعرف فخلقت خلقا، فعرفتهم بی فعرفونی" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کو اپنا تعارف کرایا تو اس نے مجھے پہچانا، یہ مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث قرار نہیں دیا جا سکتا متعدد محققین نے مفصل گفتگو کی ہے۔(۳)

۴۷　یہ غلط بات ہے کہ "ایک صحابی کی ڈاڑھی میں ایک ہی بال تھا، اسے فرشتہ لٹک رہا تھا، انہوں نے اسے نکال دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ٹوکا۔

۴۸　اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی کہنا بالکل غلط ہے، اور بے اصل ہے اُسے اپنے عقیدہ سے توبہ کرنا چاہیے، علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

---

(۱)　عمدۃ الاقاویل: ۲۹۰، مولانا رضوان الدین معروفی، اس قسم کی باتیں بزرگوں کے ملفوظات میں ضروری ملتی ہیں۔

(۲)　عمدۃ الاقاویل، ص: ۲۹۱

(۳)　عمدۃ الاقاویل، ص: ۲۹۴

"وانه اذا كفنوه يضعونه على شفير قبره ،ثم يخرجونه عنه حتى تصلي عليه الملائكة،ثم يدخل عليه رجال أهل بيته فيصلونه عليه، ثم الناس بعده فرادى، وقال السهيلي: ماحاصله ان الله قد أخبره انه وملائكته يصلون عليه، وأمر كل واحد من المؤمنين أنه يباشر الصلاة عليه سنة إليه، والصلوة عليه بعد موته من هذا القبيل"(۱)

(۴۹) ایک عامی کا مشورہ وحی کا بدل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ مسلم حاکم کا ارباب حل وعقد مسلمانوں کے امور کے بارے میں وحی کا بدل کہا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجتے وقت فرمایا تھا۔

"قد علمتم أن من عهد نبيكم اليكم المشورة فيما لم يمض فيه من نبيكم سنة، ولم ينزل به عليكم كتاب، وقد أشرتم وسأشير عليكم فانظروا أرشد ذلك فائتمروا به ،فان الله لن يجمعكم على ضلالة"(۲)

(۵۰) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرنا مناسب نہیں ہے، فائدہ بھی نہیں ہے، الفاظ خلط ملط ہوچکے ہیں، نام بھی مشکل ہیں۔(۳) معد بن عدنان کے بعد بہت اختلاف ہے، مختصر تاریخ دمشق میں امام طبری، تاریخ الرسل الملوک میں اس اختلاف کو بیان کیا ہے، صرف عدنان اور اسماعیل کے بیچ کتنے واسطے ہیں اس میں بڑا اختلاف ہے ۴ / ۷ / ۹ / ۱۰ / ۱۵ / ۳۰ /

---

(۱) البداية والنهاية ،باب كيفية الصلوة عليه:۵/ ۲۷۸ مزید دیکھیے مروجہ موضوع روایات کا علمی جائزہ۔

(۲) كنز العمال ،حدیث ۳۰۲۶۹: كتاب السياسة الشرعية ،الفصل السابع،المشاورة، حياة الصحابة:۱/ ۵۴۹

(۳) علامہ قسطلانی مواہب اللدنیہ:۱/ ۶۲

۲۰ / ۴۰ سبھی اقوال ہیں جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وذلك لاختلاف النسابين فی ذلك فمنهم من يزيد ومنهم من ينقص ،ومنهم من يغير" (۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی کے بھی نسب کو یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کو بھی آدم تک بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (۲)

قال البغوی:وكان مالك بن أنس يكره أن ينسب الإنسان نفسه أبا أبا إلى آدم، وكذلك في حق النبی ﷺ لأنه لا يعلم أولئك الأباء إلا الله: أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ وقرونًا بين ذلك كثيرًا کی تفسیر دیکھی جاسکتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "استقام لنسب الناس الى معد بن عدنان" (۳)

(۵۱) انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفسیر قرطبی اور روح المعانی میں یہ روایت قابل قبول موجود ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد ۳۱۳ / ۳۱۵ صحیح روایت سے ثابت ہے۔ (۴) قلت يانبی الله! كم الأنبياء ؟قال مأة الف وأربعة وعشرون ألفا من ذلك ثلاثة مأة وخمس عشر جماغفيرا"۔ ایک ہزار، چار ہزار، آٹھ ہزار روالی روایات بہت کمزور ہیں۔ (۵)

---

(۱) شعب الایمان: ۲/ ۵۱۲

(۲) معالم التنزیل: ۳/ ۳۱

(۳) مجمع الزوائد: ۴/ ۱۹۲، فیض القدیر: ۴/ ۵۵۰، مولانا رشید الدین معروفی شیخ الحدیث ابن شیخ الحدیث رضوان الدین معروفی، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر، ہند۔

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۸۸

(۵) تحقیق روایات وواقعات از مولانا رشید الدین معروفی، ابن شیخ الحدیث رضوان الدین معروفی، جامعہ اکل کوا، مہاراسٹر، ہند۔

(۵۲) اصحاب کہف کا کُتا جنت میں جائے گا"۔

یہ بات کسی مرفوع روایات یا قول صحابی سے ثابت نہیں ہے یہ بات توقیفی ہے بغیر نص کے نہیں کہی جاسکتی ہے **وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا** کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تمام جانوروں کو یوم محشر جمع کیا جائے گا پھر بے سینگ والی کو سینگ والی سے بدلہ دلوادیا جائے گا، پھر مٹی بنادیا جائے گا، البتہ اسماعیل حقی نے روح البیان میں نقل کیا کہ امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس حیوان جنت میں جائیں گے، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا، حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی، بلقیس کا ہدہد، اصحاب کہف کتا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سب دُنبہ کی شکل میں بدل کر جنت میں داخل ہوں گے، اس قسم کی روایات مقاتل بن سلیمان نے بغیر حوالہ کے ذکر کیا ہے جبکہ وہ خود قطعاً نا قابل التفات ہیں۔

حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی میں خالد بن معدان سے منقول ہے ثقہ کثیر الارسال ہیں، اوساط تابعین میں سے ہیں، یہ آثار کافی نہیں ہیں۔(۱)

(۵۳) نمک سے کھانے کی ابتداء کرنا یا اختتام نمک پر کرنا ثابت نہیں ہے۔

یہ بات ان نصیحتوں میں مذکور ہے جو نصائح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاص طور پر فرمائی تھیں، وصایا علی پر مشتمل یہ وصایا مسند ابی الحارث بن ابی اُسامہ وغیرہ میں مخرج ہے، جن کو بوصیری اور ابن حجر نے اپنے زوائد میں نقل کیا ہے۔

"واذاأكلت فابدأبالملح واختم بالملح ،فان الملح شفاء سبعين داء،أوّلها الجنون"(۲)

---

(۱) تحقیق روایات وواقعات از مولانا رشید الدین معروفی

(۲) اتحاف الخيرة المهرة

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اللالی المصنوعۃ میں موضوع قرار دیا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعاتِ کبیر میں شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ کشف الخفاء میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص الموضوعات میں من گھڑت قرار دیا ہے، احسن الفتاویٰ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔(۱)

(۵۴) کھانے کے بعد یا پہلے میٹھا کھانا سنت ہے۔

اس کا تعلق سنن عادیہ سے ہے نہ کہ امور شرعیہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھا پسند تھا "کان رسول اللہ ﷺ یحب الحلواء والعسل" لیکن کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد ان کا معمول ہو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں وہاں تو مہینوں چولہا نہیں جلتا تھا، دو وقت لگاتار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روٹی نصیب نہیں ہوتی، زیادہ تر کھانا یہی تھا کہ کھجور کھالیا اور پانی پی لیا، شکر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا بھی نہیں، شہد، کھجور اور اس کی نبیذ کو شیرینی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، ایک آدھ بار کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد کھجور پیش کیے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا اس کی وجہ سے وہ عمل اتفاقات میں سے ہوگا، سنت نہیں قرار دیا جائے گا، ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دستر خوان پر عکراش بن ذویب بھی موجود تھے، پہلے میں کھجور کھایا، دوسری روایات میں کھانے کے بعد کھجور تناول فرمایا۔(۲)

(۵۵) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی نماز پر گدھے کا زندہ ہونا ثابت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوہ میں بسند صحیح ابوصبرہ نخعی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: یمن سے ایک شخص (نباتہ بن یزید) تشریف لائے، جب وہ راستہ میں

---

(۱) احسن الفتاوی: ۹/۹۱

(۲) تحقیق روایات وواقعات، مولانا رشید الدین معروفی، ٹیلیگرام چینل

تھے ان کی سواری (گدھا) ہلاک ہوگیا، چنانچہ اُسی وقت وہ کھڑے ہوئے وضو کیا، اور دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا: ”اے اللہ! میں تیری راہ میں نکلا تیری رضا جوئی کے لیے جہاد میں نکلا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور جو قبروں میں ہیں انہیں تو دوبارہ زندہ کرے گا آج مجھ پر کسی کے احسان کا بوجھ نہ ڈال میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں دوبارہ اس گدھے کو زندہ فرما۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس گدھے کو بازار میں بکتے ہوئے دیکھا۔

مسلم بن عبد اللہ بن شریک نخعی فرماتے ہیں جب وہ بازار میں بیچ رہے تھے تو اُس وقت کسی نے ان سے کہا: آپ اس گدھے کو بیچ رہے ہیں جس کو اللہ نے دوبار زندہ کیا؟، تو انہوں نے کہا: کیا کروں؟ اُس وقت ان کے خاندان کے ایک شخص نے کہا۔

ومنّا الذی أحیا الإله حماره
وقدمات منه کل عضو ومفصل (۱)

”اور ہم کا ہے وہ آدمی جس کے گدھے کو اللہ نے اس کے تمام اعضاء کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا“۔

۵۶ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کہاں ہے، زمین میں یا آسمان میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کے مومن بندوں میں۔ ”فی عباده المومنین“ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۲)

۵۷ میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے رہتے ہیں۔ ”انا عند المنكسرة قلوبهم من اجلی“ (۳)

(۱) باب ماجاء فی المجاہدین فی سبیل الله الذی بعث حماره بعد مانفق، دلائل النبوة للبیهقی: ۶/ ۴۷، الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱/ ۱۵۶

(۲) المغنی: ۱۲/۷

(۳) الاسرار: ۷۱۳، کشف الخفاء: ۱/ ۲۳۴

(۵۸) اے داود! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کردے تو میں تیری چاہت میں تیری کفایت کروں گا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ اور اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان نہ کرے، تو میں تم کو تیری چاہت میں تھکا دونگا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ "قال اللہ لداود علیه السلام : ترید وارید ،ویکون ما ارید فإن أردت ما أرید، کفیتک ما ترید، ویکون ما أرید، وإن أردت غیر ما أرید عنیتک فیما ترید ویکون ما أرید"۔

یہ روایت اگر چہ مختلف کتب میں مذکور ہے مگر سند کسی میں مذکور نہیں ہے، اور جہاں سند کا ذکر ہے وہاں کافی کلام ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کہیں نہیں کی گئی ،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۵۹) جب میں دنیا کو تباہ کرنے کا ارادہ کروں گا تو ابتدا میرے گھر سے کروں گا ، چنانچہ اس کو تباہ کرکے دنیا کو ویران کروں گا۔ "إذا أردت أن أخرب الدنیا بدأت ببیتی فخربته ثم أخرب الدنیا علی أثره"(۱)

یہ تمام روایت بیان کرنا غلط ہے۔

(۶۰) میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں "علماء أمتي كأنبياء بني اسرائیل"۔

یہ روایت ان لفظوں کے ساتھ اگر چہ بے اصل اور نا قابل بیان ہے، لیکن اس معنی پر مشتمل مضمون معتبر روایتوں میں ثابت ہے، جنہیں بیان کرنا درست ہے لوگوں میں درجہ نبوت سے قریب ترین علماء اور مجاہدین ہیں۔ "اقرب الناس من درجة النبوة أهل العلم والجهاد"۔

---

(۱) کشف الخفاء:۱/ ۳۰۷

ابن حجر اور زرکشی نے فرمایا کہ اس کی اصل نہیں ہے۔

(۶۱) کل قیامت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ پن اور کالے پن کے ذریعہ تمام جنتی لوگوں کو ٹیکا لگایا جائے گا'' اس سے متعلق کوئی روایت معتبر کتابوں میں ہم کو نہیں ملی''۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو انبیاء کے مثل اور انبیاء کے درجہ میں قرار دینا شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس طرح کی باتوں کی وجہ سے تبلیغی مکتب فکر کے مخالف لوگوں کو مخالفت کے لئے اور تبلیغی جماعت کی باتوں کو کمزور کرنے کے لئے اچھا موقع ہاتھ آ سکتا ہے؛ اس لئے تبلیغ کے ذمہ دار حضرات کو اس قسم کی باتوں پر روک لگانے کی ضرورت ہے۔(۱)

(۶۲) اللہ کے راستہ میں جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے افضل کہنا درست نہیں ہے۔

(۶۳) اگرچہ ایک قصہ زبان زد عوام وخواص ہے، جس میں دور رسالت میں ایک نوجوان کی حالت نزع کا ذکر ہے، والدہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ کلمہ کی تلقین کا جواب نہیں دے رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی، والدہ کو کہلوا بھیجا، جب والدہ نے رضا کا اظہار کیا تو نوجوان نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلقین کا جواب دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، اس قصہ کو مختلف طرز وانداز سے بیان کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ حسب عادت حاشیے بھی لگائے جاتے ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے بیان کرنا درست نہیں ہے۔

هذا حديث لايصح عن رسول الله ﷺ، وفي طريقه فائد، قال أحمد بن حنبل: متروك، وقال يحيى: ليس بشيء، وقال ابن حبان: لا يجوز الاحتجاج به، وقال

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۳۲۲

العقیلی: لا یتابعه علی هذا الحدیث إلا من هو مثله۔

(۶۴) جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے کسی دوست کو دیکھا ہے جو اپنے دوست کو موت دے، اس وقت اللہ نے ان پر وحی فرمائی کہ کیا آپ نے کسی محب کو دیکھا ہے جو اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند کرے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ملک الموت اب میری روح قبض کر لیجئے۔

اسی طرح جبرئیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہو کر گویا ہوئے: یارسول اللہ! ملکُ الموت دروازے پر کھڑے شرف باریابی چاہتے ہیں۔ آپ سے پہلے انہوں نے کسی سے اجازت نہیں مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جبریل! اسے آنے دو۔" ملکُ الموت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہوئے، اور کہا: السلام علیك یارسول اللہ! مجھے اللہ نے آپ کی چاہت جاننے کیلئے بھیجا ہے کہ آپ دنیا میں ہی رہنا چاہتے ہیں یا الله سبحانه وتعالی کے پاس جانا پسند کرتے ہیں؟ فرمایا: "مجھے اعلی وعمدہ رفاقت پسند ہے، مجھے اعلی وعمدہ رفاقت پسند ہے۔" ودخل سیدنا جبریل علی النبي وقال: یارسول الله! ملك الموت بالباب، یستأذن أن یدخل علیك، وما استأذن علي أحد من قبلك. فقال النبي: "ائذن له یاجبریل" فدخل ملك الموت علی النبي وقال: السلام علیك یارسول الله! أرسلني الله أخیرك، بین البقاء في الدنیا وبین أن تلحق بالله. فقال النبي: "بل الرفیق الأعلی، بل الرفیق الأعلی"

حضرت جبریل علیہ السلام کا آنا اور ملک الموت کی اجازت والی تمام

روایات انتہائی کمزور اور نا قابل اعتبار ہیں۔(۱)

وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر استاذِ حدیث وفقہ جدہ سعودی عرب، مفتی محمد عمر شفیق صاحب ندوی کی کتاب محقق نظر سے گذری ' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ آخرت، علالت، وفات اور بعد از وفات کے حالات۔(۲)

(۶۵) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عیسی علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانی پر چلے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان کا یقین اور زیادہ قوی ہوتا تو ہوا پر چلتے۔ قیل للنبی ﷺ ان عیسی علیہ السلام یقال انه مشی علی الماء فقال ﷺ: لو ازداد یقینا لمشی علی الهواء۔

(۶۶) حضرت ادریس علیہ السلام ملک الموت کے دوست تھے انہوں نے ملک الموت سے جنت اور جہنم دکھانے کی درخواست کی، ملک الموت ان کو لے کر آسمان پر گئے اور انہیں جہنم دکھائی، حضرت ادریس علیہ السلام جہنم دیکھ کر گھبرا گئے، قریب تھا کہ بے ہوش ہو جاتے ملک الموت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا، کیا دیکھ چکے؟ حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا جی ہاں دیکھ لیا، آج کے جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، پھر ان کو لیکر گئے اور جنت دیکھائی، حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں داخل ہوئے، کچھ وقت کے بعد ملک الموت نے کہا کہ چلئے، آپ نے جنت بھی دیکھ لی، حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں میں جنت میں داخل ہونے کے بعد نہیں نکلوں گا، ملک الموت سے کہا گیا کہ کیا آپ نے ان کو جنت میں داخل نہیں کیا تھا؟ اب انہیں وہیں رہنے دو کیوں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی نکالا نہیں جاتا۔ ان ادریس علیه السلام کان صدیقا لملک الموت الخ

اس روایت کے بارے میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات

---

(۱) تنبیہات، حصہ سوم، تنبیہ، ص: ۲۱۳

(۲) مطبوعہ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ے، اُس سے اس مضمون پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

میں سے ہے، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ صحیح ہے یا نہیں۔(۱)

فائدہ: مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

بعض روایات میں جو ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھانا منقول ہے ان کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا ہے: **هذا من اخبار كعب الاحبار الاسرائيليات وفی بعضه نكارة** یہ کعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے، ان میں سے بعض میں نکارت اور اجنبیت ہے یا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا مراد ہے، اس لئے ان کا رفع الی السماء قطعی نہیں، اور تفسیر قرآن اس پر موقوف نہیں۔(۲)

(۶۷) اسرائیلی روایات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض کے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں درج ہیں اور ان میں ایسے امراض کا انتساب کیا گیا ہے جو باعث نفرت سمجھے جاتے ہیں، اور جن کی وجہ سے ایسے مریض انسان سے بچنا ضروری سمجھا جاتا ہے، مثلاً جذام یا پھوڑے پھنسیوں کا اس حد تک پہنچ جانا کہ بدن گل سڑ جائے اور بدبو سے نفرت پیدا ہونے لگے، ان رویات کو نقل کرنے کے بعد بعض مفسرین نے یہ اشکال پیدا کیا کہ نبی کو ایسا مرض لاحق نہیں ہوتا جو انسانوں کی نگاہوں میں باعث نفرت ہو، اور اس وجہ سے وہ مریض سے دور بھاگتے ہوں اس لئے کہ یہ نبوت کے مقصد تبلیغ وارشاد کے منافی ہے اور رشد وہدایت کے لئے رکاوٹ کا باعث ہے، پھر اس کے دو جواب دیئے، ایک یہ کہ شاید یہ مرض حضرت ایوب علیہ السلام کو نبوت سے پہلے لاحق ہوا ہو اور مصیبت وآزمائش پر صبر وشکر کے بعد جب ان کو شفا ہوئی تب منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اسرائیلی روایات غیر مستند اور مبالغہ آمیز ہیں اور قرآن عزیز اور احادیث رسول میں اس کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہیں ہے، لہٰذا نہ اشکال

---

(۱) فتح الباری، باب ذکر ادریس علیہ السلام

(۲) معارف القرآن: ۶/ ۴۲

پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کے جواب کی ضرورت باقی رہتی ہے، محققین کی رائے یہی ہے اور یہی صحیح اور درست ہے، اور جب کہ قرآن عزیز نے مرض کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور تمام ذخیرۂ حدیث اس کے ذکر سے خالی ہے تو اسرائیلی روایات پر بحث قائم کرنا فضول اور لغو ہے۔(۱)

مذکورہ اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

① قرآن وحدیث میں بیماری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

② اسرائیلی روایتوں میں جو تفصیل مذکور ہے وہ مبالغہ آمیز ہے اور منصب نبوت کے خلاف ہے جس پر کسی حال میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۶۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انار کا ایک دانہ اٹھایا اور اس کو کھالیا ان سے کہا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ زمین کے انار میں جنت کے دانوں میں ایک سے دانہ ڈالا جاتا ہے شاید یہ وہی ہو۔(۲) مگر یہ بات تحقیق سے ثابت ہوچکی کہ امام ابن قیم اور ملا علی قاری کے بقول اور اسناد کے تفصیلی جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ انار کی فضیلت والی تمام روایات غیر مقبول اور مردود ہیں۔(۳)

(۶۹) حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد جب میں نے روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ میرے ابا کا کیا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شہید ہوگئے، اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے؟ یہ سن کر میں رو پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: چپ ہوجاؤں، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤ، اور عائشہ تمہاری ماں

(۱) قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی: ۲/ ۵۶۱، نیز دیکھئے: معارف القرآن: ۷/ ۵۲۲
(۲) جنت کے حسین مناظر، ص: ۵۵۸۔ بکھرے موتی: ۱/ ۴۸
(۳) مروجہ موضوع احادیث علمی جائزہ، ص: ۲۳۱

ہو جائے، میں نے کہا: کیوں نہیں؟ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔(۱)

⑦⓪ **عِفُّوْا تَعُفَّ نِسَآؤُكُمْ** (۲) یہ حدیث حسن یا ضعیف درجہ کی ہے لیکن **من زنی زنی به ولو بحیطان داره** ''جو زنا کرے گا اس سے بھی زنا کیا جائے گا اگر چہ اس کی دیواروں سے ہی کیوں نہ ہو) یہ بات ثابت نہیں البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار میں یہ مضمون موجود ہے۔(۳) **کذافی الشامی**۔(۴)

⑦① گلاب میرے پسینہ سے پیدا ہوا، اس قسم کی روایات کے بارے میں امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت قرار دیا ہے۔(۵)

⑦② حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی اور آپ کو دعوت کا حکم دیا گیا تو ایک بار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے کے لیے بستر بچھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بستر لپیٹ دو اب آرام کے دن ختم ہو گئے "**مضی عهد النوم یا خدیجة**" اس روایت کو فی ظلال القرآن میں سید قطب نے دو جگہ ذکر کیا ہے شیخ علوی بن عبد القادر سقّاف تخریج میں فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ملی ہے۔(۶)

⑦③ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک جنگ کے موقع پر فتح نہیں ہو رہی تھی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فتح نہ ملنے کی وجہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ مشغولیت کی وجہ سے مسواک کرنا بھول گئے تو سب ساتھیوں نے مسواک نکال کر مسواک کرنا شروع کر دیا جب دشمنوں نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے یہ تو

---

(۱) **مجمع الزوائد، نمبر: ۱۳۵۱۷**

(۲) **مجمع الزوائد، فیض القدیر**

(۳) مروجہ موضوع روایات کا علمی جائزہ، ص ۳۳۲

(۴) تنبیهات، حصہ دوم، سلسلہ نمبر: ۶۴، ص: ۸۰

(۵) تفصیل دیکھئے مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص: ۲۰۷

(۶) **عبد الباقی اخوند زادہ، تنبیهات، ص ۵۸ سلسلہ نمبر: ۱۸**

دانت تیز کرر ہے ہیں، لگتا ہے ہمیں کچا ہی چبا جائیں گے تو ڈر کر دشمن بھاگ گیے۔
فتح مصر کے واقعات میں بعض قصہ کو لوگوں نے بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۱)

(۷۴) فرض نماز کا اہتمام فرض ہے، ترک گناہِ کبیرہ ہے، ترک کے وبال کو بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی جاتی ہے:

فجر: جو شخص جان بوجھ کر فجر کی نماز چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے چہرے سے صبح کا نور ہٹا دیا جاتا ہے، ظہر: جو شخص ظہر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے رزق میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے، عصر: جو شخص عصر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ اس کے جسم کی طاقت کو سلب کرلیا جاتا ہے اور وہ ہر وقت بیمار رہتا ہے، مغرب: جو شخص مغرب کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کی اولاد نافرمان ہوجاتی ہے، عشاء: جو شخص عشاء کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کو چین وسکون کی نیند نہیں آتی ہے۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے کہ ''پانچوں وقت کی نمازوں کے ترک کرنے والے کے نقصانات سے متعلق جو سوالنامہ میں ذکر کیا ہے، قرآن مقدس میں یا کسی صحیح حدیث شریف میں وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں تلاش بسیار کے باوجود ہماری نظر سے نہیں گزریں''۔(۲)

(۷۵) عرب کی جاہلیت کو بیان کرتے ہوئے بعض مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کردی جاتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی اسلام لانے سے قبل بچی کو زندہ درگور کئے تھے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے از خود اسلام سے پہلے کسی بچی کو زندہ درگور کرنے کی کوئی روایت ہم کو نہیں ملی، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مل گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) **تنبیہات**، سلسلہ نمبر: ۱۹، عبدالباقی اخونزادہ

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۴/ ۲۸۵

کی بارگاہ میں تشریف لاکر فرمانے لگے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ بارہ یا تیرہ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہر ایک بچی کی طرف سے ایک ایک غلام آزاد کردو، اس پر حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس غلام تو نہیں البتہ اونٹ ہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایک بچی کی جانب سے ایک ایک اونٹ صدقہ کردو۔ (۱)

۷۶ بیوی سے جماع کی فضیلت

ذیل کی تمام روایتیں موضوع ہیں:

[۱] جو مرد پیار سے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور جب معانقہ کرتا ہے تو بیس نیکیاں اور جب بیوی کا بوسہ لیتا ہے تو ایک سو بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جب صحبت کرتا ہے تو دنیا و مافیہا سے افضل ہوتا ہے اور جب غسل کرنے جاتا ہے تو جس بال پر بھی پانی گذرتا ہے تو ہر بال کے بقدر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں، اللہ تعالی فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس بندے کو دیکھو اس ٹھنڈی رات میں اٹھا اور جنابت کا غسل کیا، وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں، تم گواہ رہو کہ میں نے اس کی مغفرت کردی۔

"ما من رجل من المسلمين يأخذ بيد امرأته يراودها إلا كتب الله له عشر حسنات، فإذا عانقها فعشرون حسنة، فإذا قبلها فعشرون ومئة حسنة، فإذا جامعها ثم قام إلى مغتسله لم يمر الماء على شعرة من جسده إلا كتب الله له بها عشر حسنات وحط عنه عشر خطيئات، وإنَّ اللهَ

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۲۱۶/۴

عزّ وجلّ ليباهي به الملائكة فيقول: انظروا إلى عبدي قام في هذه الليلة الشديد بردها فاغتسل من الجنابة مؤمناأني ربه أشهدكم أني قدغفرت له"(۱)

[۲] مسلمان مرد جب اپنی بیوی سے جماع وصحبت کرتا ہے تو اس کو ۷۰ نفلوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

[۳] اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے چالیس ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

[۴] جب مرد اپنی بیوی کے پاس جائے اور "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھ کر ہمبستری کرے، اگر اللہ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اپنے اور اس کی اولاد کے سانسوں کی گنتی کے برابر نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

۷۷ دردِزہ کی فضیلت

[۱] عورت کو ایک بچہ پیدا کرنے پر ۷۵ سال کی نماز کا ثواب اور ہر ایک درد پر ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔

[۲] جب عورت کو دردِ ولادت ہوتا ہے تو آسمان وزمین کے رہنے والے نہیں جانتے کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

[۳] جب اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکو کہا جاتا ہے کہ اے اللہ کی بندی جاؤ تمہارے سارے گناہ معاف ہو چکے، نئے سرے سے اعمال شروع کرو

"فاذااصابها الطلق لم يعلم أهل السماء وأهل الارض ماأخفى لها من قرة أعين"(۲)

---

(۱) غنية الطالبين: ۹۳-۹۴، فصل فی آداب النکاح

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث ۶۷۳۳، دارالحرمین القاہرہ، تاریخ دمشق: ۳۴/۷/۴۳، دارالفکر، بیروت، بحوالہ: غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۳۸۷

[۴] بچہ پیدا ہونے میں جو تکلیف برداشت کرتی ہے ہر ایک رگ کے درد پر ایک ایک حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

[۵] بچے کی پیدائش کے بعد اس کے لئے ستر سال کی نماز اور روزہ کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

[۶] بچہ ہونے کے بعد عورت ۴۰/ دن کے اندر فوت ہو جائے تو اس کو شہادت کا درجہ عطا ہوگا۔

⑱ دودھ پلانے کی فضیلت

ذیل میں ذکر کی گئی روایات بھی نقل کرنے کے لائق نہیں ہیں:

[۱] جو عورت اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے اسے اللہ تعالی ہر قطرے پر ایک نیکی عطا کرتے ہیں۔ "**ولم يُمَصّ من ثَدْيِها مَصَّةٌ، إلا كان لها بكلِّ جُرْعَةٍ وبكلِّ مَصَّةٍ حسنة**"۔

[۲] جب دودھ پلاتی ہے تو ہر بار دودھ پلانے پر بنو اسماعیل کے ایک غلام کو آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ "**فإذا أرضعت فلها بكل رضعة تحرير رقبة من ولد إسماعيل**" (۱)

[۳] بچہ رات کو روئے اور ماں بغیر برا بھلا کہے اس کو دودھ پلائے تو اس کو ایک سال کی نمازوں اور روزوں کا ثواب ملے گا۔

[۴] جب بچے کے دودھ کا وقت پورا ہو جائے تو آسمان سے ایک فرشتہ آکر اس عورت کو خوشخبری سناتا ہے کہ اے عورت! اللہ نے تجھ پر جنت واجب کر دی ہے۔

[۵] جب دودھ پلانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو آسمان سے آواز دی جاتی ہے کہ اے عورت! از سرِ نو عمل شروع کر کیونکہ گذشتہ سارے گناہ معاف ہو چکے۔ "**فإذا فطمته نادى مناد من السماء: أيتها المرأة! استأنفي العمل فقد كفيت ما مضى**"

---

(۱) بحار الانوار ۱۰۱/ ۲۵۲، مجلسی، شیعہ

[٦] جو عورت اپنے بچے کے رونے سے رات بھر نہ سو سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر دیتے ہیں۔ "فإن أسهرها ليلة كان لها مثل أجر سبعين رقبة يعتقهن في سبيل الله عز وجل"

[٧] جو عورت اپنے بچے کی بیماری کی وجہ سے نہ سو سکے اور اپنے بچے کو آرام دینے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس کو بارہ سال کی قبول عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

⑲ گھر کا کام کرنے کی فضیلت

[١] جو عورت ذکر کرتے ہوئے جھاڑو دے تو اللہ تعالیٰ اس کو خانہ کعبہ میں جھاڑو دینے کا ثواب عنایت کرتے ہیں۔

[٢] عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں صفائی کی نیت سے چیزوں کو قرینے سے رکھے گی تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر ڈالے گا اور جو بھی اللہ کا منظور نظر ہو گیا اسے عذاب سے امان مل جائے گی۔

"ما من امرأة رفعت من بيت زوجها شيئا من موضع إلى موضع تريد به صلاحا إلا نظر الله إليها، و من نظر الله إليه لم يعذبه"

[٣] جو عورت آٹا گوندھتے وقت "بسم اللہ" پڑھے تو اس کے رزق میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔

[٤] جو عورت گائے یا بھینس کا دودھ "بسم اللہ" پڑھ کر دوہے تو وہ جانور اس کو دعائیں دیتا ہے۔

[٥] جب کوئی عورت اپنے گھر میں کام کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نظر رحمت سے دیکھتے ہیں۔

[٦] جب کوئی عورت اپنے گھر کا صحن صاف کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے محبت و رحمت کی

نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (مذکورہ تمام باتیں من گھڑت ہیں)۔

ان سب کے بجائے یہ باتیں کہی جاسکتی ہیں:

☆ إذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتجبه، وإن كانت على التنور،
جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلایے تو فورا چلے جانا چاہیے، چاہے وہ چولہے پر ہو۔(۱)

☆ وَلَا تَجِدُ امْرَأَةٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا وَلَوْ سَأَلَهَا نَفْسَهَا وَهِيَ عَلَى ظَهْرِ قَتَبٍ(۲)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین شخص پر لعنت بھیجی: ایک وہ شخص جو قوم کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت کرے، دوسری: وہ عورت جس پر شوہر ناراض ہو، تیسرا وہ شخص جو حی علی الفلاح سننے کے باوجود نماز کا حق ادا نہ کرے۔(۳)

شریعت اسلامی میں زیادہ بچے جننے والی خاتون کی فضیلت ہے اور ایمان والے کو کانٹے کے لگنے پر بھی ثواب ملتا ہے، بخار پر بھی گناہ دھلتے ہیں، اگر عورت دردِ زہ میں مر جائے تو آخرت کے اعتبار سے شہادت کا مقام ملتا ہے: "وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدَةٌ" (۴)

صبر سے متعلق کافی فضائل موجود ہیں، قرآن میں صبر پر بے حساب اجر دینے کا وعدہ ہے: "إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" صبر کرنے والوں کو بے حساب دیا جاتا ہے، دودھ پلانے، امور خانہ داری میں دلچسپی لینے اور اس قسم کے عام فہم کچھ آیات واحادیث کے فضائل بیان کیے جاسکتے ہیں۔

---

(۱) صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۱۶۵، اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۷۳۲۵، صحیح بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں۔

(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۳۵۸

(۴) ابوداود، حدیث نمبر: ۳۱۱۱

(۸۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ایسی باتیں نہیں بولی جانی چاہئے جس سے مقام نبوت مجروح ہوتا ہے، معتمد کتبِ تفسیر سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوا تھا، اس مدت میں بھی دعوت وتبلیغ کا کام بند نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام برابر اس کام کو انجام دیتے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر فقہاء سے آگے جانے میں جلدی کی تھی اور گمراہ ہونے والے قوم کے وہ افراد تھے، جو حضرت ہارون علیہ السلام کی زیر نگرانی تھے، موسیٰ علیہ السلام کے جلدی چلے جانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلدی چلنے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی نکیر اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کی یہ تعجیل قابل تعریف سمجھی گئی، حدودِ شرع میں رہتے ہوئے خلوت وعزلت اور گوشہ نشینی بھی شرعاً مطلوب ومحمود اور سنن انبیاء میں سے ہے، اس کو علی الاطلاق گمراہی کا سبب قرار دینا خود گمراہی ہے۔(۱)

(۸۱) اسباب کے درجہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام سے مدد حاصل کرتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کا آنے والے شخص سے بادشاہ کے پاس اپنے ذکر کرنے بر مدد حاصل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، یہ ہی راجح تفسیر ہے، حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہرگز غافل نہیں ہوئے تھے، نہ ہی شیطان کے انہیں بھلا دیا تھا، شیطان نے بھلانے اور غفلت میں ڈالنے کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہرگز صحیح نہیں ہے، بلکہ شیطان نے اس ساقی کو جو جیل سے رہائی پا کر بادشاہ کے پاس گیا اُس کو یوسف علیہ السلام کے تذکرہ سے بھلا دیا۔

(۸۲) حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاری اور قاضی زین العابدین کی تحقیق کے مطابق تو "اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ" کا مطلب یہ ہے کہ میرے اس عقیدۂ

(۱) حوالہ جات کے لئے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے متعلق مفتی زید مظاہری دامت برکاتہم کا رسالہ نمبر: ۱-۲

توحید اور میری دعوت وتبلیغ اور میری سیرت وکردار کا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا، شیطان نے ساقی کو بھلا دیا، اس کا بھولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب اور عقاب کی وجہ سے نہیں ہوا، بیان القرآن میں یہ وضاحت موجود ہے۔(۱)

(۸۳) قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنا کمالِ ادب اور زیادتی ثواب کا ذریعہ ہے، لیکن عذر یا بلا عذر موبائیل میں بھی قرآن پڑھنا درست ہے۔

(۸۴) دینی خدمات (تعلیم، تدریس، امامت، مؤذنی، خطابت) پر اجرت لینا جائز ہے، عزیمت اور قربانی حسب استعداد دی جاتی ہے، خلفاء راشدین تنخواہ لیتے تھے اور ماتحتوں کو دیتے بھی تھے، تنخواہ لے کر پڑھانا تجارت سے بھی افضل ہے، تنخواہ لینے سے اخلاص متأثر نہیں ہوتا، یکسو ہو کر دینی خدمات میں لگنے پر امت کو زیادہ فائدہ پہونچتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملفوظ جو حیاۃ الصحابہ میں موجود ہے کہ اے قرآن وعلم والو! قرآن اور علم پر قیمت نہ لو، ورنہ زانی تم سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، یہ اثر محققین کے مطابق نا قابل نقل ہے، کنز العمال میں الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع خطیب بغدادی سے نقل کیا گیا، اس میں ''زناۃ'' نہیں، ''دناۃ'' لکھا ہے، مسند میں معلیٰ بن بلال ہے جو متہم بالکذب راوی ہے، اس کذاب کے ہوتے ہوئے اس روایت کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تنخواہ کیوں طے فرماتے تھے، امت پہلے ہی سے علماء کرام وخدام دین کی نا قدری ہے، اس قسم کی باتیں کیا قوم کو جری نہیں بنا دیں گی؟ کیا قلیل تنخواہوں پر کام کرنے والے اور عام تجار علماء برابر ہو سکتے ہیں۔(۲)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) دیکھئے: آپ بیتی، تجدید تعلیم وتبلیغ، خیر القرون کی درس گاہیں، ہندوستان کا نظام تعلیم وتربیت، مجموعہ مقالات قسط دوم، مفتی زید مظاہری دامت برکاتہم

مجموعہ تفاسیر واحادیث اور فقہاء ومجتہدین کی تحریرات وتحقیقات کو نظر انداز کر کے سیرت صحابہ وغیرہ سے کوئی مسئلہ بنانا نہایت کم علمی ہے۔

(۸۵) دینِ اسلام میں سیاست مکمل ایک شعبہ ہے، جس پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اُردو زبان میں اسلام کا نظام حکومت، (مولانا حامد غاری الانصاری) اسلام کا نظامِ سیاست (مولانا اسحاق سندیلوی) مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی اسلام اور سیاسی نظریات ان سب میں یہ بات مسلّم ہے:

(۱) حقیقی امیر وہ ہوتا ہے جسے قوت قہر یہ حاصل ہو اور اُس کے بہت سے کام ہیں۔

(۲) مدرسہ یا کسی تنظیم کا امیر جس کے محدود کام ہوتے ہیں اُسے امارتِ صغریٰ والی امارت کہی جاسکتی ہے۔

(۳) اطاعت کے فضائل اور بغاوت کی وعیدیں وغیرہ سب امارت کبریٰ والے امیر سے متعلق ہیں۔

(۸۶) امامت کبریٰ میں تو بے شک حاکم اصل اور اس کی مجلس شوریٰ اس کے تابع ہوتی ہے، لیکن کسی ادارہ، تنظیم وغیرہ کے احکام اُس کے اپنے دستور کے مطابق ہوں گے، دار العلوم دیو بند، ندوۃ العلماء، مظاہر علوم وغیرہ کے دستور کے مطابق مہتمم مجلس شوریٰ کا ملازم اور ماتحت ہوتا ہے، ان سب اداروں کے دستور اور تاریخ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، یہ سب بے غبار اور اصولی باتیں ہیں، عوام وخواص کو اس کے خلاف کسی کی حمایت یا مخالفت میں حدودِ شریعت کو تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۷) یاد رکھیے! انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دلائل شرعیہ کے بغیر خواب، الہام، کشف دلیل نہیں ہوسکتا ہے، دلیل شرعی کے بعد اُن مبشرات سے سہارا اور تائید لی جاسکتی ہے، لیکن وہ کبھی بنیاد نہیں ہوسکتی ہے۔

(۸۸) قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبسوط کتاب ''مقاماتِ مقدّسہ'' میں آیات واحادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ حرم اور کعبۃ اللہ مرکز عبادت وامن ہے، طورِسینا مرکز عسکریت ہے اور مسجد اقصیٰ مرکز شوکتِ اسلام ہے، اس کے علاوہ علمی، دعوتی، عبادتی مراکز تبدیل ہوتے رہتے ہیں، سیاسی مرکز کبھی مدینہ منورہ تھا، کبھی بغداد، ہندوستان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا سرہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ رحیمیہ علم وتجدید کا مرکز رہا، اس لیے کسی علمی، سیاسی، عبادتی مرکز کو تا قیامت منصوص کی طرح مرکز قرار دینا صاف مغالہ انگیزی ہے، پُراُمید ہونا اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظن رکھنا الگ ہے، بطور عقیدہ کے اس قسم کے چرچے ختم ہونا چاہئے۔

(۸۹) جس کے ذریعہ ایمان اور دین ملا اس کی قدر دانی، احسان شناسی ہونا چاہئے، اپنا شیخ، یا مدرسہ، یا تبلیغی محنت لیکن اس کا مطلب کورانہ تقلید، اندھی اتباع نہیں ہے، کوئی خاص خانوادہ یا گھرانہ معیار حق نہیں ہے قرآن وسنت اور سلفِ صالحین کی فہم کسوٹی ہے، اس کے بغیر اہل بیت معتبر نہیں تو ہما شما کا کیا پوچھنا!

(۹۰) ''ادنی جنّتی کی جنّت دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی'' یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جس آدمی کے پاس رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوا گرچہ اس کے اعمال خراب رہے ہو، اولا اُسے جہنم میں ڈالا جائے گا اور کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان مؤمنین سے فرمائیں گے جو پہلے ہی سے اللہ کے فضل سے جنت مین داخل ہو چکے ہوں گے کہ ''ایسے شخص کو جہنم ے نکال دو جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، چنانچہ اس حال میں جہنم سے نکالا جائے گا کہ جل کر کوئلہ ہو چکا ہوگا، اس کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا جہاں سے وہ صاف ستھرا ہو کر نکلے گا، پھر اس کو اتنی بڑی جنت دی جائے گی جو دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی''۔(۱)

---

(۱) بخاری شریف، کتاب الإیمان، باب تفاضل أہل الإیمان، حدیث نمبر: ۶۵۶۰ /۶۳۱۱، مسلم شریف، کتاب الإیمان، باب اثبات الشفاعۃ واعمواج الموجودین من النار، حدیث نمبر: ۱۸۶

(۹۱) **فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ** یوم النحر ۱۰/ویں ذی الحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل خطبہ میں فرمایا: ظاہر ہے کہ اُس کے بعد اعمال حج باقی رہتے ہیں، ایسا کہنا کہ اُس خطبہ کے یا یہ بات سن کر صحابہ اپنی اپنی اونٹنی کے رُخ پر چلے گئے نہایت کم علمی کی بات ہے۔

(۹۲) انبیاء علیہم السلام کے مستند واقعات کے لیے قصص الانبیاء، ابن کثیر، قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاری، اور حیاۃ الصحابہ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے، فرعون بحر قلزم جسے بحرِ احمر بھی کہا جاتا ہے، میں ڈبویا گیا، وہ دریائے نیل میں نہیں ڈبویا گیا اس طرح کی بہت سی تاریخ وسیرت کی اغلاط کو رواج نہیں دیا جانا چاہئے۔

(۹۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں سانپ نے ڈسا، آنسو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گرے، ابن کثیر فرماتے ہیں اس میں غوابت اور مکارق ہے، بیہقی نے دلائل نے سیوطی نے درّ منثور میں نقل کیا، لیکن مسند مذکور نہیں ہے، اُس سانپ کا بنی اسرائیل کا ہونا، عرصۂ دراز سے انتظار میں رہنا کسی مستند کتاب میں نہیں ملا۔

(۹۴) یہودی کے جنازہ کے لیے کھڑے ہونا ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے جنازہ گذرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگیے، کہا گیا وہ یہودی کا جنازہ ہے فرمایا: ''**أليست نفسًا**'' کیا وہ انسانی جان نہیں ہے۔

اسی طرح ایک یہودی غلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، بیمار ہوگیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیادت کی، سرہانے بیٹھے، فرمایا: ''**أَسْلِمْ**'' اسلام قبول کرو، تو وہ اپنے باپ کو دیکھنے لگا، تو باپ نے کہا: ''**أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ**'' احمد کی مان لو، تو اس نے کلمہ پڑھا، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہوئے نکلے: ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ**'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو جہنم سے بچالیا، یہ بھی بخاری کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا اور یہ فرمانا کہ ایک

جان میرے ہاتھ سے چھوٹ کر جہنم میں چلی گئی، علماء کرام کو نہیں ملی۔

(۹۵) یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ''حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی قوم ہلاک ہوگئی'' پھر عرصہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو مٹی کے کھلونے بنانے کا حکم ہوا، پھر توڑنے کا حکم ہوا، اس پر وہ رنجیدہ ہوئے، اِس دلی کیفیت پر کہا گیا: اے نوح! ان معمول بے جان کھلونوں کے توڑنے پر تمہیں اتنی تکلیف ہوئی، آپ کی بددعا کی وجہ سے پوری قوم تباہ ہوگئی، مجھے ان بندوں سے کیا محبت نہیں تھی؟'' یہ واقعہ مقام انبیاء کے خلاف ہے، نوح علیہ السلام کا بددعا کرنا جذبات کی وجہ سے نہیں تھا، یہ بددعا بھی شفقت کی وجہ سے تھی، جیسا کہ دعائیہ آیات بتلائی ہے کہ اگر یہ زندہ رہے تو مزید قوم کو گمراہ کرتے رہیں گے، انہیں بتلا دیا گیا تھا کہ اور کوئی اس کے بعد ایمان لانے والا نہیں ہے: ''**أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ**'' (۱)، بلکہ علامہ قرطبی تو فرماتے ہیں کہ ''حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی''۔

(۹۶) حدیث میں ہے: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مینڈک ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھارہا تھا، اور گرگٹ اُس آگ میں پھونک مارتی رہی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس نوعی خصوصیت کی وجہ سے) مینڈک کو مارنے سے روکا اور گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا: ''**فنهى عن قتل هذا وأمر بقتل هذا**'' (۲)

(۹۷) فرشتوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشابہت میں ٹاٹ کا لباس پہننا، اس روایت کو جلال الدین سیوطی، ابن عراق، ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: ''**ان الله تعالىٰ أمر الملائكة أن تتخلل في السماء**

---

(۱) سورۃ ہود: ۳۶

(۲) مصنف عبدالرزاق: ۴/۴۴۶، حدیث نمبر: ۸۳۹۲

كتحلّل أبي بكر في الأرض "۔(۱)

اس موضوع پر وقتاً فوقتاً معتدل اہل افتاء واصحاب حق کے تحقیق کی کتابیں آتی رہتی ہیں اس سے استفادہ کرنا چاہئے، جیسے: چند معروف لیکن غیر مستند احادیث، مفتی صداقت علی، مدرسہ مرکزی دار القراء نمکنڈی، پشاور، مکتبہ عمر فاروق، محلہ جنگی پشاور، سے طبع شدہ ہے استفادہ کرنا چاہئے۔

(۹۸) سورج کا طلوع نہ ہونا صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہیں: "**إِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ عَلَى بَشَرٍ إِلَّا لِيُوشَعَ لَيَالِيَ سَارَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ**" (۲) اور علی اختلاف الروایات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نمازِ عصر کے لئے واپس کر دیا گیا، اس کے علاوہ بلال رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت نہیں۔



---

(۱) الصواعق المرحقة على أہل الرفض والضلال والزندقةللهيثمي:۱/۲۱۴، مؤسسة الرسالة-لبنان، الطبعة الاولى:۱۴۱۷ھ

(۲) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۸۳۱۵، محقق شعیب ارنؤط نے اس حدیث کے اسناد کو امام بخاری کے شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

کچھ قابلِ مطالعہ اہم کتابیں

☆ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت
مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ شناس، تاریخ نویس شخصیت گزری ہے. بہت سے تحریکات اور اس کے بانیوں کو قریب سے دیکھا، پرکھا، سمجھا، تعارف کروایا، مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت سے فیض اُٹھایا ان کی محنت، فکر کو خوب سمجھا، خود مولانا نے انہیں اپنی تحریک کا ترجمان بنایا تھا، کام کو اپنی اصل ڈگر پر رکھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

☆ تاریخ دعوت وعزیمت، از مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ میں بتلایا گیا کہ ہر زمانہ کے تقاضے کے مطابق دین وشریعت کے محافظ علماء کرام پیدا ہوتے رہے ہیں، کسی تحریک یا کسی سلسلہ کو اس طور پر اپنا کارنامہ نہیں بیان کرنا چاہئے، جیسا کہ چودہ سو سال میں انہوں نے ہی وہ کام کیا جواب تک چھوٹا ہوا تھا، نیز دیگر تحریکات ومحنتوں کے سلسلہ میں حسن ظن، عظمت واعتراف دل میں پیدا ہوتا ہے۔

☆ دین وشریعت: از مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ اور تاریخ دعوت وعزیمت دراصل کارکنان دعوت کے سامنے ان کی فکر کی معتدل تشکیل اور طریقہ مناسب اجزاء ترکیبی کو شامل کرنے کے لیے ان اکابر نے صف اول کے سامنے یہ محاضرات ولکچرس پیش کیے تھے حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں سے زیادہ مولانا

الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج ومنشا شناس کوئی نہیں تھا ان بزرگوں کے زبان وقلم سے عالم اسلام وعالم عرب میں اس عظیم محنت کی ترجمانی کروائی گئی، اور یہ دونوں اپنے زمانہ کے اصحاب علم تزکیہ وبانیانِ تحریکات کے منظور نظر رہے ہیں، عالمی شخصیات وتحریکات اور اس کے نشیب وفراز پر ان سے زیادہ کسی کو تجربہ نہیں تھا نبض شناس ودور اندیشی سے انہوں نے جو کچھ بھی لکھا کہا اس کی آج پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔

☆ مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے تھانویات، ندویات، (قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ) پرسلسلہ وار مختلف عناوین پر مستند کام کیا ہے، انہیں معاصر اکابرین کا غیر معمولی اعتماد حاصل رہا، ندوۃ العلماء جیسی عظیم درسگاہ کے استاذ ہیں، جماعت تبلیغ پر بھی انہوں نے متعدد کتابیں افادات اکابر پر مشتمل جمع فرمائی ہیں، بطور خاص اس کتاب میں وسائل اور مقاصد مدارس اور خانقاہوں کی آبادی، شرعی پنچایت ودار القضاء کا قیام، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے بڑوں سے نیاز مندانہ تعلق، فضائل ومسائل کی درجہ بندی اور دونوں کی اہمیت غیر مسلموں میں کام سے متعلق مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ، سیاست وحکومت میں حصہ لینے والوں کی قدردانی، دینی جلسوں اور تصنیفی کام کی ترغیب وغیرہ موضوعات پر مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف ملفوظات واقتباسات کو جمع کیا ہے، اہل دعوت کو اس سے مکمل استفادہ کرنا چاہیے۔

دعوت وتبلیغ کے موضوع پر مفتی محمد زید مظاہری ندوی کی کتابوں کی فہرست

① دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت اور اس کے مقاصد (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اس کام کے ذریعہ پورا دین زندہ کرنے کا طریقہ (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

۲ تبلیغی چھ نمبروں کی اہمیت وضرورت (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
۳ دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
۴ اللہ کے راستے میں نکلنے والوں کے لئے خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ)
۵ علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
مدارس اور جلسہ وچندے سے متعلق خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
۶ جہاد کی حقیقت اور فی سبیل اللہ کی تشریح (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مع اضافہ)
۷ دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
۸ اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
۹ آدابِ تقریر وآدابِ تربیت (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
۱۰ احکامِ مناظرہ (دعوت وتبلیغ میں مناظرہ اور حکمت عملی (افادات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
۱۱ اللہ کے راستے میں نکلنے کی اہمیت (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ)
اور دعوت وتبلیغ سے متعلق ضروری اصطلاحات (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ)
۱۲ کتبِ فضائل اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات (شیخ الحدیث مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ)
۱۳ تبلیغی چھ نمبر قرآن پاک کی روشنی میں (افادات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

رحمۃ اللہ علیہ، زیر ترتیب)

⑭ تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں۔(زیر ترتیب)

☆ پروفیسر محسن عثمانی دامت برکاتہم کی کتابیں؛ ہندو مذہب، دعوت دین؛ برادرانِ وطن اور اقوام کے درمیان سے بطور خاص استفادہ کرنا چاہئے۔

☆ پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلے ہوئے رسائل بھی ایک داعی کے لیے بہترین مواد فراہم کر سکتے ہیں۔

☆ مولانا کلیم صدیقی صاحب دامت براتہم کے رسائل میں ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' اور اسی طرح نومسلم بھائی بہن کے قبول اسلام کے وجوہات وتاثرات سے بھی کافی مدد حاصل ہوتی ہے، ان کی کارگزاریاں مخاطب کے دل کو دستک دینے کے اسباب بتلاتی ہے۔

☆ سنتوں اور دعاوں کے مستند ذخیرے کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھانا چاہے۔

① شمائل کبریٰ　　مولانا ارشاد القاسمی بھاگلپوری، گورینی رحمۃ اللہ علیہ

② الدعاء المسنون　　----------------

③ سنن وآداب　　مولانا ابوبکر بن مصطفی پٹنی (ڈابھیل)

④ جامع عمل الیوم واللیہ　　مولانا الیاس صاحب بارہ بنکوی